حسن انجلینا

ایک اسلامی تاریخی ناول

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

پیش لفظ

از اشرف حسینی

ناول کی ہیروئن کی ماں سوفیا انجلینا ہے۔ وہ گلیشیا کے گورنر کی بیٹی تھی۔ گورنری کے زمانہ میں اس کی ہمراہ صرف ایک بی بی تھی، پندرہ سولہ سال کی نوعمر اور حوروش لڑکی سوفیا اور اس کی کم سن خادمیہ جین تھی۔

ٹامس کو اپنی حسین و نازنیم بیٹی سے بڑی محبت تھی اور اس کی تمام خوشیاں گویا سوفیا ہی کی خوشی کے ساتھ وابستہ تھیں۔ ایک روز سوفیا گھاٹیوں کے سیر میں مشغول تھی کی اتفاقاً اس کی نظر ایک نوجوان پر جا پڑی۔ خدا جانے وہ کسی جادو کی نظر تھی کہ اس نوجوان کی طرف جاتے جاتے واہ دل سوفیا کے ہوش وحواس بھی ساتھ لے گئی۔ یہ نوجوان سلیمان تھا۔ سلیمان اور سوفیا کی شادی کے دو سال بعد سوفائے کے ہاں ایک ماہ وش پیدا ہوئی۔ باپ نے اس کا نام نورالصباح رکھا مگر ماں اُسے پیار سے انجلینا کہا کرتی تھی۔

جین نے نمک حرامی کی، روس کے وزیرِ جنگ سے اپنے ساتھ شادی کا وعدہ کرا کر ٹامس کو زندہ گرفتار کروا کر ہلاک کروا دیا۔ انجلینا کے والد سلیمان کی تمام دولت پر روسی حکومت کا قبضہ ہو گیا۔ سلیمان کی کچھ جائداد انجلینا کو دے دی گئی اور باقی فروخت کر دی گئی۔ کل نو لاکھ روپیہ اس جائداد سے حاصل ہوا۔ جو روسی بنک میں جمع کر دیا گیا۔ اس روپیہ کا سود تین ہزار چھ سو روپیہ ماہوار تھا اور چار ہزار تنخواہ کل سات ہزار چھ روپیہ ماہوار کی آمدنی سے جیکس انجلینا کی پرورش کی جاتی تھی۔

انجلینا آخر تک مسلمان شہزادہ حسن اور روسیوں کی توجہ کا مرکز رہتی ہے اور آخری یعنی اٹھارویں باب میں روسیوں کو بھی دعوت دی جاتی ہے لیکن ظاہر نہیں کیا

جاتا کہ انہیں کیوں بلایا گیا ہے۔ روسی سالارِ فوج ایک تُرک سردار سے پوچھتا ہے کہ وہ کون سے خوشی ہے جس کے لیے تم نے ہمیں بلایا ہے تو جمیل پاشا تُرک سردار کہا تا ہے

ہمارے معزز اور جوانمرد شہزادے شہزادہ حسن کو ایک عشق نے عرصے سے سرگرداں کر رکھا تھا جس میں خدا کے فضل و کرم سے انہیں کامیابی ہوئی اور ان کی معشوقہ وفاداری اور ہم وزن محبت کے ساتھ ان کے پاس آ گئی۔ اس وقت منظور ہے کہ عقد ہو جائے۔ باب ۱۸

قاضی کے نکاح پڑھنے کے بعد روسی افسر اور سب افسرانِ تُرک بھی چلے جاتے ہیں اور شاہزادہ حسن اپنی دلربا کے خیمے کا راستہ لیتا ہے۔

ناول میں شیعہ اور سُنی افراد کی مخالفت کے باعث روسیوں کا غلبہ دکھایا گیا ہے۔

تعصب کے اثراتِ بد ظاہر کئے گئے ہیں۔

ناول کے آٹھویں باب بعنوان، کامیابی، سے تیرھویں باب بعنوان پھر وہی جہاد تک جدال و قتال کا ذکر ہے۔ دریں اثنا شہزادی انجلینا کو روسی فریب سے گرفتار کر کے لے جاتے ہیں وہ ایک روسی کامروف کے قبضہ میں رہتی ہے۔ اس کی سہیلی مریم کو ایک روسی کی زبانی شہزادی انجلینا کا پتہ چلتا ہے تو وہ طفلیس کی جانب رختِ سفر باندھ لیتی ہے اور شہزادی، مریم کی ملاقات سے انتہائی خوش ہوتی ہے۔

کامروف کو میدانِ جنگ میں جانے کا حکم ملتا ہے۔ وہ ترکوں کے ہاتھوں قتل ہوتا ہے۔ کامروف کی لڑائی شہزادہ حسن سے بھی ہوتی ہے۔ شہزادہ حسن کو کوران پر زخم آتا ہے۔

مولانا شرر نے حسن انجلینا، حسن کے رقیب کامروف کی لڑائی کا مختصر سا ذکر کیا

ہے۔انجلینا،حسن کے رقیب کامروف کومرتے دم تک نہیں بھولتی۔

مرتے وقت کامروف کوانجلینا کا خیال تھا۔کیوں کہ یہی نام کئی بار اس کی ناتواں آواز سے سُنا گیا اور بدروح پرواز کرگئی۔باب ۱۸

کامروف کی ہلاکت کے بعد روسی غلبہ موجود رہتا ہے۔مریم،حسن اور انجلینا کی جانیں غیر محفوظ ہیں۔ناگاہ شہزادہ کو ایک تدبیر سوجھتی ہے۔شہزادہ حسن شہید ترکوں کی وردی اُتروا کی انجلینا اور مریم کو پہنا دیتا ہے۔وردی پہننے کے بعد اس کی وضع کے بانکپن کا ذکر شرریوں کرتے ہیں۔

پیاری انجلینا اس وقت دیکھنے کے قابل ہے۔فوجی نیلا کوٹ اس کے سنہرے رنگ پر عجب لطف دِکھا رہا تھا۔سیاہ زلفیں چہرے اور شانوں پر بکھری ہوئی تھیں اور تُرکی ٹوپی جو ایک بانکی وضع سے اس کے سر پر رکھی ہوئی تھی۔اس کی تمام اداؤں سے زیادہ دلفریب معلوم ہوتی تھی۔آہ!اس حوروش اور پر جمال سپاہی سے کون مقابلہ کرے گا۔

حقیقت میں وہ آج بہادر ہے اور آج اس کی نگاہ کے تیر حد سے زیادہ کارگر ہوتے ہیں۔

رومانس کے ساتھ ساتھ ناول میں رزمیہ عنصر غالب ہے۔یہ ناول شرر کے ابتدائی چار ناولوں میں سے ہے۔اس سے ایک سال پہلے ملک العزیز ورجنا ۱۸۸۸ء میں لکھا گیا۔ایک سال بعد منصور موہنا ۱۸۹۰ء میں اور اگلے سال قیس ولینیٰ لکھا گیا۔

(۱) حسن پاشا

ہم اپنے قصہ کو ۱۲۷۲ھ سے شروع کرتے ہیں۔ شہر باطوم سے دس میل شمال جانب ایک گاؤں ہے۔ یہ گاؤں ایک نہایت عمدہ موقع پر واقع ہے۔ مشرق کی طرف سنگی بلند کناروں کے نیچے بحر اسود لہریں لے رہا ہے۔ جس میں ایک طرف دُور پر بہت سے جنگی جہاز سلسلہ وار لنگر ڈالے ہوئے پڑے ہیں۔ اور ان کے لمبے مستولوں پر رنگین جھنڈیاں جن پر جالی کے نشان بنے ہوئے ہیں۔ ہوا میں اُڑ رہی ہیں۔ مشرق کی طرف کوہ قاف کا سلسلہ اپنے اُونچے اُونچے دشوار گزار اور مہیب قلعوں سے آزاد نظر کی حد بندی کر رہا ہے۔ اگرچہ زمین پتھریلی ہے۔ مگر جا بجا سبزہ اُگا ہوا ہے اور باغبان قدرت کی معجز نما صفائی نے اس سنگستانی دشت کو بالکل ایک پُر بہار باغ کا نمونہ بنا دیا ہے۔ دُور سے کھڑے ہو کر دیکھو تو اس گاؤں کے مختلف اُجڑے ہوئے مکانوں اور مہندم آثار کی مجموعی وضع دل پر ایک پُر حسرت اثر ڈالتی ہے۔ کیونکہ ان صحرائی سادہ مزاج لوگوں اور سیدھی سادھی بے تکلف زندگی بسر کرنے والے دہقانیوں کو بھی زمانے نے کچھ ایسا ستایا کہ غریب ان کم حیثیت اور ذلیل مکانوں میں بھی زندگی نہ بسر کر سکے۔ گاؤں سے ملحق مغرب کی طرف ہٹ کر عین ساحل بحر اسود پر کوئی ٹوٹی پھوٹی عمارت نظر آتی ہے۔ عمارت بالکل شکستہ حال ہے گویا تھک کر اور مجبور ہو کر اب زمانہ کا ساتھ چھوڑنا چاہتی ہے۔ محرابیں اپنی جگہ پر نہیں پتھر ہر طرف گر گر کر چاروں طرف ڈھیر ہو گئے۔ مگر قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے لیے بافصیل یہ عمارت ایک مختصر سا قلعہ بنائی گئی ہے۔ کیوں کہ روسی جھنڈا اس کی بلندی پر اُڑ رہا ہے۔ ہر چہار طرف وہس بندی ہے اور ان وہسوں کی آڑ میں دو ایک توپیں بھی آدھی آدھی نظر آتی ہیں۔

وقت آخر ہو چلا ہے، کیوں کہ آفتاب کی کرنیں زرد ہو گئیں ۔مغرب کی جانب نظر کی انتہائی حد پر ایک بدنما تیرگی نے آسمان کو بحر اسود کے پانی سے جدا کر دے ے اور طیور اپنے آشیانوں میں اطمینان سے بیٹھنے کی خوشی میں چہچہا چہچا کر اُڑنے لگے۔کوہ قاف کے دامنوں میں آباد ہونے والے دہقانوں کی دو ایک پر جمال اور سادہ مزاج لڑکیاں جو اپنے مویشیوں کو چراتی ہوئی اس چھوٹے قلعے کے وہسوں کے نیچے تک چلی گئی تھیں۔وہ بھی پلٹ کے مشرق کی طرف روانہ ہوئیں کہ آفتاب کے ڈوبنے سے پہلے اپنے گاؤں میں پہنچ جائیں، جس طرح آفتاب بحر اسود کے متلاطم پانی میں غوطہ زنی کے لیے جلدی کر رہا ہے۔اسی طرح یہ نازک بدن لڑکیاں اپنے گلوں کو جلد جلد مار مار کر کوہ قاف کی طرف بھاگے جاتی ہیں۔شعاعیں کچھ دیر تک سمندر کی لہروں پر شوخی کے ساتھ مچلیں آخر تاریکی نے اُن سنہری کرنوں کو غائب کر دیا۔آفتاب غروب ہو گیا۔صحرائی وسیع سین پر تیرگی کا نقاب پڑنے لگا اور دہندلی نظر آتے آتے کوہ قاف کی بلند چوٹیاں نظروں سے غائب ہونے لگیں ادھر اُدھر جگنو چمکتے نظر آنے لگے۔اب بالکل اندھیرا ہو گیا۔قدرت کی ہر چیز رات کے پردے میں چھپ گئی اور پہاڑوں کے دامن میں پہاڑیوں نے دور دور پر بیٹھ کر ہاتھ پاؤں گرم کرنے کے لیے جو آگ جلائی اُس کے شعلے خول بیابان کا دھوکہ دینے لگے۔ناگہاں اسی تاریکی میں ایک روشنی نمایاں ہوئی۔کسی صحرا نورد نے متحیر ہو کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔دیکھا تو اُس قدیم عمارت پر جو قلعہ بنائی گئی تھی۔شعلے بھڑک رہے ہیں اور آگ چاروں طرف بڑھتی جاتی ہے۔شور وغل اور ہنگامے کی آوازیں بھی آنا شروع ہوئیں۔آگ ساعت بساعت ترقی کرتی جاتی ہے اور صحرا کی دُور دُور کی چیزیں جو نظر سے غائب ہو گئی تھیں۔آشکار ہوتی جاتی ہیں۔آگ کے شعلے روسی پہریرے تک بھی پہنچ گئے اور وہ آناً فاناً جل کے خاک ہو گیا۔اس نشان

کے جل جانے سے غالباً طبیعتوں میں اشتعال پیدا کر دیا ہوگا۔ اور یہی ہوا۔

فوجی لوگ قلعہ سے باہر نکلے اور اگر چہ بے ترتیبی سے پھیلے ہوئے تھے۔ مگر سبھوں نے بندوقیں سر کیں۔ بندوقوں کی آوازیں کھلے میدان سے گزر کر کوہ قاف کے ٹکلوں سے ٹکرائیں۔ اوپر ایک گونجنے کی آواز پیدا ہو گئی اور اُن کا کثیف دھواں اس قدر پھیل گیا کہ آگے کے شعلے اگر چہ بیشتر سے زیادہ تیزی پر تھے۔ مگر وہ دھندلے نظر آنے لگے۔ ادھر ان لوگوں کی بندوقیں سر کرنا تھا کہ ترکی کے جہازوں نے اپنی توپوں سے جواب دیا۔ دو ترکی جہاز بیڑے سے آگے بڑھ آئے اور قلعہ کے اردگرد گولے برسانے لگا۔ قلعے والوں کو اب قلعہ میں تو پناہ نہیں مل سکتی تھی اور نہ توپیں پاس تھیں۔ کہ ترکی جہازوں کا جواب دیتے۔ گھنٹہ بھر تک تو وہ ادھر اُدھر باڑھ پر باڑھ مارتے رہے اور آخر صف باندھ کر سبھوں نے شرطنیس کا راستہ لیا۔ جہاں روسی فوج کا صدر مقام تھا۔

جب ادھر سے بندوقوں کی آواز ختم ہوئی تو ترکی جہازوں نے بھی گولہ باری سے ہاتھ روکا۔ اب پھر اُس صحرا میں سناٹا ہو گیا اور وسیع سبزہ زار پر جب معمولی خاموشی طاری ہوگئی مگر قلعی کی آگے ہر لحظہ ترقی پر نظر آتی ہیں۔ قلعہ کی برجیاں اور پتھر رہ رہ کر چٹختے تھے۔ جن کی وجہ سے سکوت جاتا رہتا تھا اور یہ مہیب آوازیں کوہسار میں زور سے گونج اٹھتی تھیں۔ آگ جو بڑھتی جاتی تھی تو یہ لق ودق صحرا روشن ہوتا جاتا تھا۔

اس روشنی میں فاصلہ پر کچھ لوگ آتے نظر آئے۔ یہ تیزی اور سرگرمی کے ساتھ بڑھتے نظر آتے تھے۔ مگر باہم کچھ ایسی دلچسپی کی گفتگو کرتے آتے تھے۔ خود بخود ٹھہر جاتے تھے اور ایک جملہ کہہ کے آگے بڑھتے تھے۔ یہ لوگ اب قرب آ گئے اور ان کی آوازیں بھی سنی جانے لگیں۔ قلعہ کی خوفناک آگ کی روشنی میں ان لوگوں کی

صورتیں صاف نظر آتی تھیں اپنے وضع کے لحاظ سے یہ لوگ ترکی فوجی سپاہی معلوم ہوتے تھے۔

فوٹ نوٹ:۔گرجستان کا دارالسلطنت اور پرانا شہر ہے زیادہ تر ارمنی اور چند خاندان مسلمانوں کی سکونت پذیر ہیں دو مسجدیں ہیں اور بیس ہزار آدمیوں کی آبادی ہے۔

وہ شخص ان لوگوں کے آگے آگے ہیں۔جن میں سے ایک تو سن رسیدہ اور بوڑھا شخص ہے اور دوسرا ایک حسین کشیدہ قامت نوجوان ہے۔ یہ نوجوان ایک سکوت اور متانت کے ساتھ سر جھکائے ہوئے اپنے ساتھی کے برابر برابر آتا ہے۔ مگر بوڑھا شخص گویا بڑے جوش میں ہے اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہا ہے۔ایک بڑی سی ترکی ٹوپی سر پر ہے۔نیلگوں فوجی کُرتا بدن میں ہے۔سیاہ پتلون کے پائنچے بوٹ پر پڑے ہوئے ہیں اور بوٹ میں کانٹا لگا ہوا ہے،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اکثر گھوڑے پر سوار ہونے کا اتفاق ہوتا ہے لمبی سفید داڑھی تمام ساتھیوں سے ایک خاص قسم کے رعب وادب کے ساتھ جدا کر رہی ہے۔یہ ضعیف العمر شخص آتے آتے پھر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا اور کہنے لگا۔ابھی میری چالاکیوں کا تمہیں تجربہ نہیں ہوا۔جب یونانیوں سے لڑائی ہوئی تھی۔اُن دنوں اگر تم میری کاروائیاں دیکھتے تو تمہاری سمجھ میں آتا کہ میں کیسا آدمی ہوں۔میں نے بڑی بڑی چالاکیاں دکھا کر انہیں شکست پر شکست دی۔

یہ سُن کے اُس کے ساتھیوں میں سے ایک شخص بولا۔مگر روسیوں کو یونانی نہ سمجھو یہ بڑی بہادری سے لڑتے ہیں۔اور اُن کے ہاں کے افسر بھی بڑے تجربہ کار اور ہوشیار ہیں۔

دوسرا! مگر ہمارے سردار کے مقابلہ میں اُن کا تجربہ کاری اور ہوشیاری نہیں چل سکتی۔

بوڑھا شخص (اپنے اوپر ناز کرنے کے لہجے میں) تم نے دیکھ ہی لیا۔ یہ سُن کر نوجوان نے سر اُٹھایا اور کہنے لگا۔ بے شک اُس وقت تو البتہ روسیوں کو بہت فاش شکست ملی۔ شکست اُن کا نقصان بہت زیادہ ہوا۔ اصل یہ ہے کہ اس بارے میں ہماری تدبیر خوب کارگر ہوگئی۔ اول تو اتنی بڑی کامیابی کہ اُن کے قلعہ میں آگ لگا دی اور پھر اس خوبی سے کہ صاف نکل آئے۔ اُنہوں نے لاکھ بندوقیں سر کیں اور چاروں طرف گھیرا ڈال رہے۔ مگر ہمارا کچھ نہ کر سکے، جب خدا نے بچانا ہوتا ہے۔ تو یوں ہوتا ہے۔

بوڑھا شخص، لیکن اگر میں تدبیریں نہ بناتا تو لوگوں سے کچھ نہ ہوسکتا۔ میری پالیسیوں سے عمر پاشا خوب واقف ہے۔ ایک بار رومانیہ میں نصارا نے بلوہ کر دیا۔ وہ ایک قلعہ میں ایسے محصور ہو گئے کہ باہر سے رسد تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ پھر میں نے جن جن تدبیروں سے رسد پہنچائی تھی کوئی انہی کے دل سے پوچھے۔

ضعیف العمر شخص نے جس وقت ان باتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ نوجوان نے اپنا سر جھکا لیا اور آہستہ آہستہ اپنی اسی معمولی متانت سے چلنے لگا۔ اس نے دیر تک انتظار کیا کہ اس کے سن رسیدہ ساتھی کا قصہ تمام ہو۔ مگر وہ کسی طرح تمام نہ ہوتا تھا۔ آخر اس نے قطع کلام کر کے کہا۔ اب یہ تو کہیے۔ کہ ہم کو یہاں سے کہاں جانا چاہیے۔ روسی لوگ صبح کو پھر اس مقام پر آجائیں گے کیونکہ ترکی فوج یہاں سے دُور ہے اور جب تک ہم اپنی فوج میں نہ پہنچ جائیں ہمیں مطمئن نہ ہونا چاہیے۔

ضعیف العمر: سوا اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہم سیدھے باطوم کو چلے چلیں۔

نوجوان: مجھ سے تو اس وقت اتنی دور نہ جایا جائے گا۔ ایک تو میں پیادہ سفر

کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ دوسرے زخموں نے مجھے چُور چُور کر دے اہے۔ میرے زخم ابھی تک اچھے نہیں ہوئے ہیں۔ مجھ میں چلنے کی طاقت نہیں۔

ضعیف العمر: پھر اُس کے سوا اور تو کوئی بات ذہن میں نہیں آتی۔ اس سرزمین پر ہمیں صرف روسیوں ہی کا خوف نہیں بلکہ ہمارے سے کم بخت دُشمن ایرانی بھی یہاں سے قریب ہی ہیں۔ روسیوں سے زیادہ وہ ہمارے دُشمن ہیں۔

ایک سپاہی۔ کیا کوئی ایرانیوں کی فوج بھی یہاں پڑی ہوئی ہے۔

ضعیف العمر: نہیں۔ اُن کی فوج تو نہیں ہے۔ مگر اس ملک میں اُن کے گروہ کے گروہ اکثر آیا کرتے ہیں اور گرجستان کے دیہاتوں سے خُوب صورت لڑکیاں پکڑ لے جاتے ہیں اگر ان کا کوئی گروہ ہمیں دیکھ پائے گا۔ تو ہم بے شک مار ڈالے جائیں گے۔

نوجوان: (غصے سے۔ ہم مار ڈالے جائیں گے) کون مار ڈالے گا ایرانی! ان کی بھال کیا مجال کہ ہمارا سامنا کر سکیں میں تو ان کی کوئی ہستی نہیں سمجھتا۔ یہ ہماری ذلت ہے کہ اُن کو اپنا دُشمن کہیں۔ ہم اُن کے دُشمن ہیں۔ کہیں ہمارا ان کا سامنا ہو جائے چاہے گھڑی بھر کے لیے سہی تو انہیں مہلت نہ ملے۔ ایک چشم زون میں میں تنہا سب کو چُن چُن کے مار ڈالوں۔

بوڑھا شخص: خیر چاہے کچھ ہو۔ مگر مصلحت اسی میں ہے کہ ہم سب باطوم پہنچ جائیں۔ یہاں جنگل میں چند آدمیوں کا رہ جانا اور خصوصاً اس لڑائی کے زمانے میں ہرگز مناسب نہیں ہے۔ اور باطوم کچھ ایسا بہت دُور بھی نہیں ہے۔ یوں ہی باتوں باتوں میں پہنچ جائیں گے۔ تم میری باتیں سنے جاؤ۔ تجربہ کاری نے مجھے ایسی بہت سے باتیں بتا دی ہیں کہ تم سے نوجوان کو اُن سے فائدہ بھی ہوگا۔ اور ان میں دل بھی لگے گا۔ بس تم سُنے جاؤ۔

یہ کہہ کر بوڑھے نیپھر اپنی چالاکیوں کی داستان شروع کی۔نوعمر سپاہیوں میں اور بوڑھے تجربہ کار سپاہیوں میں بس اسی قدر فرق ہے کہ نوجوان ضبط اور تحمل کے ساتھ مناسب موقع کا انتظار نہیں کر سکتے اور بوڑھے سپاہی خوب سوچ سمجھ کر لڑتے ہیں اب تم کو تو بھاگنا یا اپنی جگہ خود بخود چھوڑ کر غنیم کے قبضے میں دے دینا کبھی نہ پسند آئے گا۔لیکن بوڑھوں سے یہ بات ہر وقت ممکن ہے۔ایک بار کاسکون سے اور ہم سے لڑائی ہوئی۔ ہمارے ساتھ چار ہزار ارمن کے مسلمان تھے اور کاسکون کی تعداد، خدا جھوٹ نہ بلوائے کم سے کم دس ہزار ہوگی۔ ہمارے سامنے ایک ٹیلہ تھا اور اس پر کاسکون نے قبضہ کرلیا۔ یہ دیکھ کر ہمارے ساتھیوں کے اور بھی حواس جاتے رہے۔ آخر میں نے اپنی فوج کے پیچھے جا کر دیکھا ایک نہایت گہری گھاٹی نظر آئی۔ اُس کے ادھر اُدھر دو پہاڑیاں تھیں۔اور اُس طرف بھی زمین بلند تھی۔بس میں نے بلا تامل اپنی فوج کے دو سالاروں کو چپکے سے اُن دونوں پہاڑیوں پر بھیج دیا۔وہ لوگ وہاں جا کر چُھپ رہے اور میں نے اپنی فوج کے آگے جا کر پہلے تو زور سے حملہ کیا اور کوئی آدھ گھنٹے کے بعد شکست کھا کر بھاگا۔کاسکون نے تعاقب کیا اور بڑھتے بڑھتے اُس گھاٹی میں آ گئے۔اُن کا وہاں پہنچنا تھا کہ دونوں پہاڑیوں والے سواروں نے دونوں طرف سے ایک ساتھ باڑ ماری اور خود میں نے بھی اپنے ہمراہیوں کو روک کر فائر کرنا شروع کر دیا۔گھنٹہ ہی دو گھنٹے میں آدھے سے زیادہ کاسک گر پڑھے اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔اصل یہ ہے کہ بعض جگہ ہوشیاری بڑا کام دے جاتی ہے۔

اس وقت یہ لوگ اندھیرے میں تھے، کیونکہ اس قلعہ کے شعلے بھی سُست پڑ گئے تھے اور یہ لوگ بھی اب دور نکل آئے تھے۔اگرچہ تاریکی نے اس سب سواروں کو ایک دوسرے کی نظر سے چھپا دیا تھا۔مگر سب بوڑھے سے داستان گو کی باتیں

سُنتے سہولت سے چلے جاتے تھے۔ باتیں کرتے کرتے بوڑھے سپاہی نے پکارا۔ حسن پاشا۔ یہ اُس نوجوان کا نام تھا جواب نہ پاکے اُس نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اب بھی کچھ نہ معلوم ہوا۔ تو ٹٹوں کے دریافت کرنے کی غرض سے ہاتھ بڑھایا۔ مگر بے سود۔ ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا۔ حسن پاشا کہاں ہے؟

ایک سپاہی: حضور ابھی آپ ہی کے ساتھ تھے۔ ہوں گے۔

ضعیف العمر: وہ ہوتے تو جواب نہ دیتے۔ آخر چلتے ہی چلتے کہاں غائب ہو گئے۔

سب سپاہی: ہم تو آپ کی باتوں میں مشغول تھے۔ ہمیں بالکل نہیں خبر کہ وہ کب اور کہاں چلے گئے۔

ضعیف العمر: تو پھر اب کیا کیا جائے؟ بے ان کے ہم سب لوگوں کو جانا بیکار ہو جائے گا۔ یوں تو جب عمر پاشا کو ہمارے پہنچنے کی خبر ہوگی۔ وہ پہلا سوال یہی کریں گے کہ حسن پاشا کہاں ہیں اور پھر اس بارے میں تو باب عالی سے بھی باز پُرس ہو گی۔

اے سپاہی: اب تو بغیر اس کے کہ آج شب کو اسی میدان میں قیام کیا جائے۔ اپن کا پتہ لگنا دشوار ہے۔ اور حقیقت میں بغیر ان کے ہمیں ہرگز نہ جانا چاہیے۔

ضعیف العمر: آخر یہ جانے کا کون وقت تھا۔ اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا سمجھ کر انہوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔ اصل پوچھو تو اتنی بڑی جرائت کہ روسیون کے قلعہ میں آگ لگادی اور احتیاط کے ساتھ نکل آئے۔ یہ انہیں کے نکال لانے کے لیے ہم نے کیا۔

ایک اور سپاہی۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم سب اس وقت تو سیدھے باطوم

چلے چلیں اور اگر کوئی اور گاؤں قریب مل جائے تو سبحان اللہ ۔رات وہاں بسر کریں اور صبح کو سب یہاں آ کر تلاش کریں ۔ جب وہ مل جائیں اور اُن کو اپنے ہمراہ لے لیں تو ضابطہ اپنے اعلیٰ افسر سے ملیں ،ورنہ بے شک تنہا ہمارا جانا خرابی کا باعث ہوگا ۔

ضعیف العمر : یہی تدبیر میرے نزدیک بھی نہایت مناسب ہے ۔ہاں یہاں میدان میں پڑے رہنے کو تو کوئی بھی پسند نہ کرے گا ۔لیکن حسن پاشا نے غضب کر دیا ۔جس وقت قسطنطنیہ میں اُن کی گرفتاری کی خبر پہنچی ہوگی ۔ایک قیامت برپا ہوگئی اور صرف اسی خیال سے ہم اپنی جان پر کھیل کر انہیں نکال لائے ۔مگر انہوں نے ہماری ساری کارگزاردی اور نیک نامی خاک میں ملادی ۔انہوں نے کچھ یہ ہمارے ہی حق میں بُرا نہیں کیا ، بلکہ خود اپنے اوپر بھی ظلم کیا اب اس پُر خوف صحرا اور مخدوش مقام میں تنہا رہ جانا کوئی عقل مندی کی بات ہے ! خیر آؤ ہم سب چلیں اور جہاں بن پڑھے قیام کریں ۔صبح دیکھا جائے گا ۔ یہ کہہ کر سب لوگ باطوم کی طرف روانہ ہو ئے ۔

حُسن و عِشق

صبح ہوا چلتی ہے، تارے جھلملا کے سفید پڑ گئے ہیں اور سب کی تیرگی سمٹ سمٹ کے گھنے درختوں کے دامنوں میں چھپنے لگی ہے۔ آفتاب کی شعاعیں دُور تک سلسلہ وار پھیلے ہوئے کوہ قاف کی ایک گھاٹی سے نمایاں ہوئی ہے۔ مرغان خوش الحان نے اپنی فوا سنج زبان کھولی ہے اور شکر گزاری و جوش کے لہجے میں اُس ایک پیدا کرنے والے کا شکر ادا کر رہے ہیں۔ مشرق ہوا پہاڑیوں کی چوٹیوں سے اُتر کر اور گھاٹیوں سے نکل کر آتی ہے اور کھلے ہوئے سبزہ زار پر آزادی سے چکر لگاتی ہے۔ یہ ایک وسیع صحرا ہے۔ جس کی حد بندی ایک طرف سے کوہ قاف اور دوسری طرف سے بحر اسود کر رہا ہے۔ سمندر کی موجیں سنگی ساحل سے ٹکر کھا کر اُلٹی پھرتی ہیں اور اس اُفق کی طرف دوڑتی ہیں جہاں سمندر آسمان سے مل گیا ہے۔ گویا زمین کے مقابلہ سے تھک کر آسمان پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتی ہیں۔ بے باک موجوں کا باہم لڑنا اور ایک دوسرے کو تھپیڑے دے کر پیچھے ہٹا دینا موجودہ اہل اسلام کے حالت کا ایک سچا اور صاف نمونہ دکھا رہا ہے۔

آخر آفتاب نکلا اور صبح کی خوشگوار کرنیں مشرقی پہاڑوں کی چوٹیوں کو سنہری رنگ میں رنگتی ہوئی نیچے اتریں۔ یہ سنہرا رنگ آناً فاناً خدا کی اس تمام مخلوق پر پھر گیا۔ جو اس وسیع منظر کے ہر چار طرف پھیلی ہوئی ہے۔ درختوں اور چھوٹے چھوٹے پودوں نے سونے کا زیور پہن لیا۔ سمندر کی لہروں پر ہر جگہ جگنو سے چمکتے نظر آنے لگے اور چند ساعت کے مہمان قطرہ ہائے شبنم سے ایک نظر فریب آب تاب نمایاں ہوئی۔ درختوں کی شادابی اور مرغانِ صحرا کی پھرتی اور چالاکی نے اس مقام کو نہایت ہی لطف اور فرحت کی جگہ بنا دیا ہے۔ آفتاب کا طلائی رنگ کچھ انہیں چیزوں کے

حسن کے ساتھ مشاطہء قدرت کا کام نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ ان ہزار ہا سیاہ و سفید بھیڑوں کو بھی سنہرا ثابت کر رہا ہے۔ جو گویا خود بخود ام کوہ میں پیدا ہوگئی ہیں اور اپنی زبان میں ہر طرف سے آوازیں لگاتی اور صحرا کی خودرو تر و تازہ گھاس کو چیرتی بڑھی چلی آتی ہیں۔ ان بھیڑوں کے بہت سے گلے مختلف اطراف سے چلے آتے ہیں۔ جن کو کوہستانیوں کی نازک بدن پری جمال اور سادی وضع والی بے تکلف لڑکیاں ہنکاتی آتی ہیں۔ اس وقت کی ہلکی ہلکی خوشگوار دھوپ جس چیز کو زیادہ خوشنما اور دلفریب بنا رہی ہے۔ وہ ان حوروش لڑکیوں کی دلربا صورتیں ہیں۔ ان کے سیاہ لمبے لمبے بالوں کو آفتاب نے اپنے رنگ میں رنگ کے سنہرا بنا دیا ہے۔ جس کی وجہ سے بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُن کے چہرے بھی آفتاب ہیں، جن میں سے ہزار ہا کرنیں نمایاں ہو رہی ہیں۔ اُن کے کُندنی رنگ پر سادہ اور میلا لباس بھی طلائی نظر آ رہا ہے۔ افسوس آفتاب ان کی پشت کی طرف ہے ورنہ ان کے چہرے کے آتشین رنگ اور گلابی رخساروں پر عجب عالم نظر آتا۔ کاش یہ اپنے اُن چہروں کو جنہیں ابھی انہوں نے پہاڑ سے گرنے والی ایک چھوٹی سے نہر کے کنارے بیٹھ کر دھویا ہے۔ مشرق کی طرف کر کے وہ سامان دکھا دیتیں، جس سے یہ ہمیشہ کو فتح کر لیا کرتی ہیں۔

سامنے وہ قلعہ ہے، جس میں شب کو آگ لگی تھی۔ جلی ہوئی لکڑیوں اور منہدم عمارتوں کے ڈھیر نظر آ رہے ہیں۔ اسی قلعہ کے پھاٹک سے ایک شخص نکلا جو باہر نکل کر کسی قدر ٹھہرا ہے اور صبح کی جان افزا بہار کو چاروں طرف نظر دوڑا دوڑا کر دیکھ رہا ہے یہ بہار اسے کچھ ایسی پسند آئی ہے کہ دیر تک محوِ حیرت رہا ہے اور پھر خدا جانے کسی ارادے سے مشرق کی طرف چلا ہے۔ جدھر پہاڑیاں بہت قریب ہیں۔ جاتے جاتے ایک پہاڑی کے دامن میں پہنچا اور اُوپر چڑھنے لگا۔ پہاڑی کی چوٹی پر کھڑا ہو

کر یہ قدرت کی بہار دیکھ رہا ہے۔ اس کا جی اس سیر سے بھر اُکتا گیا اور اب یہ چل پھر کر کوہستان کی سیر کرنے لگا۔ ایک پہاڑی سے اُترتا ہے اور دوسری پر جاتا ہے۔ کبھی نشیب میں ہوتا ہے اور کبھی بلندی پر چھوٹی چھوٹی نہریں راستے میں پڑتی ہیں اور انہیں سہولت سے طے کر جاتا ہے۔

ناگہاں ایک طرف کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ مڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کئی شخص گھوڑوں پر سوار ہیں اور فاصلہ پر دامن کوہ میں آہستہ آہستہ ایک مغزار کی سیر کر رہے ہیں۔ ہمارا زندہ دل دوست بھی اُسی طرف کو روانہ ہوا۔ قریب جا کر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ سوار مرد نہیں ہیں بلکہ چند نوجوان عورتیں ہیں، جو گھوڑوں پر سوار ہو کر اس رُوح افزا وادی کی سیر کو نکل آئی ہیں۔ اُن عورتوں نے اس شخص کو دیکھا تو آپس میں مُسکرا کر کچھ کہا اور پھر سیر میں مشغول ہو گئیں۔ اب وہ کمسن عورتیں اس شخص کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتیں اور بڑھتا چلا جاتا ہے اور ان سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ آخر یہ شخص قریب پہنچ گیا۔ اور اُن کی باتیں سننے لگا۔ عورتیں ارمتی زبان میں یہ باتیں کر رہی ہیں

مریم: تم تو اکثر ایسے مقامات کی سیر کرتی رہتی ہو۔ کیا تم نے اس سے بھی زیادہ کوئی دلچسپ مقام دیکھا ہے۔

مریم: ملکہ میں اور کہاں گئی ہوں ہاں اسی کوہ قاف کی سیر کی ہے۔ اس کے بعض مقامات بے شک نہایت تروتازہ ہیں اور وہاں جا کے عجیب کیفیت نظر آتی ہے۔

ملکہ: اب تم جب سیر کرنے کو جایا کرو، مجھے بھی لیا کرو۔ میرے نزدیک وہ انسان نہیں ہے، جسے ان سبزہ زاروں کی قدر نہ ہو۔

مریم: میں آپ کو لیا کروں۔ مگر آپ کو میری طرح بے سر پا پھرنا پسند نہ آئے

گا۔

یہ کہہ کر مریم نے ہمارے دوست کی طرف دیکھا اور متحیر ہو کے دیر تک غور کرتی رہی۔ پھر ملکہ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی۔ دیکھو ملکہ یہ کون شخص ہے۔ میں جانتی ہوں کہ یہ ہمارے وطن کا آدمی نہیں ہے۔

ملکہ: (دیکھ کر) ہاں یہ یہاں کا رہنے والا نہیں معلوم ہوتا۔ تو اُن ظالموں میں سے ہوگا۔ جو یہاں پہاڑوں کی سیر کرتے ہیں اور یہاں کی خوبصورت بھولی لڑکیوں کو لونڈیاں بنانے کے لیے پکڑ لے جاتے ہیں۔

شخص: (رامتی زبان میں) نہیں ملکہ! میں ان ظالموں میں نہیں ہوں۔ میرے نزدیک وہ خدا کا بڑا گہنگار ہے جو ایسا ظلم کرے۔

جس وقت اس شخص نے یہ جملہ کہا ملکہ ایک شرمگین نظر سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ملکہ حقیقت میں نہایت حُسین عورت تھی۔ زلفیں شانوں پر پڑی ہوئی تھیں اور کاکلوں کے درمیان میں پیارے پیارے رخسارے اور چمکتی ہوئی گوری پیشانی اپنی آب وتاب کی وجہ سے نظر کو جمنے نہیں دیتی تھی۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھوں نے اسے بالکل ایک ہرن بنا دیا تھا۔ کیونکہ اس وقت کوہسار کی سیر میں بھی مشغول تھی۔ چھوٹے پیارے دہانے کے نازک نازک سُرخ ہونٹ اور مُسکرانے کے ساتھ ان میں سے موتی کے ایسے دانتوں کی جھلک نظر آجانا یہ حسن کی وہ دلربا ادائیں تھیں کہ ہمارے سیلانی دوست کا دل بالکل اس کے قابو میں نہ رہا۔ اس نازنین کی صورت اور ادائیں اس کے دل پر اس قدر اثر کر گئی تھیں کہ پہلا مذکورہ جملہ زبان سے نکال کر کہنے لگا۔ وہ اور لوگ ہوتے ہیں جو یہاں سے کسی کو لے جاتے ہیں۔ میں تو کسی کے دام میں گرفتار ہونے کو آیا تھا۔

اتنا کہنا تھا کہ ان عورتوں پر عجب اثر پڑ گیا۔ سب ساکت ہو گئیں اور تیز

نگاہوں سے ہمارے دوست کو دیکھنے لگیں۔

آخر مریم نے اپنی حیرت کو خود رفع کیا اور پوچھنے لگی۔ کیوں! تم کس کے دام میں گرفتار ہونے کو آئے ہو؟

شخص: کوئی ہوگا۔ افسوس یہ بھی تو نہیں معلوم کہ وہ ظالم کون ہے؟

اب مریم بالکل ساکت ہوگئی اور گویا اُس سے بن نہ پڑتا تھا کہ اپنے مطلب کو کس پہلو سے پوچھے۔ اپنی غرض حاصل کرنے سے عاجز ہو کر اُس نے پھر سوال کیا۔ آخر آپ کا مکان کہاں ہے؟ اور یہاں کیونکر تشریف لائے؟

شخص: جو کسی ایسے کی زلف کا اسیر ہو۔ جس کا پتہ نشان کچھ معلوم نہیں۔ وہ کیوں کر بتائے کہ کہاں رہتا ہے۔ یا صحرا اور کوہستان میں یا وہاں جہاں اُس دلربا کی عشرت گاہ ہو۔ رہا یہ کہ میں کیونکر آیا۔ وہی دل جسے میں روئے زیبا کی نذر کر چکا وہی لایا تھا۔

مریم: (مُسکرا کر) جاؤ گے کیوں کر! لے جانے والا تمہارے پاس رہا ہی نہیں۔

شخص: اب جس کے پاس دل ہے۔ جدھر وہ لے جائے گا، اُدھر جاؤں گا۔

اس جملہ نے اور قیامت بپا کر دی۔ سب عورتیں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔ آخر ملکہ نے ایک دلربا ادا سے کہا۔ چلو بھی کس کی باتوں میں لگی ہو۔

عورتیں جانے کو ہی تھیں کہ مریم نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔ دیکھو وہ کون لوگ آتے ہیں۔ دو مسلح سوار گھوڑا دوڑائے آ رہے تھے۔ عورتیں حیرت سے دیکھ رہی تھیں کہ آناً فاناً سر پر آ گئے ایک نے جو اپنے ساتھی سے آگے بڑھ آیا تھا اس نازنین کی صورت دیکھتے ہی چلا کے فارسی زبان میں اپنے ساتھی سے کہا۔ ہمارا مقصد بر آیا۔ اب اس سے زیادہ حسین لڑکی یہاں بھی کہیں نہ مل سکے گی۔

دوسرے نے خوش ہو کر کہا۔ پھر دیر کیوں کرتے ہو۔ بڑھ کر گھوڑے پر بٹھا لو۔ یہ سُنتے ہی اُس شخص نے ہاتھ بڑھا کر نازنین کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھینچنے لگا کہ اپنے گھوڑے پر بٹھا لے۔ ملکہ کا رنگ اس وقت زرد پڑ گیا تھا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ مایوسی اور حسرت کی نظر سے چاروں طرف پہاڑوں اور اس سرسبز زار کو دیکھنے لگی اور اسی عالم میں اس کی نظر ہمارے دوست پر جا پڑی جو کچھ فاصلہ پر کھڑا یہ کیفیت دیکھ رہا تھا۔ ملکہ نے اپنی جادو بھری حسرت آلود نظر سے خدا جانے کیا کہہ دیا کہ اُس کے دل پر سخت اثر پڑ گیا۔ اے بے رحم شخص تو کون ہے۔ جو ایسا ظلم کرتا ہے۔ ایسی نازنین کے دلدہی اور ناز برداری کرنا چاہیے۔ یا اس سنگدلی سے پیش آنا چاہیے۔ اُس شخص نے غصہ کی نظر سے دیکھا اور چلّا کر بولا۔ کیا تجھے اپنی جان دینا ہے، جو بہادر ایرانیوں کی ارادے کی مزاحمت کرتا ہے۔

ہمارا سیلانی دوست، خاہ تم لوگ ایرانی ہو، یعنی ہمارے دشمن تمہارا قتل تو میرا فرض ہے۔ یہ جملہ زبان سے نکلنا تھا کہ دوسرا ایرانی جو ذرا پیچھے رہ گیا تھا۔ اُس نے بڑھ کر تلوار کا ایک وار کیا۔ مگر ہمارے دوست نے اس پُھرتی اور چالاکی سے وار خالی کیا کہ سوار حیرت میں آ کر پوچھنے لگا۔ بتا تو کون شخص ہے۔ تا کہ تیرے قتل سے پہلے تیرا حال معلوم ہو جائے۔

ہمارا دوست: میں ایک ترکی شخص ہوں۔ کون ترک جن کی بہادری اور جرات کو ساری دُنا مانے ہوئے ہے۔

ایرانی: کیا تم لوگ ایرانیوں سے بھی زیادہ بہادر ہوئے ہو؟ اتنا کہا اور دوسرا وار کیا۔ مگر چالاک اور جری ترک نے جُھک کر اسے تلوار خالی دی اور اپنی تلوار گھوڑے کے پیٹ میں اس زور سے ماردی کہ گھوڑے نے بھڑک کر اپنے سوار کو پیٹھ سے پھینک دیا۔ ادھر ایرانی سوار کا گرنا تھا کہ بہادر ترک اس کے سر ہی پر تھا اور

ایک قاتل ہاتھ سے اس کا فیصلہ کر دیا۔ دوسرا ایرانی جو ملکہ کا ہاتھ پکڑے ان دونوں جنگ آزماؤں کی لڑائی دیکھ رہا تھا۔ اپنے دوست کے قتل پر اس درجہ غضب آلود ہوا کہ اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور ہمارے دوست پر جُھک پڑا اس کو اپنی طرف آتا دیکھ کر ترک بھی جھپٹا اور دونوں نے ایک دوسرے پر نہایت طیش اور پوری قوت سے ایک ساتھ وار کیا۔ ایرانی تلوار ترک کے سر پر پڑی اور کنپٹی پر ایک گہرا زخم ڈال دو تین انگل ہی اترنے پائی تھی کہ ترک کی تلوار ایرانی سوار کے گلے پر پڑی اس کا سر الگ جا گرا اور ہاتھ جو زخم کو گہرا کر رہا تھا۔ سُست پڑ گیا اور لحظہ ہی بھر میں دھڑ بھی ایک چٹان کے پہلو سے رگڑتا ہوا گرا اور چند ساعت پھڑک کے ٹھنڈا ہو گیا۔

اب اس کوہسار میں سناٹا سا ہو گیا۔ نازک بدن ملکہ اور اُس کی پری وش ساتھ والیاں بھی ایک حیرت میں تھیں۔ ملکہ کی نظر کبھی لاشوں پر اور کبھی ترک بہادر پر پڑتی تھی۔ اور وہ ترک بھی گویا ایک سکوت اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے غُصہ کو فرو کر رہا تھا یہ سکوت دیر تک ہیبت اور خوف کی طرح ہر شخص پر طاری رہا اور کسی کو جُرات نہ پڑتی تھی کہ اس سکوت کو توڑے۔ آخر ملکہ کے ساتھ والی شوخ طبع مریم نے ترک کی طرف رُخ کر کے کہا۔ کس کی زبان ہے کہ آپ کا شکریہ ادا کرے۔ کون دل ایسے موقع بھی آپ کا احسان مند نہ ہوگا۔

ملکہ: بے شک میں اس ظالم کے ہاتھ میں گرفتار ہو چکی تھی۔ خدا اگر اس وقت آپ کو نہ بھیج دیتا تو میں اس کی لونڈی ہوتی۔ مگر اب بھی میں لونڈی ہوں۔ پہلے اُس کی ہوتی اور اب آپ کی ہوں۔ ہاں اگر اُس کی لونڈی ہوتی تو ذلت سے اور آپ کی لونڈی فخر کے ساتھ ہوں۔

یہ جملہ سُن کر ترک سے ضبط نہ ہو سکا۔ بہت نیچی آواز سے گویا خود اپنی طرف خطاب کر کے کہنے لگا۔ جو میرے دل کی مالک ہے۔ کیا وہ میری لونڈی ہے؟ نہیں

ایسا نہیں ہوسکتا۔ وہ تو ایک ایسی صورت ہے۔ جس کی پرستش کی جائے۔

اتنا سُننا تھا کہ مریم نے مُسکرا کر بلکہ صورت دیکھی اور ملکہ نے اُس کی طرف دیکھ کر شرم سے سر جھکالیا۔

مریم: لیجیے۔ اپنی پیاری صورت کی قدر کیجیے۔ جو ایسے موقع پر کام آئی۔

ترک: بے شک۔ بیشک۔ جو کچھ میں نے کیا اور انہیں دلربا اداؤں اور اسی پیاری صورت کے لیے کیا۔ اگر کسی کو لونڈی بنا ہو تو اپنی لونڈی بنے۔ مجھ میں یہ قوت نہ تھی کسی کے حسن نے میرے بازوؤں کو قوی کر دیا اور میرے دل کو بڑھا دیا۔

یہ ترک ایک نوجوان شخص تھا۔ عمر بھی بیس بائیس برس سے زیادہ نہ ہوگی۔ قدرت نے اسے بھی کچھ ایسی دلربا صورت دی تھی کہ شاید بہتوں کو اس سے بھی بے وفائی کی شکایت ہوگی۔ میانہ قد، سبزہ آغاز، گورا اور روشن چہرہ، پیاری خوبصورت آنکھیں۔ گلابی رُخسارے، لال لال ہونٹ، سُرخ سفید رنگت، یہ سب ایسی چیزیں تھیں کہ سنگدلوں کے بھ دل بہت جلد اس کے قبضے میں آجاتے ہیں۔ نازک اور دلفریب چہرے پر ایک ایسی متمانت اور سنجیدگی پائی جاتی تھی۔ جس سے وہ کسی بہت بڑے معزز اور شریف خاندان کا شخص معلوم ہوتا تھا۔ وضع کے اعتبار سے بھی اُس میں ایک خاص قسم کی دلبری پائی جاتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بالوں پر عنابی ترکی ٹوپی تھی۔ جس کا پھندنا نہایت بانکپن سے پیچھے لٹک رہا تھا۔ بانات کا نیال فوجی کرتہ بدن میں تھا۔ جس پر ڈاب لگی ہوئی تھی۔ سینے پر مجید تمغہ آویزاں تھا۔ جس میں ہلال بنا ہوا تھا۔ تمغہ کے برابر ہی سینے پر ایک سونے کو خوبصورت ہلال لگا ہوا تھا۔ یہ تمغہ شانے سے کمر تک پڑا تھا کُرتے کے نیچے سیاہ پتلون تھی۔ جس میں دونوں طرف ایک سفید تحریر سے ٹخنوں تک چلی گئی تھی۔ اسلحہ کی قسم سے اس نوجوان کے پاس صرف وہی ایک تلوار تھی، جس سے ابھی یہ اپنے نہیں اپنی معشوقہ کے دو دُشمنوں کو قتل کر چکا

ہے۔

اس وقت چونکہ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔اس وجہ سے نیلگون کرتا اور پتلون دونوں بھیگے ہوئے ہیں اور شانے پر کسی قدر خون بہہ کر جم گیا تھا۔خون بہت سا بہہ گیا تھا اور برابر جاری ہے۔زخم نے نہایت ہی ناتواں کر دیا ہے اور ناتوان ہوتا جاتا ہے،مگر وہ کچھ اس بے پرواہی اور استقلال سے کھڑا ہوا ہے کہ گویا وہ جانتا ہی نہیں کہ زخمی ہے۔آخر مریم سے نہ دیکھا گیا۔بے تحاشا کہنے لگی۔تمہارے زخم بہت گہرا پڑا ہے۔خون کے روکنے کا کچھ بندوبست کرنا چاہیے۔ورنہ انتہا سے زیادہ ناتواں ہو جاؤ گے۔

نوجوان: میں یہاں کیا بندوبست کر سکتا ہوں۔

یہ سن کر ملکہ نے اپنی جیب سے ایک رومال نکالا اور مریم سے کہا اس سے خُون پونچھ دو۔اور اپنی ایک دوسری خادمہ کو رومال لے کر دیا۔اور کہنے لگی۔اس رومال سے زخم کو باندھ دینا۔مریم رومال لے کر خون پونچھنے کو بڑھی تو نوجوان نے ہاتھ سے روک کر کہا۔نہیں اس رومال سے میرا سر باندھنا۔کیونکہ شاید کچھ تسکین ہو۔خون پونچھنا ہے۔تو لو،وہ دوسرا رومال دیتا ہے۔

یہ سُن کر نازنین اور حوروش ملکہ نے ایک عجیب نازوادا کی نگاہ سے نوجوان کی صورت دیکھی اور نظر نیچی کر لی۔اس نظر ناز سے جو کچھ کہہ دیا۔اُس کو نوجوان کا دل ہی کچھ خوب سمجھا ہوگا۔مریم کے کہنے سے نوجوان ایک مسلح چٹان پر بیٹھ گیا اور مریم نے خُون پونچھ کر رومال سے کس کے سر باندھ دیا۔ان امور سے فراغت کر کے مریم پوچھنے لگی۔صاحب آپ نے ہم لوگوں کی جس طرح جان بچائی ہے۔اس کا شکریہ تو ہم سے کسی طرح ادا نہ ہوگا۔مگر اتنا بتا دیجئے کہ آپ کون ہیں؟ اور اس مقام پر کس لیے تشریف لائے تھے۔

نوجوان: اس کے جواب میں میں بس اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ اس صحرا کا آسمان بھلا معلوم ہوا۔ سیر کرتا ہوا یہاں نکل آیا۔ مگر تمہارے حال دریافت کرنے کا میں تم سے زیادہ مُشتاق ہوں۔

مریم: جس آپ اپنا حال چھپاتے ہیں۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ہم لوگ اپنے راز ظاہر کردیں۔

نوجوان: میں اپنا حال نہیں چھپاتا ہوں۔ بس صرف اسی قدر ہے کہ ایک ترکی سپاہی ہوں۔ سیر کرتا ہوا ادھر نکل آیا۔

ملکہ: اس لڑائی کے زمانے میں کسی کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ کاش آپ مجھے اپنا خیر خواہ سمجھتے تو میں درخواس کرتی کہ دو ایک روز کے لیے آپ وہاں چلے چلیے اور میری میزبانی قبول کیجیے۔ اگرچہ میں کس قابل نہیں ہوں۔ لیکن آپ نے ایسا احسان کیا ہے کہ اپنی جان فدا کرنے میں بھی تامل۔

نوجوان: (بات کاٹ کے) ایسا نہ کہیے۔ میرے دل کو صدمہ ہوتا ہے۔ جان فدا کرنا میرا کام ہے نہ کہ آپ کا۔

ملکہ: (شرما کر) اچھا یہ فرمائیے کہ آپ نے میری میزبانی قبول کی یا نہیں۔

نوجوان: میں بسر وچشم حاضر ہوں۔ جہاں چاہیے لے چلیے۔ مجھے انکار نہیں ہوسکتا۔

رشتہ در گردنم دست دا وہ دوست
بے برو ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

ملکہ! اچھا تو چلیے۔ یہ کہہ کر ملکہ اُس کے ساتھ والیاں اور ہمارا نوجوان ترکی دوست سب کے سب ایک طرف روانہ ہوئے۔ ہمارے دوست کو اگرچہ زخم نے ازحد ناتواں کردیا تھا۔ مگر وہ فوراً۔ اپنے ایرانی دشمن کے گھوڑے پر سوار ہولیا اور اپنی

دلربا کے ساتھ ساتھ سنگستانی راستہ کو طے کرنے لگا۔

چند ہی منٹ میں یہ جماعت ایک درے سے نکلی، جہاں سے میدان اور ساحل بحر اسود والا قلعہ اور سمند کا متلاطم پانی سب چیزیں نظر کے سامنے تھیں۔ ناگہاں ایک فوج نمایاں ہوئی، جو مشرق و شمال کی جانب سے قلعہ کی طرف جارہی تھی۔ وضع اور لباس سے پہچان کے یہ جماعت سامنے سے ہٹ کر ایک پہاڑی کی آڑ میں ٹھہر گئی اور نوجوان ایک پوشیدہ جگہ سے کھڑا ہو کر سیر دیکھنے لگا۔

یہ روسیوں کی بارہ ہزار فوج تھی۔ جو اس وقت اس قلعہ پر قبضہ کرنے کی غرض سے آئی تھی۔ اُس فوج کے ساتھ دو توپ خانے بھی تھے۔ ہنوز قلعہ ایک میل کے فاصلہ پر ہوگا۔ ترکی جہازوں نے لڑائی کا نشان اڑا دیا اور چار جہاز گولہ باری کرتے ہوئے ساحل کی طرف بڑھے۔ ترکی گولے تباہ شدہ قلعہ اور روسی فوج کے سپاہیوں پر آکر پھٹتے تھے۔ کچھ دیر تو روسیوں نے کوشش کی بے لڑے بھڑے اور بغیر اس کے کہ ترکی کے جہازوں پر گولہ باری کریں، قلعہ میں داخل ہو جائیں۔ مگر جب ترکوں نے اس ارادے میں کس طرح کامیاب نہ ہونے دیا تو انہوں نے اپنی توپیں بھی ساحل پر لگا دیں۔ اور فیر کرنے لگے۔ کامل دو گھنٹہ تک لڑائی رہی۔ دھواں بڑھتا جاتا تھا اور سمندر کی سطح ہمارے اُن دوستوں کی نظر سے غائب ہوتی جاتی تھی، جو پہاڑوں کی آڑ میں بیٹھے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ آخر باقی جہاز بھی بڑھ آئے اور انہوں نے تھوڑے ہی عرصے میں روسی توپوں کا منہ بند کر دیا۔ ان کی فوج حکمت عملی سے پوشیدہ پوشیدہ ساحل پر اُتر آئی اور صف بندی کے ساتھ دو ہزار ترکوں نے ایک ایسی غیر متوقع باڑھ ماری کہ روسی زخمی ہو ہو کر گرتے ہوئے بھاگتے اور ترکوں نے بے تکلف بڑھ کر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ منہدم قلعہ درست کر کے ترکوں نے اپنی توپیں لگائیں اور توپوں کو بھی قرینے سے لگایا۔ جنہیں روسی چھوڑ گئے تھے۔ قلعہ کی بلندی

پر ترکی جھنڈا چڑھا دیا گیا اور مسلمانوں کی طرف سے خوشی کے نعرے بلند ہوئے۔

اس لڑائی کی آخر تک سیر دیکھ چکنے کے بعد اپنے دلدادہ مہمان کی طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی:

ترکوں نے تو اس قلعہ کو بخوبی فتح کر لیا۔

نوجوان: لڑائی اور سپہ گری کے اعتبار سے تو ترک ہمیشہ روسیوں پر غالب رہے ہیں اور اُن کو جو کچھ نقصان ہے۔ یا جب پہنچے گا۔ صرف باہمی ناانصافی اور افسروں کی بدنیتی سے۔ کاش ترکی افسر اپنی سلطنت کے خیرخواہ دوست ہوتے اور صرف لڑائی کے اعتبار سے پوچھو تو ترکوں پر کیا منحصر ہے جو قوم مسلمان ہوئی ہے۔ ہمیشہ غالب آئی ہے۔

ملکہ: بے شک اس میں شک نہیں کہ مسلمان لوگ بڑی جان فروشی سے بڑھتے ہیں۔

مریم: ملکہ یہ باتیں گھر پر چل کے کیجئے گا۔ اب کوہستان سے چلنا چاہیے۔ لیکن اب ہم کس راستہ سے چلیں۔ ادھر تو ترکوں کا قبضہ ہو گیا اور اُن کے سپاہی ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔

نوجوان: نہیں ترک تو کسی قسم کی مزاحمت نہیں کر سکتے۔ مگر (کچھ سوچ کر) حتی الامکان یہ راستہ چھوڑ دینا چاہیے۔

ملکہ: اچھا۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ ہم ان پہاڑوں کے اندر ہی اندر کے راستہ اپنے گھر پہنچ سکتے ہیں۔ اگرچہ کسی قدر تکلیف ہوگی۔ کیونکہ اس سنگستانی راستہ میں اونچا نیچا بہت پڑے گا اور آپ زخمی ہیں۔

نوجوان: اس کا خیال نہ کرو۔ میں چلا چلوں گا۔

یہ تجویز کر کے سب اُلٹے پھرے اور ان پہاڑیوں ہی میں غائب ہو گئے۔

(۳)

مہمان داری

ایک عالیشان اور خوشنما عمارت بحرِ اسود کے کنارے بنی ہوئی ہے۔ چاروں طرف ایک مختصر سا سبزہ زار ہے اور اس سبزہ زار کی حد بندی تین طرف سے بلند پہاڑیاں کر رہی ہیں، جو سلسلہ وار سینکڑوں میل تک چلی گئی ہے اور چوتھی جانب یعنی مغرب کی طرف سمندر کی لہریں اس عمارت کے پتوں سے ٹکرا ٹکرا رہ جاتی ہیں۔ وہ پہاڑیوں سے کئی ایک صاف اور شفاف نہریں جاری ہوتی ہیں، جو سبزہ زار کے ہر حصے کو شاداب بنا کر اور کوٹھی کے گرد طواف کر کے بحر اسود میں گرتی ہیں۔ طوفان خیز موجیں دُور سے دوڑتی ہوئی آتی ہیں۔ اور اس عالیشان کشتی ایک جانب ساحل ہر بندھی ہوئی ہے۔ جو غالباً بہت عمدہ طور پر سیر دریا کے کام آتی ہوگی۔ عمارت کے شمالی جانب ایک چھوٹے سے قطعہ زمین پر ایک باغ بنالیا گیا ہے۔ جس میں رنگ رنگ کے نازک پھول کھلے ہوئے ہیں اور نظر کو بری دلفریبی سے اپنے قدرتی حسن جمال کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔ کوٹھی سے نہایت ہی قریب کی ایک خوشنما پہاڑی تک سنگستانی چٹانیں کاٹ کر سڑک نکالی گئی ہے اور اسی پہاڑی کے گرد چکر کھاتی ہوئی چوٹی تک چڑھ گئی ہے۔ جہاں ایک بہت ہی خوش قطعہ بنگلہ بنا ہوا ہے۔ جنوب کی جانب کوٹھی اور اس کے اردگرد کے سبزہ زار کے بعد چند چھوٹے چھوٹے کم حیثیت مکان بنے ہیں۔ جن میں غالباً یا تو دہقانی اور یا اُس امیر کے ملازم رہتے ہوں گے جو شاندار کوٹھی میں سکونت پذیر ہے۔

وقت تقریباً ٹھیک دوپہر کا ہے۔ کیونکہ آفتاب اگرچہ شمالی سرزمین ہونے کی وجہ سے جنوب کی طرف بہت ہٹا ہوتا ہے۔ مگر اس انتہائی بلندی تک پہنچ گیا ہے

جہاں تک روز جا کر جُھک پڑتا ہے۔ درختوں اور پہاڑوں کا سایہ شمال کی طرف تھوڑی دور تک چلا گیا ہے۔ اگر چہ دھوپ کچھ زیادہ گرم اور تیز نہیں ہے۔ مگر قدرت کے صناعیوں کو دیکھ کر وجد میں آجانے والے طیور سرسبز اور گھنے درختوں کی شاخوں پر پتوں کے سائے میں ساکت وصامت بیٹھے ہیں۔ ہاں بلند پرواز طیور اپنے حوصلوں کی انتہائی پر پہنچ گئے ہیں اور بلندی کی ٹھنڈی ہوا سے ایک سکون اور متانت کے ساتھ دلچسپیاں اُٹھا رہے ہیں۔

بادی النظر میں یہ مقام اور اس کے گرد کا سبزہ زار نہایت ہی آزادی اور فرحت کا مقام معلوم ہوتا ہے۔ ایسا معام جہاں تک دُنیا کے فتنہ وفساد کا اثر نہ پہنچ سکتا ہو اور انسان بڑی دلچسپ اور لُطف کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔ اس سے عُمدہ اور کوئی مقام نہ ہوگا۔ کیونکہ بہت کم آبادی ہے اور جس قدر لوگ رہتے ہیں وہ ضرورت کے مناسب ہیں۔ انہیں مکانوں کے قریب ہو کر ایک سڑک نکلی ہے، جو جنوب کی طرف کے پہاڑیوں کو قطع کر کے اس پار نکل گئی ہے۔ سنگستانی مقام ہونے کے سبب سے یہ سڑک بہت پھیر کھا گئی ہے اور اسی وجہ سے دُور تک کا دکھاؤ نہیں ہے۔ مگر اس روح افزا اور دلچسپ سبزہ زار میں یہ پختہ سڑک کچھ ایسا لطف پیدا کرتی ہے کہ نگاہ خود بخود اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ ناگہاں پہاڑیوں سے چند سوار نمایاں ہوئے، جو سڑک پر چلے آتے تھے۔ یہ سوار خراماں آپس میں بڑے ذوق وشوق سے باتیں کرتے آرہے ہیں۔ شاید کسی دیکھنے والے کو ان کا کچھ انتظار کرنا پڑا ہو مگر یہ اپنی باہمی دلچسپ باتوں میں اس درجہ محو ہو رہے ہیں کہ یقیناً انہیں کچھ معلوم نہیں ہوا اور کوٹھی کے نیچے پہنچ گئے۔

اب یہ لوگ قریب آگئے تو غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک تو ع وہ نوجوان ترک ہے۔ باقی وہ پری وش عورتیں ہیں، جن کے لیے اس موقع پر سینہ پر

ہوا تھا۔

ملکہ: دیکھو۔میرا مکان یہی ہے۔یہ بڑی فرحت کی جگہ ہے اور بڑی خوشی سے یہاں زندگی گزرتی ہے۔

ترک: حقیقت میں دنیاوی فکریں تو یہاں تک پہنچنے ہی نہ پاتی ہوں گے۔کیا بہار اور لطف کی جگہ ہے۔اگر خدا اطمینان دے تو انسان یہیں زندگی بسر کرے۔یہ ہر طرف کا سبزہ زار یہ پہاڑوں کی حد بندی، یہ دریا کا عین کوٹھی کے نیچے لہریں لینا۔یہ نہروں کا پہاڑوں سے اُتر کر اس سبزہ زار میں اور اُس کوٹھی کے گرد چکر لگانا اور بحر اسود میں جا کر گرنا ایسی چیزیں ہیں کہ انسان اپنے پیمانے سے زیادہ خوشی حاصل کرے۔

ملکہ: اس لڑائی نے ہماری پہلی گزشتہ فکریں اور اگلے رنج و الم پھر یاد دلا دیئے۔ورنہ ہم تو اپنے تمام غموں کو اس پُر فضا مقام میں سکونت اختیار کر کے بھول گئے تھے۔

ترک: ہاں آج کل تو یہ نہایت خوف کی جگہ ہوگی اور اس پر کیا منحصر ہے۔جتنے مقامات ساحل پر واقع ہوئے ہیں۔سب خوفناک ہیں اگر روسیوں کا جی چاہے گا۔تو اپنا قبضہ کر کے قلعہ بندی کر لیں گے۔اور اگر ترکوں کو خبر ہوگئی تو اُن کا جہاز روم بھر میں آ کر اس کوٹھی اور باغ کو تباہ و مسمار کر دیں گے۔

ملکہ: روسیوں کے افسروں نے تو کئی بار ایسا قصد کیا مگر کچھ ایسا ہی سبب تھا کہ اب تک یہ مکان ہمارے قبضہ میں ہے۔

ترک: روسی تو اکثر یہاں آیا جایا کرتے ہوں گے۔

ملکہ: ہمیشہ

ترک: تو میرے لیے خوف کی بات ہے۔مگر کس کے لیے؟ میری جان کے

لیے عتو اب میری نہیں ہے۔ چاہے جانے، چاہے رہے۔

ملکہ نے یہ سُن کر غور سے ترک کی صورت دیکھی اور مُسکرا کر کہنے لگی۔ کوئی خوف کی بات نہیں ہے۔ آپ یہاں تشریف رکھیں۔ یہ لُطف سے خالی نہیں ہے۔ خدا کرے آپ کو میرے کہنے کا یقین آ جائے۔ جب تک میں زندہ ہوں۔ ممکن نہیں کہ آپ کو یہاں کسی قسم کا صدمہ پہنچ سکے۔ اتنا کہہ کر ملکہ گھوڑے سے اُتری اور ترکی نوجوان کا ہاتھ پکڑ کوٹھی کے اندر لے گئی۔

جس کمرے میں یہ دونوں صاف باطن دوست پہنچے ہیں۔ وہ ایک وسیع کمرہ ہے چھت پر پُرتکلف اور منقش کام بنا ہوا ہے۔ بڑی بڑی تصویریں دیواروں پر لگی ہوئی ہیں اور زیب و زینت کے لیے جس قدر سامان کافی ہو سکتا ہے۔ اس سے بہت زیادہ یہاں موجود ہے، جو قرینے سے مناسب موقعوں پر آراستہ کیا گیا ہے۔ نازنین ملکہ نے پہلے اپنے دلداہ مہمان کو ایک آرام کرسی پر بیٹھایا۔ پھر اس کے قریب ہی کرسی پر خود بیٹھ گئی اور دلدہی کی باتیں کرنے لگی۔

ملکہ: مجھے بار بار آپ کے زخم کا خیال آتا ہے۔ اگر تکلیف ہو تو ڈاکٹر کو بلواؤں

۔ترک: میں پہلے ہی سے زخمی تھا۔ پرسوں میں نہایت سخت زخمی ہوا تھا اور بہت بُری حالت میں تھا۔ کل کا دن جس طرح گزرا خیر شکر ہے۔ آج یہ دوسرا زخم پڑا۔ جس نے ناتواں کر دیا۔ مگر مجھے اس کی شکایت نہیں۔ سپاہیوں کا یہ کام ہی ہے۔ ہم لوگ تو زخمی ہونے ہی کے لیے پیدا ہوئے ہیں افسوس جو زخم میرے دل پر پڑا ہے۔ آہ۔ تیر نظر کا زخم اس نے بہت بے تاب رکھا ہے۔ کیا کوئی ڈاکٹر اس کا علاج کر سکے گا؟ اگر ایسا ڈاکٹر ہو تو ضرور بلوایئے۔

ملکہ نے اس قسم کے بہت سے جملے سنے مگر برابر ٹال جایا کی اور اس مرتبہ بھی اس نے یہی کیا۔ اس ذکر کو اڑا کر پوچھنے لگی۔ آپ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ آپ کون

ہیں اور ساتھیوں کو چھوڑ کر کیوں وہاں چلے آئے تھے؟

ترک: سوا اس کے اور کیا کہوں کہ ایک ترکی سپاہی ہوں۔ اپنی فوج سے جدا ہوگیا۔ تنہائی میں اور کہیں دل نہ لگا وہیں پہاڑ پر سیر کرنے لگا:

ملکہ: یہ بات تو اعتبار کے قابل معلوم نہیں ہوتی۔ اچھا آپ پر سوں زخمی کیونکر۔ ملکہ کی زبان سے اس قدر جملہ نکلنے پایا تھا کہ مریم آئی، جس کی صورت دیکھ کر ملکہ نے کہا۔ تم تو راستے ہی سے غائب ہوگئیں۔

مریم: ملکہ میں ایک ضرورت سے چلی گئی تھی۔ اس کے بعد مریم نے بڑھ کر ملک کے کان میں کچھ کہا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ملکہ کسی قدر متفکر ہوگئی۔ تھوڑی دیر ساکت رہنے کے بعد مریم سے کہنے لگی۔ اچھا تم تھوڑی دیر یہاں ان کے پاس بیٹھو میں جاتی ہوں۔ یہ کہا۔ اور نوجوان ترک سے اجازت لے کر چلی گئی۔ مریم بیٹھ کر ہمارے دل از دست دادہ دوست کی مزاج پرسی کرنے لگی۔

مریم: اب فرمائیے۔ زخم کیسا ہے؟ کچھ زیادہ تکلیف تو نہیں۔

ترک: افسوس تم کو اسی ورد کا خیال ہے۔ جس کی مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ آہ دل میں جو تیرِ نگاہ کا زخم پڑ گیا ہے۔ وہ کسی پہلو پر قرار نہیں لینے دیتا۔

مریم: اس قسم کی باتیں نہ کیجئے۔ کیا ہماری بے عزتی کیجئے گا۔ ہمارے ملکہ بڑی پاکدامن اور پارسا لڑکی ہے۔ آپ کے احسان نے مجبور کر دیا کہ وہ آپ کو یہاں لے آئی۔ ورنہ آپ ہی سمجھ سکتے ہیں کہ آج کل یہاں کسی ترک کا رہنا ہم لوگوں کے حق میں کیسی خوفناک بات ہے۔

ترک: بے شک تمہاری نازنین ملکہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا کہ مجھے یہاں تک آنا نصیب ہوا اور حقیقت میں مجھے ضبط کرنا چاہیے تھا۔ مگر کیا جائے کہ اس دل سے کسی طرح ضبط نہیں ہوسکتا۔ میں اپنے بس اور اپنے قابو میں نہیں ہوں۔

مریم: آپ کو کیا معلوم۔ ہماری ملکہ کا حال بہت رحم کے قابل ہے آپ سُنیے گا تو بے تاب ہو جائیے گا۔ وہ بے چاری خود اپنے اختیار میں نہیں ہیں۔

ترک: خدا کے لیے کچھ تو بیان کرو۔ جس وقت وہ پہلی نظر پڑی تھی جس نے مجھے تمہاری ملکہ کے تیر نظر کا گھائل کیا تھا۔ اُس وقت سے اس وقت تک میں اسی جستجو ہوں کہ جس نے مجھ پر حسن کا جادو کیا وہ کون ہے۔ مجھ پر تمہارا اس سے زیادہ کوئی احسان نہ ہوگا کہ اپنی ملکہ کا کچھ حال بیان کرو۔

مریم: آہ ملکہ کا حال سُننے کی کس دل میں طاقت ہے۔ اس کو تقدیر نے بہت ستایا۔

ترک: للہ جلدی بیان کرو۔ دیکھو میری بے تابی بڑھتی جاتی ہے۔

مریم: اگر چہ مناسب نہیں ہے۔ مگر میں مجبوراً بیان کرتی ہوں۔ کیونکہ آپ نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

داستانِ غم

سلطنت آسٹریا کے شمال کی طرف کوہ کارپتھین کے نیچے گلیشیا ایک صوبہ ہے۔ٹامس نام ایک تجربہ کار افسر وہاں کا گورنر تھا۔ٹامس نہایت ہی سن رسیدہ اور تجربہ کار شخص تھا۔جن دنوں پولینڈ کو روس والوں نے تباہ کیا۔ ہے اس زمانے میں اُس نے بہت بڑے بڑے کارنمایاں کئے تھے۔شاید اصل میں وہ پولینڈ ہی کا رہنے والا تھا اور اسی سبب سے اپنے ملک کی ہمدردی میں بڑے جوش وخروش سے اس سپہ گری کے جوہر دکھائے۔ اکثر میدانوں میں روس کو فاش شکستیں دیں۔مگر پولینڈ کی قسمت میں تباہ ہی ہونا تھا۔ کچھ ایسی باہمی عداوتیں پیدا ہوئیں اور پولینڈ والے ایسے بےموقع آپس میں ایک دوسرے سے لڑنے لگے کہ روز بروز روسیوں کا قدم بڑھتا گیا اور آخر کار پولینڈ کی عظیم الشان اور قدیم سلطنت ٹوٹ گئی اور تمام ملک پر روس کا قبضہ ہوگیا۔ روسیوں نے قبضہ کر چکنے کے بعد پولینڈ والوں پر ایسی سختیاں کیں کہ ان کو کسی جگہ پناہ نہیں ملتی تھی اور برابر گرفتار ہو ہو کر سائبیریا بھیجنے لگے۔ ٹامس ایسا ہوشیار شخص تھا کہ روسی افسروں کا ہاتھ

فٹ نوٹ :۔(۱)۔پولینڈ کی ایک قدیم سلطنت یورپ میں قائم تھی،جس کو روس نے تباہ کر کے اپنے ملک میں شامل کرلیا۔یورپ کے قدیم واقعات میں پولینڈ کا نام اکثر جگہ ملتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ پولینڈ کی سلطنت بہت قوی تھی۔
(۲)۔سائبیریا ایشیا کے بالکل شمال میں واقع ہوا ہے۔ ریگستانی ملک ہے اور ایشیائی روس کا بہت بڑا صوبہ ہے۔ گورنمنٹ روس کے بڑے مجرم جن سے سنگین جرم ظہور میں آتے ہیں، وہ جلاوطن کر کے سائبریا میں بھیج دیے جاتے ہیں اور وہاں کان کھودنے کا کام دیتے ہیں

اس تک نہ پہنچ سکا۔ اس نے بی بی کو ساتھ لیا اور حسرت سے اپنے وطن کو خیر باد کہی اور سلطنت آسٹریا میں جا کر پناہ لی۔ آسٹریا کے تخت پر ایک قدر دان بادشاہ جلوہ افروز تھا۔ اس نے ٹامس کی بڑی قدردانی کی اور نہایت عزت سے پیش آیا۔

ٹامس نے چند ہی روز میں ایسے، الوالعزمی کے کام کیے اور اس خوبی سے شاہی خدمتیں سرانجام دیں کہ شہنشاہ آسٹریا کو اس سے محبت ہوگئی۔ تدریجاً ترقی کرتے کرتے وہ گلیشیا کا گورنر ہوگیا۔ گورنر کے زمانہ میں اس کے ہمراہ صرف ایک بی بی تھی! پندرہ سولہ برس کی نوعمر اور حور روش لڑکی سوفیا اور اسکی کم سن خامہ جبین تھی۔ ٹامس کو اپنی حسین نازنین بیٹی سے بڑی محبت تھی اور اس کی تمام خوشیاں گویا سوفیا ہی کی خوشی کے ساتھ وابستہ تھیں۔ سوفیا اپنے حسن و جمال کی مناسبت سے ہر قسم کی انسانی دلچسپیوں کی شائق تھی۔ اس کی زندگی ایک سرسبز اور تروتازہ باغ میں گزرا کرتی تھی جس کے پھول اس کے حسن و جمال کے آئینہ دار تھے اور جس کی تروتازگی اور لطافت اس کی طبیعت کی کیفیت دکھایا کرتی تھی۔ وہ رنگ برنگ پھولوں پر روز غور کرتی تھی اور اپنے لباس کے لیے کوئی ستھرا اور نظر فریب رنگ تجویز کرتی تھی۔ اسکی سادی طبیعت میں ہنوز عشق کا خیال بھی نہیں گزرا تھا اور صرف اپنے حسن کی قدردانی ہی میں اپنے عیش و عشرت کے دن گزارا کرتی تھی۔ ٹامس روز اپنی بیٹی کو دیکھتا تھا اور اُن جدتوں کو دیکھ کر جن کے ذریعہ سے سوفیا اپنے بانکپن کی وضع روز بدل بدل کی اپنی طبعیت داری ظاہر کرتی تھی خوش ہوتا تھا۔ سوفیا کبھی کبھی اپنے باپ سے اجازت لے کر جاتی تھی اور کوہ کارپتھیں کے سبزہ زاروں، گھاٹیوں اور قلعوں کی سیر کیا کرتی تھی۔ اکثر ہفتہ ہفتہ بھر اس کو انہیں دروں اور کوہساروں میں گزر جاتا تھا۔

سوفیا ایک روز انہیں گھاٹیوں کی سیر میں مشغول تھی کہ اتفاقاً اسکی نظر ایک نوجوان پر جا پڑی۔ خدا جانے وہ کس جادو کی نظر تھی کہ اس نوجوان کی طرف جاتے

جاتے سادہ دل سوفیا کے ہوش وحواس بھی اپنے ساتھ لیتے گئی اور اس کے معاوضہ میں نوجوان کی جونظر سوفیا پر پڑی وہ گویا حسرت والم پانے ساتھ ہمراہ لیتے آئی تھی کیونکہ اس گھڑی کے بعد پھر سوفیا کو وہ پہلی اطمینان اور غفلت شعاری کی سچی خوشی نصیب ہوئی۔ خیر سوفیا نے بڑے دلی جوش سے اس نوجوان کا استقبال کیا اور نہایت ہی بےصبری اور سرگرمی سے اُس نوجوان کی ناز برداری کرنے لگی اور تھوڑی ہی دیر میں محبت کچھ اس درجہ ترقی کر گئی کہ نوجوان نے جس وقت آبدیدہ ہو کر رُخصت ہونے کا نام لیا۔ سوفیا زاروقطار رونے لگی اور نہایت ہی حسرت کے لہجے میں بولی۔ کے اتم کو نہیں معلوم کہ تم سے جدا ہو کر میرا کیا حال ہوگا۔

نوجوان: ہائے! میں جس کے پاس رہوں گا۔ اس کو ضرور پہنچاؤں گا۔ میں سرکاری مجرم ہوں۔ آسٹریا کی زمین میری دشمن ہے۔ آسمان کی طرف دیکھ کر روئیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ ملک بھر کا ہر آدمی میرے خون کا پیاسا ہے اور میری جستجو میں ہے۔ پیاری سوفیا۔ مجھے اپنے ہاں چھپا کر تم خود مجرم ہو جاؤ گی۔

سوفیا: (آہ سرد کھینچ کر) مجھے ہر جرم ہو جانے سے کچھ خوف نہیں، جو جو مصیبتیں تمہارے سر پر نازل ہوں گی۔ انہیں بڑی خوشی کے ساتھ میں اپنے سر پر لے لوں گی۔

نوجوان: نہیں۔ نہیں۔ مجھ سے نہ ہوگا۔ (آنسو بہا کر) پیاری سوفیا۔ مجھ سے نہ ہوگا۔ اُف اپنی نازنین معشوقہ کو آفت میں پھنساؤں (کانپ کر) نہیں ہرگز نہ ہوگا۔

سوفیا میں وعدہ کرتی ہوں کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ کوئی کانوں کان نہ جانے گا۔ میرے وہاں کا حال۔ ہر کسی کو نہیں معلوم ہو سکتا۔ ابا جان کے رُعب اور خوف سے اگر کسی کو خبر ہو بھی جائے تو کسی سے بیان نہ کرے گا۔ ابا جان گلیشیا کے گورنر ہیں

اور تھوڑی دنوں کے بعد اُن کے زریعے میں تمہارے قصور بھی معاف کرا لوں گی۔ کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔تم بس میرے ساتھ چلے چلو۔تمہارا دامن مجھ سے نہ چھوڑا جائے گا۔

الغرض سوفیا مجبور کر کے نوجوان کو اپنے ساتھ لے گئی اور اپنے باغ کی عمدہ پر تکلف کوٹھی میں ٹھہرایا۔سوفیا شب و روز باغ میں ہی رہا کرتی تھی۔اپنی بیٹی کے عاشق کی ٹامس کو خبر بھی نہ تھی کہ اس کی بیٹی باغ میں کیوں رہا کرتی ہے۔ناز برداری نے کبھی اس کو اپنی بیٹی سے اتنا بھی نہ پوچھنے دیا کہ اب وہ اس سے کیوں کم ملتی ہے۔ افسوس وہ بالکل غافل رہا اور زمانے کو اس کے ساتھ دشمنی کرنے کا پورا موقع مل گیا۔

سوفیا کو اپنے عاشق یا اپنے نوجوان معشوق کی خاطر داری اور دل دہی کرتے تقریباً دو برس گزر گئے۔اتنے عرصے تک کبھی کوئی ایسا شخص نہ ملا، جو نوجوان کی جستجو میں ہو۔دونوں عاشق و معشوق کو نہ کسی بات کا کھٹکا تھا اور نہ کسی امر کا خوف تھا۔اُس پاکبازی کی صحبت میں سوفیا کے ساتھ اُس کی خادمہ جین بھی شریک تھی۔جین کم سن لڑکی تھی اور بچپن سے سوفیا کے ساتھ رہی تھی۔کیونکہ جب وینا میں سوفیا پیدا ہوئی تھی۔اور اُس کی عمر کے دو چار سال گزرے تھے۔اسی زمانے میں ٹامس نے جین کو پرورش کرنے کے وعدے پر ایک غریب عیسئی سے لے لیا تھا۔کیوں کہ جین کی ماں کے مر جانے سے اس غریب عیسائی کو اُس کی پرورش بہت دشوار تھی۔دو چار برس کے بعد وہ مر گیا اور جین کی پرورش بالکل ٹامس کے سر رہ گئی۔اس وجہ سے جین اکثر ہر موقع پر سوفیا کے ساتھ رہا کرتی تھی۔اور سوفیا کا کوئی راز اس سے مخفی نہ تھا،سوفیا اس کو بالکل اپنی بہن کی طرح رکھتی تھی اور یہی سبب تھا کہ اپنی پاکبازی کے عشق میں بھی اس کو شریک کر لیا۔جین چاہے کسی مزاج کی لڑکی ہو مگر اس کے دل میں نمک حرامی کا خیال پیدا ہوا۔خدا جانے کیوں۔ظاہراً اسے کسی بات کی تکلیف بھی نہیں

دی گئی تھی۔جین نے ٹامس سے کہا کہ میں اپنی خالہ چارجنا سے ملنے کے لیے ویانا جاتی ہوں۔دو مہینے کے بعد واپس آجاؤں گی۔فیاض دل ٹامس نے کچھ روپیہ دے کر رُخصت کیا۔

جین نے سوفیا کے نوجوان عاشق سے اس کا تمام حال دریافت کرلیا تھا اور اس کے سب حالات سے مطلع ہو چکی تھی۔ویانا پہنچ کر وزیر جنگ کے بیٹے سے ملی۔ جس کی محبت کو شاید ایک عرصہ سے دل میں چھپائے ہوئے تھی۔چونکہ اس نوجوان کا پتہ لگانے کے لیے شہنشاہ اسٹریا کی طرف سے بہت کچھ انعام اور عزت کا وعدہ کیا گیا تھا۔لہذا جین نے وزیر جنگ کے بیٹے سے کہا۔اگر آپ میرے ساتھ شادی کرنے کا وعدہ کریں تو میں ایک ایسے سرکاری مجرم کا پتہ لگا دوں جس کی وجہ سے آپ کو بہت کچھ انعام ملے گا۔اور آپ کی عزت میں بھی بہت ترقی ہوگی۔

وزیر جنگ کا بیٹا۔کون مجرم؟

جین نے نوجوان کا نام ونشان بتایا تو وزیر جنگ کا بیٹا بہت خوش ہوا اور فوراً شادی کا وعدہ کرلیا۔غرض ظالم جین کی اس نمک حرامی کا یہ نتیجہ ہوا کہ سرکار کی طرف سے اس مضمون کا ایک حکم نامہ وزیر جنگ کے نام صادر ہوا۔

"تحقیق کے طور پر معلوم ہوا ہے کہ شاہی مجرم سلیمان جس نے آسٹریا میں سلطنت کے خلاف ایک باغیانہ سازش کی تھی اور ہماری رعایا میں ہماری عداوت کا جوش پیدا کیا تھا اور جو دو برس سے روپوش ہے۔اس کو ہمارے گورنر گلیشیا نے اپنے ہاں پناہ دی ہے اور دو برس سے وہ ٹامس گورنر مذکور کی بیٹی کے گھر میں چھپا ہوا ہے۔ تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ فوراً کافی فوج لے کر جاؤ اور سلیمان کو معہ ٹامس گورنر گلیشیا اور اُس کی بیٹی سوفیا کے پا بہ زنجیر حاضر دربار کرو۔اس بارے میں ہرگز طرح نہ دی جائے اور درصورت کوتاہی تم مجرم قرار دیے جاؤ گے۔تاوقتیکہ ہماری طرف سے کوئی

باضابطہ انتظام کیا جائے۔اس وقت گلیشیا کی گورنری کا کام وزیراعظم کے زیرِ نگرانی رہے۔

فوٹ نوٹ:۔(ا)۔ویانا آسٹریا کا دارالسلطنت ہے ایک زمانے میں ترکی فوج نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا تھا۔)

اس حکم نامے کے آتے ہی وزیرِ جنگ نے اپنے بیٹے کی سرگروہی میں دو ہزار فوج اور ایک توپخانہ گلیشیا کی جانب روانہ کیا۔

افسوس غریب سوفیا کی سادہ مزاجی نے اس کے ساتھ ہی نہیں اُس مہربان باپ کے ساتھ بھی دُشمنی کی۔دو دن قبل اس کے کہ یہ فوج گلیشیا میں پہنچے۔ٹامس کو شاہی حکم نامے کی اطلاع ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آج ہی کل میں اُس کی گرفتاری کے لیے شاہی فوج آیا چاہتی ہے۔وہ نہایت مضطرب ہوا بے تابی اور فکر سے اس کے ہوش و حواس بھی زائل ہو گئے۔اس وقت اسے تجرب کاری اور ہوشیاری سب چیزیں بے کار معلوم ہوتی تھے وہ اانکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ موت ایک دیو کی طرح سامنے منہ پھیلائے کھڑی ہے۔اور اسی خوف اور مایوسی کے عالم میں خیال نے اُسے دکھایا کہ گویا موت کے دیو کے منہ میں جو پہلا لقمہ گیا وہ اس کی نازنین اور حور خصال بیٹی سوفیا ہے۔یہ دیکھتے ہی وہ کانپ اُٹھا اور یکا یک گویا ہوش میں آ کر چاروں طرف حسرت سے دیکھنے لگا۔دیکھا تو سوفیا سامنے کھڑی ہے اور پوچھ رہی ہے۔ابا جان کیوں؟ آپ متفکر کیوں ہیں۔

یہ جملہ سُن کر ٹامس ایک سناٹے میں آگیا اور ایک آہ سرد کھینچ کر گردن جھکا لی۔سوفیا جس نے اپنے نازبردار باپ کو ایسی مایوسی اور حسرت کے عالم میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔گلے میں ہاتھ ڈال کر کہنے لگی۔ابا جان کیوں کیا ہوا؟ آخر آپ اس درجہ

ملول کیوں ہیں؟ کیا مجھ سے کوئی خطا ہوئی؟

ٹامس نہایت ہی متین اور باضابطہ شخص تھا۔ کہنے لگا۔نہیں تم کیا جانو ہماری نسبت ایک سرکاری حکم ہوا ہے۔

سوفیا: کیا حکم ہوا ہے۔

ٹامس نے بغیر اس کے کہ کسی قسم کی اپنی ناراضی ظاہر کرنے۔سوفیا سے شاہی حکم نامے کا مضمون سُنا دیا۔ اتنا سُننا تھا کہ سوفیا دم بخود ہوگئی۔اس کی سٹی گم ہوگئی۔ اس کے گلابی رخساروں پر زردی چھا گئی۔اُس کے تروتازہ ہونٹ خشک ہوگئے۔اس کی آنکھیں حسرت ویاس کے ساتھ جھکیں اور گویا اُٹھنا بھول گئیں۔دیر تک اس کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا۔آخر دیر کے بعد کہنے لگی۔افسوس میں عشق کو جُرم نہیں سمجھتی تھی۔ مجھے بالکل نہیں خیال تھا کہ عشق نے اپنے مجرموں کو بہت سخت سخت سزائیں دلوائی ہیں۔آہ۔اس کی کیا خبر تھی۔ہائے اپنے جرم میں میں نے اپنے پیارے باپ کو بھی شریک کرلیا۔

اس کے بعد ٹامس کی طرف متوجہ ہوئی اور عاجزی کے لہجے میں کہنے لگی۔ابا جان۔ بے شک میں مجرم ہوں۔مگر صرف اسی قدر کہ آپ پر ظاہر نہیں کیا اور میں کسی بات کی مجرم نہیں۔ میں خدا کی گنہگار نہیں ہوں۔میرا دامن اس وقت تک پاک ہے۔میری عصمت میں آج تک فرق نہیں آیا۔ میں صرف اتنی ہی خطاوار ہوں کہ اس سے محبت کرتی ہوں اور کوئی تعلق نہیں ہے۔میں اس تجویز میں تھی کہ موقع پا کر آپ سے اجازت لے کر شادی کرلوں گی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ شاہی مجرم ہے۔لیکن یقین تھا کہ آپ اُس کی خطا معاف کرلیں گے۔افسوس اب کچھ نہیں ہوسکتا اور میں آپ کی گنہگار ہوگئی۔(گھٹنوں کے بل کھڑے ہوکر اور ہاتھ جوڑ کر) ابا جان میں آپ کی تقصیروار ہوں۔قبل اس کے عشق مجھے شاہی سزا دلوائے آپ میرا قصور معاف

کر دیجئے۔ اور زار و قطار رونے لگی۔ ابا جان جلد میری خطا معاف کر کے مجھے رُخصت کیجیے کہ اس سے بھی رخصت ہولوں۔ جس نے مجھے مجرم ٹھہرایا۔ جو خود میری وجہ سے آفت میں پھنسا ہے۔

ٹامس: آنسو بہا کر) بیٹی مجھے تیرے کہنے کا یقین ہے۔ تو پارسا ہے۔ سوفیا میں ہرگز تجھے گنہگار نہ کہوں گا۔ صرف قسمت کی دُشمنی ہے۔ میں بھول گیا تھا کہ پولینڈ کا رہنے والا ہوں۔ جو میرے سب ہم وطنوں کے ساتھ ہوا۔ وہی میرے ساتھ بھی ہونا چاہیے تھا۔ سوفیا اب تو سب حال ظاہر ہو گیا اور تھوری دیر میں فیصلہ بھی ہو جائے گا۔ اتنا بتا کہ وہ شخص کہاں ہے، جس نے تجھ پر ایسا جادو کر دیا۔

سوفیا: ابا جان میں نے اُسے اپنے باغ میں رکھا۔ اس وقت تک وہ وہیں ہے۔ افسوس یہ باغ عنقریب ہماری صحبتوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائے گا۔ آہ، آرزو بھی نہ پوری ہو سکی۔

ٹامس: اچھا سوفیا۔ اب تم جاو میں سوچتا ہوں۔ شاید کوئی نجات کی تدبیر ذہن میں آجائے۔

سوفیا اپنے باپ سے اجازت لے کر باغ میں گئی اور ساری سرگزشت اور مصیبت رو رو کے اپنے عاشق سے بیان کی۔ جو سُنتے ہی ایک سکتے میں آ گیا پھر بولا۔

سلیمان: سوفیا میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ مگر ہائے تم نے نہ مانا۔ یہ دن میرے لیے ایک روز ضرور پیش آنے والا تھا۔ لیکن اب تم اور تمہارا باپ بھی اس بلا میں پھنس گئے۔

سوفیا: آؤ ہم دونوں اچھی طرح رخصت ہو لیں۔ افسوس یہ آخری ملاقات۔

سلیمان: آہ۔ رخصت تو خواہ مخواہ ہونا ہو گا۔ لیکن مناسب ہے کہ اس وقت تم

مجھے اپنے ہاں سے نکال دو۔ یہاں فوج آ کر ڈھونڈے گی اور تمہارے ہاں مجھ کو نہ پائے گی۔ اُدھر میں کسی ذریعے سے حاضر ہو کر کہہ دوں گا کہ میں کسی اور مقام میں تھا۔ گلیشیا میں گیا ہی نہیں پیاری۔ سوفیا۔ اس طرح تم بچ جاؤ گی۔ اور میں تو کسی طرح بچ ہی نہیں سکتا۔ اگر مارا جاؤں تو سوفیا: نہیں۔ نہیں۔ چاہے کسی کا ساتھ جائے۔ مگر تمہیں نہ چھوڑوں گی۔ تم پوشیدہ پوشیدہ اب تک نکل گئے ہوتے۔ مگر میری وجہ سے تم نے آج یہ دن دیکھا۔ ہاں ہوسکتا ہے۔ ہم دونوں یہاں سے چلے جائیں۔ ابا جان کو شاید اس طرح نجات مل جائے۔

سلیمان: جب تم غائب ہوگئی تو سب کو یقین ہو جائے گا کہ بے شک میں تمہارے ہاں روپوش تھا۔ لیکن اب بے کار بیٹھنے کو وقت نہیں ہے۔ انسان سے جہاں تک ہو سکے۔ اپنے ہاتھ پاؤں سے کام لے۔ تمہارے ابا جان کیا کر رہے ہیں؟

سوفیا: ہائے وہ تمہارے سامنے کیوں کر آئیں گے۔ اُن سے تو آیا ہی نہ جائے گا۔ ورنہ اُن کو یہاں لے آتی۔ تم اور وہ دونوں مل کر کوئی تدبیر سوچو تو شاید کوئی بات خیال میں

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ٹامس آ گیا۔

سوفیا: لو وہ خود ہی آ گئے۔ اور کھڑی ہوگئی۔ سلیمان نے ادب سے سلام کیا اور سکوت کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ ٹامس نے سر سے پاؤں تک سلیمان کو غور سے دیکھا ہاتھ پکڑ کر بیٹھایا اور پوچھنے لگا۔ آپ کون سا ایسا جُرم کیا کہ شہنشاہ آسٹریا اس قدر برہم ہیں۔ اور ایسا سخت حکم دیا گیا ہے؟

سلیمان: میں ایک مسلمان ترک ہوں۔ سرویہ میں سیر کرنے کی غرض سے آیا تھا۔ سرویہ کے ایک تاجر سے ملاقات ہوگئی اور وہ مجھے رغبت دلا کر آسٹریا میں لے آیا۔ میں نے کبھی کہا کہ ویانا کی صورت دیکھنا چاہیے۔ کیوں کہ ایک زمانے میں

ہمارے بزرگوں نے اس کا محاصرہ کرلیا تھا اور عموماً ترک لوگ اُسے اپنی ترقی کی حد تصور کرتے

فٹ نوٹ (۱)۔سرویہ یورپ میں ترکوں کا ایک بڑا صوبہ تھا، جو آسٹریا کی سرحد سے ملا ہوا ہے گزشتہ جنگ روم اور روس کے بعد آزاد ہوگیا۔)

ہیں عرصہ تک ویانا میں رہا۔اتفاقاً ایک مرتبہ ایک پادری سے ملاقات ہوئی۔ جس نے کچھ مذہبی بحث چھیڑی۔شاید یہ امر دنیا بھر پر ظاہر ہوگا کہ ہم مسلمان لوگ اپنے دین کے پکے ہوتے ہیں۔مذہب کے سامنے ہمیں دُنیا کی کل سلطنتیں اور کل چیزیں ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔ میں نے پادری کے سوالات کے جواب دیے۔ ردوبدل میں بحث زیادہ بڑھی۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام مجمع میں میں نے پادری کو قائل کر دیا اور آخر مذہبی جوش نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ ویانا کی سڑکوں پر کھڑا ہوکر دین اسلام کی تبلیغ کرنے لگا۔ویانا میں بالکل ایک نئی بات تھی۔ میں جس وقت وعظ کہتا تھا۔ ہزار آدمی مجھے آکر گھیر لیتے تھے اور میں زور زور سے توحید کو ثابت کرتا تھا۔میری یہ کوشش بے کار نہیں ہوئی۔ میں نے پندرہ ہی بیس روز میں تین چار آدمیوں کو مسلمان کرلیا۔پادری میری اس کامیابی کو دیکھ کر نہایت برافروختہ ہوئے اور مباحثہ میں عاجز آگئے۔انہوں نے مجھے زک دینے کا دوسرا پہلو شروع کیا۔وہ یہ کہ تمام روسا اور عمائد کے پاس جا کر شکائت کی کہ میں سلطنت کے خلاف وعظ کہتا ہوں اور لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرتا ہوں بے شک اس کاروائی میں وہ مجھ پر غالب آگئے تمام شہر میرا دشمن ہوگیا۔آخر شہنشاہ تک نوبت پہنچی۔جس کا یہ نتیجہ ہے۔جو آپ ملاحظہ فرماتے ہیں۔

ٹامس: تو کوئی جرم کی بات نہیں۔

سلیمان: یہاں آسٹریا میں صرف یہی ایک جرم ہے کہ میں مسلمان ہوں۔

ٹامس: آپ کا مکان خاص قسطنطنیہ میں ہے۔

سلیمان: جی ہاں میں قسطنطنیہ کا رہنے والا ہوں۔

ٹامس: آپ کے والد کا کیا نام تھا۔

سلیمان: میں سلطان کے چچا کا پوتا ہوں اور شاہی خاندان سے ہوں۔

ٹامس نے یہ سُن کر حیرت سے سلیمان کو دیکھا اور کہنے لگا۔ یہ سُن کر میں بہت خوش ہوا کہ آپ شاہی خاندان سے ہیں اگر چہ یہ خوشی تھوڑی ہی دیر میں تمام ہو جائے گی۔

سلیمان: اب اپنی حفاظت کی کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ یہ باتیں بہت بُرا نتیجہ پیدا کریں گی۔

ٹامس اس وقت تو میرے خیال میں کوئی بات نہیں آتی۔ میرے حواس ٹھکانے نہیں ہیں۔ آپ سوچیے۔

سلیمان: میری رائے میں تو یہ مناسب ہو گا کہ آپ کسی ملکی کام کے بہانے سے شمال کی طرف تشریف لے جائیے۔ اور جلدی سے چتومیر میں پہنچ جائیے اور میں آپ کی صاحبزادی کو لے کر کوہ کارپیتھین کی طرف جاتا ہوں۔ اور اس کی گھاٹیوں اور سلسلہ کے دامن میں چھپا ہوا آؤں گا اور دو چار روز میں آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا اگر سوفیا کے ساتھ جائیں گی تو شاید لوگوں کو کچھ خیال ہو۔

سوفیا: ہاں ابا جان یہی ٹھیک ہے۔ دو چار روز کے لیے میں آپ سے جُدا رہوں گی آپ سمجھیے گا کہ جس طرح میں ہمیشہ کوہ کارپیتھین میں جایا کرتی ہوں اب بھی گئی ہوں۔

ٹامس: بہتر تو تم دونوں آج ہی روانہ ہو جاؤ۔ میں کل صبح کو یہاں سے چلوں گا۔

سلیمان: نہیں آپ بھی آج ہی اس شہر کو چھوڑ دیجئے۔ اب یہاں کسی کا اعتبار نہیں۔

ٹامس میں کل صبح کو چلوں گا۔ اور خدا کی مرضی ہے تو وہ ہماری جان بچا دے گا۔

فٹ نوٹ: ۔(۱)۔ چتومیر۔ روس کا ایک شہر ہے۔ جو گلیشیا سے نکل کر روس کی عملداری میں شمال اور مشرق کی جانب تقریباً چالیس پچاس میل پر واقع ہے۔

یہ کہہ کر ٹامس نے اپنی بیٹی اور سلیمان کو رخصت کیا اور اپنی خاص کوٹھی میں آ کر ایک تنہا کمرے میں بیٹھ کر خیال کے میدان میں ہر طرف دوڑنے لگا۔ ہر قسم کے خیالات آتے تھے۔ اس کے دل پر ایک اثر پیدا کر کے چلے جاتے تھے۔ پہلے دیر تک اپنی موجودہ حالت پر غور کرتا رہا۔ کبھی مایوسی دھمکاتی تھی کہ اب نجات مشکل ہے۔ کبھی اُمید خوش کر دیتی تھی کہ بھاگ کے جان بچ جائے گی۔ آخر ہر طرف سے پھر کر اس کے خیالات سوفیا اور اُس کے عاشق اور دل ربا شہزادہ سلیمان کی طرف گئے۔ دل میں کہنے لگا۔

اگر سوفیا نے اپنے عشق کو مجھ سے مخفی رکھا۔ مگر اصل میں گنہگار نہیں ہے۔ عشق کوئی جرم نہیں ہے۔ اُس نے بڑے استقلال سے اپنی عصمت کو باقی رکھا۔ دو برس تک ایک عاشق کی صحبت میں رہی، جو اُسکے دل پر فتح پا چکا تھا اور آج تک پاک دامن ہے۔ میری پاکباز لڑکی! تیری کوئی خطا نہیں۔ جو کچھ خطا ہے میری تقدیر کی۔ تیرا عاشق بھی کوئی ایسا شخص نہیں کہ اُس سے تعلق ہونا ہمارے لیے باعث ننگ ہو۔ وہ ایک شہنشاہی نسل سے ہے اگرچہ مسلمان ہے۔ مگر بڑا پاکباز اور نیک طینت ہے۔ ہماری طرح وہ بھی سلطنت آسٹریا کے ہاتھ کا ستایا ہوا مظلوم ہے۔

غرض ٹامس نے یہ رات بسر کی اور صبح کو اُٹھ کر روانگی کا سامان کرنے لگا۔

سب سامان درست کر اُس نے گلیشیا کی سرزمین کو حسرت کی نگاہ سے دیکھا۔ کیوں کہ بارہ تیرہ برس سے اس کی ہر چیز اس کے اختیار میں تھی گھوڑے پر سوار ہوا اور شمالی حدود کی طرف روانہ ہوا۔ جدھر سے ایک ہی منزل کے بعد روس کی سرحد شروع ہوگئی ہے۔

ٹامس جانے کو جا رہا تھا، مگر بار بار پھر پھر کر دیکھتا جاتا تھا کہ کوئی اس کی جستجو میں تو نہیں آ رہا ہے۔ ایک میل جانے پایا ہوگا کہ پلٹ کر دیکھا تو ایک گرد نمودار ہوئی۔ یہ گرد اس کی آنکھوں کو موت کا نقاب معلوم ہوئی کیوں کہ اُس کے خیال میں اس گرد کے دامن میں اس کے دُشمن اور ان کے ساتھ ہی اس کی موت بھی چھپی ہوئی تھی۔ مستقل مزاج بوڑھے ٹامس نے گھوڑا بڑھایا۔ مگر وہ گرد بڑھتی آتی تھی اور آخر اس میں سے مسلح سوار نمودار ہوئے۔ جنہوں نے آتے ہی اُس کو گھیر لیا۔ ٹامس نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ شاہی فوج ہے۔ جو اُسے گرفتار کرنے کے لیے آئی ہے۔ ٹامس نے بہت کچھ اپنی بے گناہی ثابت کی، مگر کچھ سماعت نہ ہوئی۔ مجبوراً اس نے تلوار کھینچ کر دُشمنوں پر حملہ کیا۔ دو چار رند راجل ہوئے۔ آخر ٹامس بھی زخمی ہو کر گرا اور گرفتار کر لیا گیا۔ وزیر جنگ کا بیٹا ٹامس کو گرفتار کر کے ویانا لے گیا۔ شہنشاہ آسٹریا نے ٹامس کو اپنے روبرو بلایا اور غُصّے کے لہجے میں کہنے لگا:

ٹامس تم نے ہمارے مجرم کو اپنے گھر میں پناہ دی۔ تم سے ایسی نمک حرامی۔

ٹامس: حضور میں بالکل اس سے واقف نہ تھا۔ میری بیٹی سوفیا نے اس کو اپنے پاس رکھا تھا۔

شہنشاہ: سوفیا کہاں ہے؟ جہاں ہو اسے لا کر مع مجرم حاضر کرو۔ ورنہ تم کو بہت سخت سزا دی جائے گی۔

ٹامس: میں زندگی سیر ہو چکا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ سوفیا اور وہ شخص کہاں

ہیں۔

شہنشاہ: کیا تم کو خبر نہیں تھ کہ وہ شخص تمہارے گھر میں ہے۔

ٹامس: حضور میں بالکل واقف نہیں۔

اس وقت جین سامنے لاکر حاضر کی گئی اور اس سے سوال کیا گیا۔ کیا ان کو اس شخص کا حال نہیں معلوم تھا۔

جین نے سر جھکالیا اور نیچی آواز میں کہنے لگی۔

ہاں ان کو خبر تھی۔ مگر انہوں نے کوشش کی کہ اس کو پوشیدہ رکھیں اور کسی کو خبر نہ ہو۔

ٹامس نے نہایت حیرت کی نگاہ سے جین کو دیکھا اور کہنے لگا۔ جب یہ کہتی ہے تو بے شک میں مجرم ہوں۔ جین۔ میں نے تیرے ساتھ کیا بُرائی کی تھی؟ بس اتنا بتادے۔

جین نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور شہنشاہ نے حکم دیا کہ ٹامس کا سر کاٹ کر تشہیر کیا جائے۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ شاہی مجرم کو چھپا رکھنے کی یہ سزا ہے۔ فوراً اس حکم کی تکمیل کی گئی اور غریب ٹامس نے اس حسرت اور یاس کے عالم میں اور اس استقلال سے اپنی جان دی۔

باقی داستان

وہ دونوں عاشق دلدادہ سوفیا اور سلیمان پہلے ہی روز رات کو کوہ کارپتھین میں پہنچ گئے کارپتھین کی گھاٹیوں نے انہیں اپنے دامنوں میں چھپا لیا۔ دو دن تک پہاڑوں ہی پہاڑوں میں چلے گئے۔ چوتھے روز گھاٹیوں سے نکل کر شمال کی طرف چلے اور سرسبز میدانوں کو دو دن میں طے کر کے گلیشیا کی سرحد سے باہر نکلے اور روس کی عملداری میں داخل ہو گئے۔ دونوں کے گھوڑے تھک گئے تھے ایک روز سرحد کی ایک چھوٹی سی بستی میں قیام کیا اور صبح کو سرحد سے روانی ہو کے شہر جتومیر میں داخل ہوئے۔ یہاں پہنچ کر ان لوگوں کی جان میں جان آئی اور سوفیا نے خندہ پیشانی سے اپنے عاشق کی طرف دیکھ کر کہا۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اب ہم کو اطمینان نصیب ہو گیا۔ مگر ابا جان کی تلاش کرو۔ وہ ہم سے کئی روز پہلے یہاں پہنچ گئے ہوں گے۔ کیونکہ ہم چکر کھا کر آئے اور وہ سیدھے راستے سے آئے ہوں گے۔

سلیمان: میں آج یہاں کے ہوٹلوں میں جا کر دریافت کروں گا۔ مگر پہلے تمہارے ٹھہرنے کا بندوبست کر لوں۔

سلیمان نے ایک مختصر سا مکان کرائے پر لیا۔ اپنی دلربا معشوقہ سوفیا کو اس میں ٹھہرا کر خود ٹاکس کی جستجو میں رانہ ہوا۔ کئی ہوٹلوں میں دریافت کیا۔ مگر کہیں پتہ نہ لگا۔ آخر ناکام واپس آیا اور سوفیا سے کہا۔ تمہارے والد کا کہیں پتہ نہیں لگا۔ یہاں کے سب ہوٹلوں میں دریافت کر آیا۔ کسی میں نہیں ہیں یہ سُن کر سوفیا کے نازک دل میں بُرے بُرے خیالات آنے لگے اور خود بخود اس کا دل گواہی دینے لگا کہ گویا وہ ہمیشہ کے لیے اپنے نزبردار اور مہربان باپ سے جدا ہو گئی۔ سلیمان کے دل میں بھی اس قسم کے خیالات تھے۔ مگر وہ اپنے مردانہ ضبط اور استقلال سے کام

لیتا تھا اور ہر وقت سوفیا کی دلدہی اور تسلی کرتا رہتا تھا۔ سلیمان ہفتہ بھر ہر روز ہوٹلوں میں جایا کرتا مگر ٹامس کا پتہ نہ لگا۔ یہ معلوم کر کے سلیمان واپس آیا اور نہایت حیرت سے ساری داستان اپنی محبونہ سوفیا کو سُنا دی۔ سوفیا کو نہایت صدمہ ہوا۔ کئی روز تک زارو قطار روتی رہی اور سلیمان تسلی دیتا رہا۔ مہینہ دو مہینے میں سوفیا اپنے باپ کا غم بھول گئی۔ سلیمان کے ساتھ اس کی محبت اور بلکہ بدرجہا زیادہ ترقی کر گئی تھی۔ دونوں نے چتومیر کے گرجے میں جا کر اپنا نکاح پڑھا لیا اور سلیمان نے دو ایک مسلمانوں کو فراہم کر کے جو بغرض تجارت وغیرہ وہاں آئے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے طریقے پر بھی تجدید نکاح کر لی اب سلیمان اور سوفیا دونوں نہایت اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ سال بھر تک دونوں ایک دوسرے کی ناز برداری اور دلداری کرتے رہے۔

سلیمان نے چتومیر میں کچھ سلسلہ ءتجارت شروع کر دیا تھا۔ مگر یہ شہر تجارت کے لیے نہیں مفید تھا۔ اس وجہ سے دوسرے برس اُس نے اپنی دردمندانہ دلربا محبوبہ سوفیا کو ہمراہ لیا اور شہر چتومیر کو چھوڑ کر شہر کیو میں سکونت اختیار کی۔ کیو ایک آباد شہر تھا اور دریائے ڈنائیبر کے کنارے واقع تھا۔ سلیمان نے تاجرانہ حیثیت سے تو خاص شہر کیو میں سکونت رکھی۔ مگر اپنی زندگی کو فارغ البالی سے بسر کرنے کے لیے وہاں سے شمال کی طرف چند میل ہٹ کر عین اُس موقع پر جہاں دریا نئے ڈسنا آ کر دریائے ڈنائپر میں مل گیا ہے۔ ایک خوشنما مختصر سی عمارت بنوائی جس کے گرد دریا کی روانی اور زمین کی شادابی سے ہر موسم میں ایک کیفیت رہا کرتی تھی۔ سلیمان چونکہ سوفیا کے مذاق سے واقف تھا۔ لہذا اس نے پیاری بی بی کی قدیم مذاق کے موافق اس سبزہ زار کو اس کی سکونت کے لیے منتخب کیا تھا۔ شہر کیو تجارت کے لیے نہایت مناسب معلوم ہوا۔ کیونکہ دریائی راستہ سے بندرگاہ اوڑیسہ تک آمد و رفت کا سلسلہ

قائم تھا۔ سلیمان کی تجارت کو چند روز میں بہت فروغ ہوا اور کیو میں ایک نہایت ہی متمول اور موثر شخص سمجھا جانے لگا۔ اس کی کشتیاں ہمیشہ اوڑیسہ اور کیو کے درمیان آتی جاتی رہتی تھیں۔ دریائے ڈناپر کو اس سلسلہ نے یہ بھی رونق دے دی تھی اور پری جمال اور ماہ جبین سوفیا ایک چھوتے سے بجرے میں سوار ہو کر دس دس میل تک سیر کرتی چلی جاتی تھی۔

نکاح کے دوسرے سال سوفیا کے ایک لڑکی ہوئی یہ لڑکی شکل وصورت کے لحاظ سے ایسی حسین پیدا ہوئی تھی کہ ماں باپ دونوں کا ہر گھڑی یہی جی چاہتا تھا کہ اس کی صورت دیکھا کریں یا اُٹھا کر دیلجے میں بٹھا لیں۔ باپ نے اپنے قومی شوق سے لڑکی کا نام نو الصباح رکھا۔ مگر ماں پیار سے اُسے انجلینا کہا کرتی تھی۔ سوفیا کو اب دُنیا کا کوئی غم نہ تھا۔ باپ کا غم بھی اُس گل بدن لڑکی نے بُھلا دیا تھا۔ جو اُس کی گود میں لیت کر مسکراتی تھی اور ٹامس کے خیال کو بُھلا دیتی تھی۔ سلیمان ایک روز تنہا بیٹھا خیالی عالم کی سیر کر رہا تھا اور اُس کا دل اُسے کبھی گزری باتیں یاد دلاتا اور کبھی آئندہ کی طرف لے جاتا تھا۔ پہلے دل میں آئی کہ سلطنت روس کی سکونت ترک کر دے اور اپنے قسطنطنیہ میں جا کر

فٹ نوٹ :۔(۱)۔ شہر کیو روس کی جنوبی طرف یورپ میں ہے۔ ایک آباد شہر ہے۔ دریائے ڈناپر اس کے نیچے بہتا ہے اور جا کے بحر اسود میں مل گیا ہے۔

(۲)۔ اُڑیسہ ایک بڑا شہر ہے اور شالی ساحل بحر اسود پر واقع ہے۔ سلطنت روس کا بہت بڑا بندرگاہ ہے اور بہت سے جنگی جہاز ہر وقت اس کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ روس روم کی لڑائیوں میں کئی مرتبہ اس پر بھی گولہ باری ہو چکی ہے۔

اطمینان اور فراغت اور شادیانہ شان وشوکت سے رہے۔ مگر یہ خیال فوراً اُس کے دل سے نکل گیا۔ کیوں کہ موجودہ سلطان ترک کے بادشاہ ہونے سے اور شہزادوں کی دل شکنی ہو گئی تھی اور ممالک ترک میں جا کر کسی کو اپنی صورت دکھانا نہیں

پسند کرتا تھا اور اسی خیال سے کیو میں بھی کسی پر اس نے اپنی خاندانی وقعت نہیں ظاہر کی تھی۔ اس کے بعد اس کے دل میں ایک روز خیال آیا۔ جس نے اُس کی زندگی کے اُصول کو بالکل بدل دیا اور دل میں سوچنے لگا کہ میں ایک ترک ہوں اور میرا کام سپہ گری ہے۔ بازاریوں کی طرح لین دین کرنے میں میری بے عزتی ہے۔ یہ خیال ترقی کرتا گیا اور آخر اس نے دل میں ٹھان لی کی تمام کاروبار تجارت کو موقوف کر کے روسی فوج میں کسی ممتاز عہدے پر مامور ہو اور اپنی سپہ گری کے جوہر دکھائے۔ سوفیا نے اس ارادے سے اسے بہت روکا۔ مگر سلیمان نے چند ہی روز میں معاملات تجارت چھوڑ دیے اور اوڑیشہ کے مَانڈنگ افسر سے مل کر نوکری کی درخواست کی اور ایسا بہادر سپاہی ثابت ہو گیا کہ چند ہی روز میں گورنمنٹ روس کے اعلیٰ افسروں میں شمار کیے جانے لگا۔

ان دنوں ایک ایرانی شہزادہ بھی روسی جنگی خدمات کو سرانجام دے رہا تھا۔ اُس کا نام مرزا عباس تھا اور خود اپنے شوق سے آکر روسی فوج میں ملازم ہوا تھا۔ شاید باطن میں کوئی اور بات ہو۔ مگر بظاہر صرف مذہبی مخالفت کی وجہ سے مرزا عباس اور شہزادہ سلیمان میں رقابت اور عداوت پیدا ہو گئی اس میں کوئی شک نہیں کہ مرزا عباس بھی نہایت درجہ بہادر اور جری شخص تھا۔ ایک موقع پر مرزا عباس سے سلیمان ملا تھا اور ابتدائی ملاقات میں دونوں ایک دوسرے کے دوست ہو گئے تھے۔ باہمی تعلقات اعتدال سے زیادہ بڑھ گئے اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ دونوں نے اپنے راز ایک دوسرے پر ظاہر کر دیے۔ مرزا عباس کی خاندانی وقعت تو سب ہی کو معلوم تھی۔ مگر سلیمان کا حال کوئی نہیں جانتا تاھ۔ اُسنے بے تکلف اپنے کل حالات ابتدا سے انتہا تک ظاہر کر دیے۔ جس کی وجہ سے مرزا عباس کو سلیمان سے اور بھی زیادہ اُنس ہو گیا ایک روز باتوں میں کچھ مذہبی ذکر چھڑا اور بحث نے یہاں تک طول کھینچا

کہ دونوں کے چہرے پر سُرخ ہو گئے۔ خیر اس وقت مرزا عباس برہم ہو کے اُٹھ کر چلا گیا۔ مگر اسی وقت سے دونوں کو ایک دوسرے کے زک دینے کی فکر ہو گئی۔ کاش عداوت کا اسی پر خاتمہ ہو جاتا۔ مگر نیں اتفاقاً کسی دن ماسکو کے بازار میں دونوں کا سامنا ہو گیا اور دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی صورت دیکھ کر کچھ ایسا جوش پیدا ہوا کہ آنکھیں چار ہوتے ہی دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔ سلیمان نے تلوار نکال لی اور مرزا عباس پر وار کیا۔ مرزا عباس اگر چہ کسی قدر زخمی ہو گیا تھا۔ مگر تلوار کھاتے ہی۔ اس نے نتیجہ سر کیا اور سلیمان گولی پڑتے ہی گھوڑے پر سے گر پڑا اور دس ہی بارہ منٹ میں تمام ہو گیا۔ آپ خیال کر سکتے ہیں کہ یہ خبر سُن کر سوفیا کے دل پر کیا گزری ہو گی۔ انجلینا بھی چار ہی برس کی تھی کہ تقدیر نے اسے یتیم کر دیا۔ سوفیا کی ایسی عاشق صفت محبونہ جس کا دُنیا میں کوئی خبر گیراں نہ تھا۔ قضا کے ہاتھوں یوں بیوہ بنائی گئی۔ سوفیا کو اتنا بڑا صدمہ ہوا تھا۔ کہ وہ کس طرح زندہ ہی نہیں رہ سکتی۔ وہ بالکل خاموش ہو گئی اور یہ غضب کی خاموشی تھی کہ پھر نہ بولی چار ہی پانچ روز میں اُس صدمہ نے اس کا بھی کام تمام کر دیا اور چار برس کی بھولی معصوم انجلینا ماں باپ دونوں سے جدا کر دی گئی۔

سلیمان کی تمام دولت پر روسی گورنمنٹ کا قبضہ ہو گیا اور تحقیقات کی جانے لگی کہ اب اس بارے میں کیا کاروائی کی جائے۔ سلیمان کی خدمات نے اس کی گورنمنٹ کا بہت بڑا حق دار ثابت کر دیا تھا۔

مرزا عباس نے صرف اُن حقوق کے تلف کرنے کے لیے یہ بات اعلانیہ گورنمنٹ روس پر ظاہر کر دی کہ سلیمان کوئی معمولی ترک نہ تھا، بلکہ ایک شہزادہ تھا۔ روسی وزیر جنگ نے تمام پہلو پر غور کر کے یہ قرار دیا کہ اگر انجلینا چاہے تو اپنے باپ کے وطن قسطنطنیہ

فٹ نوٹ :۔(۱)۔ ماسکو یورپ میں روس کا عظیم الشان شہر ہے اور عرصہ تک دار السلطنت رہ چکا ہے ۔مگر نپولین نے اس شہر کو تباہ کر دیا تھا۔ اسی وقت سے چھوڑ دیا گیا اور سینٹ پیڈ برگ حکومت گاہ روس قرار پایا۔

میں چلی جائے۔ اُس صورت میں گورنمنٹ روس پر اُس کا کوئی حق نہ ہوگا اور اگر یہاں رہنا چاہے تو اُس کے باپ کی تمام جائیداد فروخت کر کے بنک میں جمع کر دی جائیاور چار ہزار روپیہ ماہوار شاہی خزانے سے اس کے باپ کی خدمات کے صلے میں اُسے ملا کرے اور ملک جارجیا میں کوئی عمدہ مقام تجویز کر دیا جائے گا۔ جہاں اُس کو ہمارے مقرر کیے ہوئے ولی کی زیر تربیت زندگی بسر کرنا ہوگی۔ واقعی یہ تجویز عُمدہ تھی۔ انجلینا نے ترکی میں جانے سے انکار کیا۔ سلیمان کی کچھ جائیداد ضرورت کے مناسب اس کو دے دی گئی۔ باقی فروخت کر ڈالی گئی۔ کل نو لاکھ روپیہ اُس جائیداد سے حاصل ہوا۔ جو روسی بینک میں جمع کر دیا گیا۔ اس روپیہ کا سود تین ہزار چھ سو روپے ماہوار تھا اور چار ہزار روپیہ تنخواہ کل سات ہزار چھ سو روپے ماہوار کی آمدنی سے بے کس انجلینا کی پرورش کی جاتی تھی۔ اگرچہ مرزا عباس اپنی کوششوں میں نہیں کامیاب ہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ سلیمان کی کل جائیداد گورنمنٹ میں ضبط کر لی جائے۔ مگر روسی وزیر جنگ نے سلیمان کی خاندانی وقعت پر خوب غور کر کے یہ کوشش ضرور کی کہ انجلینا کے بلوغ کے بعد بھی ہمیشہ اس کی نگہداشت ہوتی رہی تا کہ ترکی تعلقات انتظامی اصول سلطنت کو نقصان نہ پہنچائیں۔

مریم یہاں تک بیان کر کے خاموش ہوگئی اور کچھ دیر توقف کر کے بولی۔ صاحب اب آپ ہی فرمائیے کہ یہ داستان کس قدر جانگداز اور دل کو صدمہ پہنچانے والی ہے۔ میں نے یہ پوری داستان آپ کے سامنے بیان کر دی ہے ورنہ اس وقت تک یہاں والوں میں کسی کو خبر نہیں۔

ترک: مریم مجھے اب تک اس غم فزا داستان کا نتیجہ نہیں معلوم۔ کیا تمہاری شہزادی وہی انجلینا ہے؟

مریم: ہاں میں یہ کہنا تو بھول ہی گئی۔ بس اُسی زمانہ سے حسب الحکم روسی وزیر جنگ کے ہماری شہزادی انجلینا اس مقام پر سکونت پذیر ہے۔ شہزادی چار ہی برس کے سن میں اپنی ماں کے دامن عافیت اور باپ کے دست شفقت سے محروم کر دی گئی۔ زمانے نے اس کے ساتھ بڑی دُشمنی کی۔ اس بے کسی کے عالم میں اُسے بارہ برس گزر چکے ہیں۔ اب اُس کو سولھواں برس ہے۔ ایک روسی افسر بطور اتالیق کے معین ہے، جو تمام معاملات میں خبر گیری کرتا رہتا ہے۔ وہ آٹھویں دن خود آتا ہے اور ہر طرح شہزادی کی دلدی کر جاتا ہے۔

ترک: تم مریم۔ تم اب اسے انجلینا کے نام سے نہ یاد کیا کرو۔ اس کے باپ نے کیسا پیارا اور اچھا نام رکھا ہے۔ نوالصباح۔ صبح کی ہلکی ہلکی روشنی کیسی پیاری ہوتی ہے۔ تمام دُنیا کو حسن کا جامہ اُڑھا دیتی ہے۔ جس روشنی میں ہر ایک چہرہ بشاش اور تروتازہ معلوم ہوتا ہے۔ میری پیاری کے حسن کی شعاعیں دلوں پر پڑتی ہیں اور ان کو خوش کر دیتی ہیں۔

مریم: صاحب۔ آپ ہماری شہزادی پر اتنا عشق نہ ظاہر کریں۔ وہ آپ کے کام کی نہیں ہے۔ اگر آپ کا ذرا بھی تعلق ظاہر ہو گیا تو شہنشاہ کو بدگمانی ہو گی اور روسی ہمارے دُشمن ہو جائیں گے۔

ترک: آہ۔ مریم تم مجھے وہ بات بتاتی ہو۔ جو میرے اختیار میں نہیں۔ اس کی شکایت اس نازنین سے کرو۔ جس نے ایک نگاہ میں میرے پر قبضہ کر لیا اور روسیوں کو اس بارے میں کیا دخل۔ میری پیاری نور الصباح ترکی نسل سے ہے اور وہ اُس خاندان کی لڑکی ہے۔ جس پر میرے سوا اور کسی کا حق نہیں ہو سکتا۔ میں بھی ترکوں

میں کسی ادنیٰ خاندان سے نہیں ہوں۔

مریم: سب کچھ ہے، مگر آپ اس کو کیا کریں گے کہ شہزادی کا روپیہ روسی بنک میں ہے۔ روسی گورنمنٹ سے اس کی تنخواہ ملتی ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ بھی لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ یہاں آکر مہمان ہوئے ہیں۔ تو ساری تنخواہ ضبط ہو جائے اور ہم سب کو جو سزا ملے وہ اس کے علاوہ ہے۔ میں ہاتھ جوڑ کے کہتی ہوں کہ آپ انجلینا کو بلا میں نہ ڈالیے، جو مصیبتیں اس پر پڑ چکی ہیں وہ کیا کم ہیں۔

ترک: پھر تم نے انجلینا کہا۔ نہیں اب یہ نام چھوڑ دو اور روپیہ وغیرہ کی کچھ فکر نہ کریں۔ میں ابھی گھڑی بھر میں لاکھوں روپیہ فراہم کر کے دے سکتا ہوں۔ ہاں اگر روسیوں کے ستانے کا اندیشہ ہے تو کچھ پرواہ نہیں۔ تم پیاری نورالصباح کو لے کر ابھی میرے ساتھ چلی چلو۔ ظالم روسی تمہاری شہزادی کی قدر نہیں کر سکتے۔ مگر ترک لوگ تمہیں بالکل اپنی شہزادی کی طرح رکھیں گے۔ وہ میری نورالصباح کو آنکھوں پر بٹھا کر قسطنطنیہ لے جائیں گے۔

مریم: بھلا شہزادی صاحبہ اس امر کو کیوں گوارا کرنے لگیں۔ وہ اس پُر فضا مقام کو کبھی نہ چھوڑیں گی۔ آپ کو اگر عاشق ہونا ہے تو کسی اور پر ہو جیے۔ نورالصباح اسی کام کی نہیں ہے۔ میں دیکھتی ہوں اس کی نازک دل کو آپ صدمہ پہنچائیں گے۔

ترک: مریم وہ بات کہو جو کسی کے اختیار کی ہو، عشق بھی کسی انسان کے قابو میں ہوا ہے۔ دل کا سودا ایسا نہیں کہ جب چاہا دیا اور جب چاہا واپس کر لیا۔ دل خود بخود جاتا ہے اور کسی کی زلفوں میں اُلجھ جاتا ہے۔ مریم میں تو خود چاہتا ہوں کہ پیاری نورالصباح کا خیال دل سے نکال ڈالوں۔ مگر زور نہیں چلتا۔

ترکی نوجوان بےتاب ہو کر یہ باتیں کر رہا تھا اور جوش بےقراری کے آثار اُس کی صورت پر ساعت بہ ساعت ترقی کرتے جاتے تھے کہ نورالصباح ایک ایسی

دلرُبا ادا سے آ گئی کہ ہمارا ترک دوست مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اُس کی زلفیں شانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ اور نہایت شوق اور جوش محبت سے گویا اپنی جان بچانے والے ترک کی صورت دیکھ رہی تھی۔ اپنے مہمان کو پریشان دیکھ کر بے اختیار پوچھنے لگی۔ کیوں آپ اس قدر بدحواس کیوں ہو رہے ہیں۔ یا زخم کی تکلیف زیادہ ہو گئی؟ آہ! اس کی سادگی نے یہ بات گویا اُس کے خیال میں نہ آنے دی تھی کہ وہ اپنی حور روش میزبان کا شہید خنجر ناز ہے۔

ترک: ہاں اب تو زخم جگر قرار ہی نہیں لینے دیتا۔ ہائے کیا کروں۔ کچھ علاج آپ ہی بتائیے۔

یہ سن کر شہزادی نوالصباح شرما گئی۔ ندامت اور حیا نے اس کی آنکھیں جھکا دیں۔ مگر فوراً ندامت کو بہ تکلف دفع کر کے وہ مریم کی طرف بڑھی اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گئی اور کہنے لگی۔ میرم بڑا غضب ہوا۔ مجھے اب آثار اچھے نہیں معلوم ہوتے۔

مریم: ہاں تو آپ نے وہاں جا کر کیا کاروائی کی۔

انجلینا: کچھ نہیں۔ میں نے جا کر اُن لوگوں کو سمجھایا۔ مگر وہ بہت بزدل معلوم ہوتے ہیں۔ خیر یہ لوگ تو کسی نہ کسی طرح مان جائیں گے۔ میں راضی ہی کر لوں گی۔ مگر اس کا پوشیدہ رہنا دشوار ہے۔ لڑائی کا زمانہ ہے۔ ایک ذرا کوئی جھوٹ بھی کہہ دے گا۔ تو میں فوراً مجرم قرار دے دی جاؤں گی۔

مریم: تم کہتی ہو کہ میں نے راضی کر لیا۔ مگر مجھے تو تمہارے دربانوں کا اعتبار نہیں یہ جاتے ہی خبر پہنچا دیں گے۔

انجلینا: پھر کیا کروں؟ مریم اب میں کیا کر سکتی ہوں؟ اگر میں اس ترک کو اپنے ہاں نہ لے آتی تو یہ اپنے دل میں مجھے کیسا بدخلق سمجھتا اور تم ہی بتاؤ کہ تم اپنے

دل میں کیا کہتیں۔

مریم: شہزادی حقیقت میں ایسا شخص جو کسی کے لیے اس طرح جان پر کھیل جائے۔ بہت مشکل سے ملتا ہے۔ مگر تم جس خلق سے پیش آئیں۔ چاہے۔ کتنا ہی ضروری ہو، مگر اس زمانے میں اسکا موقع نہ تھا اور میں تو اس کو بھی غنیمت سمجھتی ہوں کہ یہ خلق یہیں پر تمام ہو جائے۔ مجھے آثار اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ دیکھوں آگے چل کے کیا ہوتا ہے۔

انجلینا: کیوں آثار کیا بُرے ہیں؟ مریم خدا کے لیے جلدی بتاؤ۔ میرے دل میں اُلجھن ہوتی ہے۔

مریم: اب کیا کہوں۔ یہ نوجوان اپنے خاندان اور وجاہت کے لحاظ سے کوئی بہت بڑا معزز شخص معلوم ہوتا ہے۔ کوئی معمولی سپاہی نہیں ہے اگر روسیوں کو خبر ہوگئی تو یہ شخص بڑا معزز اور نامور ہوگا۔ اسی قدر زیادہ سنگین جرم تم پر قائم کیا جائے گا۔

انجلینا: (بشاش چہرے سے) کیا تمہیں معلوم ہو گیا کہ یہ کوئی بڑا معزز ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُس کا جادو تم پر اثر کر جائے۔ افسوس بڑی خراب ہوئی دیکھوں خدا کیا کرتا ہے۔

انجلینا: مریم تم اس قدر ڈرے کیوں جاتی ہو؟

مریم: شہزادی۔ تم جو اُس کی باتوں کو شوق سے سنتی ہو تو مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُس کا جادو تم پر اثر کر جائے۔ افسوس بڑی خرابی ہوئی دیکھوں خدا کیا کرتا ہے۔

انجلینا: مریم تم اس قدر ڈرے کیوں جاتی ہو؟

مریم: ڈرنے کی بات ہی ہے۔ وہ تمہاری صورت پر فریفتہ ہے۔ تمہاری ہر ادا پر جان دیتا ہے۔ تم اُسے اپنے دام میں گرفتار کر کے لائی ہو۔ وہ تمہاری زلف کا اسیر

ہے۔تمہاری نگاہ ناز جو پڑتی ہے۔وہ بے چین ہوتا جاتا ہے۔اب وہ اپنے آپ میں نہیں۔ایسا زخمی ہے۔مگر زخم کی تکلیف اسے معلوم ہی نہیں ہوتی۔اُس سے پوچھو تو اُسی زخم کی شکایت کرتا ہے، جو تمہارے تیر نظر نے اس کے دل میں ڈال دیا ہے۔ میں گھنٹہ بھر سے اس سے باتیں کر رہی ہوں۔سوائے تمہارے ذکر کے اُسے کوئی بات بھلی ہی نہیں معلوم ہوتی۔ میں سچ کہتی ہوں کہ اسے اپنا شیدا، اپنا عاشق، اپنا دلداہ بلکہ اپنا گرفتار بنا کر یہاں لائی ہو۔ میں ڈرتی ہوں کہ خدا نہ کرے کہیں اس کے جذبِ محبت کے اثر تم پر نہ ہو۔

مریم جس وقت یہ باتیں کر رہی تھی۔انجلینا شرمائی جاتی تھی۔آنکھیں زمین پر گڑی جاتی تھی اور پیارے سُرخ سُرخ نازک ہونٹوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ نمایاں تھی۔دل کبھی اپنے حسن کی تعریف سن کے خوش ہو جاتا تھا اور کبھی شرم غالب آ کر اس کے دل میں یہ ارادہ کر دیتی تھی کہ مریم کو ان باتوں سے روک دے آخر جب مریم اس جملے پر پہنچی کہ اس کے جذبہ محبت کا اثر تم پر نہ رہا گیا بے اختیار نازک ہاتھ بڑھا کی مریم کا منہ بند کر دیا اور شرم کے لہجے میں کہنے لگی۔مریم ایسی باتیں زیادہ نہ کرو۔شرم کے مارے مجھ سے سُنی نہیں جاتیں۔بس اب چپ رہو۔

مریم: اس قدر کیوں شرمندہ ہو جاتی ہو؟ کے تم بھی کوئی مسلمان ترکن ہو؟

انجلینا: (اسی شرم کی ادا سے) کیا تم نہیں جانتی کہ میں ترکن ہوں؟

یہ جملہ سن کر مریم شہزادی انجلینا کی صورت دیکھنے لگی اور دل میں سمجھ گئی کہ بے شک ترکی نوجوان کی محبت کا جادو اس کے دل پر بھی چل گیا۔مگر ظاہر میں ٹال کر کہنے لگی۔شہزادی صاحب۔آپ سے جہاں تک ہو سکے اس بلا سے اپنے آپ کو بچائیں۔یہ کوئی شرم کی بات نہیں۔شرم کی وجہ سے آپ خاموش رہیں گی اور اس کا حوصلہ بڑھتا جائے گا۔

اس مشورہ پر انجلینا نے ایک آہ سرد کھینچی اور آبدیدہ ہو کر کہنے لگی۔ مریم خدا سے دُعا کرو کہ وہ مجھے اس دام میں نہ پھنسائے۔

مریم یہ سُن کر متفکر ہو گئی اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ اب یہ معاملہ میرے اختیار سے باہر ہو گیا۔ انجلینا بے شک دل میں اس نوجوان کی محبت کو چھپائے ہوئے ہے۔ تھوڑی دیر توقف کر کے بولی۔ اچھا تو اب سوچو کہ اگر وزیر جنگ نے طلب کیا تو کیا کہو گی؟

انجلینا: کیا کہوں گی۔ کچھ نہ کہوں گی۔ آؤ۔ اب چل کر اس شخص کے پاس بیٹھیں، جو ہمارا مہمان ہے۔ وہ اکیلا گھبراتا ہو گا۔ اتنا کہا اور لپک کر ترکی نوجوان کے پاس ہو رہی۔ اس کے برابر ایک کُرسی پر بیٹھ گئی۔ مریم بھی دل میں سوچتی ہوئی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی انجلینا کے قریب آئی اور دوسری کُرسی کھینچ کر اُس کے قریب خاموش جا بیٹھی۔

ترک: شہزادی صاحبہ۔ آپ کی تو وہ مثل ہو گئی کہ طاقت مہمان نداشت خانہ بہ مہماں گزاشت۔

انجلینا: حقیقت میں مجھے آپ سے ندامت ہے۔ مگر کیا بتاؤں کہ کن مجبوریوں میں ہوں۔ میرا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ آپ کے پاس بیٹھی رہوں۔

ترک: (خوش ہو کر) آپ کا جی یہ چاہتا ہے۔ تو میں بڑا خوش نصیب ہوں۔

اس جملہ پر نازک ادا انجلینا شرما گئی۔ اور سر جُھکا لیا اور ندامت کے لہجے میں کہنے لگی۔ آپ کو کیا معلوم کہ میں کس مصیبت میں ہوں۔ آزادی گویا میرے لیے تھی ہی نہیں۔ آپ ایسے محسن کے بلانے میں بھی ہر گھڑی ڈرتی رہتی ہوں کہ کسی کو خبر نہ ہو جائے۔ یہاں ہر طرف روسی ہی روسی ہیں۔ میرے ملازم بھی روسی ہیں۔ آپ کی خدا جانے کیونکر انہیں خبر پہنچ گئی تھی کہ برہم ہو گئے۔ اُنہیں کو سمجھانے دوڑی گئی تھی۔

ظاہر میں تو منت وخوشامد کر کے انہیں راضی کر آئی ہوں۔ اب اُن کے دل کا حال خدا کو معلوم ہے۔ یہ ایک شاداب اور سرسبز مقام ہے۔ اگر دو گھڑی بھی انسان یہاں کی سیر کر لے تو سارے غم غلط ہو جائیں۔ اب چاہتی ہوں کہ آپ کو بھی یہاں کی سیر دکھاؤں۔ مگر مجبور ہوں۔ کسی طرح جُرات نہیں پڑتی۔ کس ترک سے راہ رسم کرنا اس حکومت میں سب ہی کے لیے جُرم ہے۔ مگر میں اس حیثیت پر واقع ہوئی ہوں کہ یہ جرم میرے لیے سب سے بڑھا ہے۔ آپ معاف کریں کہ یہاں آپ کی مہمانداری کا ایک حصہ بھی ادا نہیں ہو سکتا۔

ترک: مجھے اور کسی بات کا شوق نہیں ہے۔ سبزہ زاروں اور باغوں اور نہروں اور پہاڑوں کی سیر سے میرا دل بھرا ہوا ہے۔ میں بس اس قدر چاہتا ہوں کہ جب تک خدا نے مجھے یہ عزت نصیب کی ہے۔ آپ میرے پاس بیٹھی رہیں۔ آپ یقین جانئے کہ آپ کی زیارت کرتے ہی دُنیا کے کل شوق اور کل ارمان میرے دل سے نکل گئے۔

مریم: شہزادی اس جانب سے غافل نہ ہو جایئے۔ اس کا کسی طرح بندوبست کیجیے کہ یہاں کیوں کر مخفی رکھے جائیں۔

ترک: میرے نزدیک تو آپ ایک کام کریں۔ ہماری سرحد یہاں سے قریب ہی ہے۔ آپ وہاں چلی چلیں۔ یہ ممکن ہے کہ روسیوں کو خبر بھی نہ ہو اور آپ اطمینان سے وہاں پہنچ جائیں گی۔ میں اس امر میں بھی آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ ترک لوگ روسیوں سے زیادہ آپ کی قدر ومنزلت کریں گے۔ صرف اس ایک سبزہ زار اور عمدہ مکان کے لیے آپ سے یہ زمین چھوڑی نہیں جاتی ہے۔ مگر شاید یہ تو آپ نے سُنا ہو گا کہ ممالک ترک روس کی زمینوں سے زیادہ شاداب اور تر وتازہ ہیں۔ آپ اگر شام کے عُمدہ سبزہ زار اور ایشیائی ترک کے دیگر مرغزار کو دیکھیں تو کوہ

قاف کے دامنوں کو بھول جائیں۔

انجلینا: کیا میں یکا یک سلطنت روسی کے تمام احسانات کو فراموش کر کے اس بے مروتی سے ترک تعلق کر سکتی ہوں؟ اگر ایسا کروں تو زمانہ مجھے کیا کہے گا۔

ترک: میرے نزدیک تو یہ نسبت روسی حقوق کے آپ پر ترکی ممالک کے زیادہ حقوق ہیں۔

انجلینا یہ سُن کر حیرت سے ترکی نوجوان کی صورت دیکھنے لگی۔ اُسے حیرت تھی کہ اس نوجوان کو میرے حالات کیوں کر معلوم ہو گئے۔ اسے کیا خبر کہ مریم ساری سرگزشت بیان کر چکی ہے۔ مگر دل میں خیال گذرا کہ شاید مریم نے اشارتاً کچھ بتا دیا ہو۔ یہ سوچ کر مریم کی طرف دیکھا اور خاموش ہو رہی۔

اب رات ہو چکی زیادہ آ چکی تھی۔ مریم نے خادمہ عورتوں کو بلا کر ایک کمرے میں اپنی شہزادی کے دلدادہ مہمان کے سونے کا سامان درست کیا۔ کھانے سے فراغت کر کے مریم تو چلی گئی۔ مگر شہزادی دیر تک ترک سے بیٹھی باتیں کرتی رہی اور ادھر اُدھر کی باتوں سے اس کا دل بہلاتی رہی۔ باتوں باتوں میں پوچھنے لگی۔ میں دو ایک باتیں آپ سے پوچھتی ہوں اور اُمید ہے کہ آپ مجھے بتا بھی دیں گے۔

ترک: شہزادی صاحب۔ بھلا میں کوئی بات آپ سے چھپا سکتا ہوں۔ میں تو ضبط بھی کروں، مگر میرا دل کب مانے گا؟

انجلینا: اول تو فرمائیے کہ میرا حال آپ کو کیوں کر معلوم ہو گیا؟

ترک: یہ کس نے کہا کہ آپ کے حالات کی مجھے خبر ہو گئی؟

انجلینا: دیکھیے آپ چھپاتے ہیں۔ اگر آپ کو میرے حالات کی خبر نہ ہوتی آپ کی زبان سے یہ جملہ ہرگز نہ نکلتا کہ بہ نسبت روسی حقوق کے تم پر ترکی ممالک کے زیادہ حقوق ہیں۔ اب زیادہ انکار نہ کیجیے۔ میں آپ سے خود ہی نہ چھپاتی مگر

اب آپ کو معلوم ہو گیا تو بتا دیجیے کہ کیونکر معلوم ہوا۔

ترک: شہزادی صاحبہ شاید آپ اس شخص سے ناراض ہوں جس نے آپ کی داستان مجھ سے بیان کی اور اس صورت میں مجھے ندامت ہو گی۔

انجلینا: نہیں میں ہرگز خفا نہ ہوں گی۔ میں نے تو کہہ دیا کہ میں خود بیان کرتی۔

ترک: جس وقت آپ باہر تشریف لے گئی تھیں۔ مریم کے سامنے مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ میں اس وقت انتہا سے زیادہ پریشان اور بے تاب ہو رہا ہوں۔ آپ کے سوالوں کا جواب دے لوں تو آپ سے بھی پوچھوں کہ آپ نے کیا کر دیا۔ جو میں ایسا حیران اور پریشان ہو گیا۔ میری بے تابی کا حال سُن کر مریم نے کہا شہزادی صاحبہ پر تم ایسی محبت نہ جتاؤ۔ وہ اپنے بس میں نہیں ہیں اور انتہا سے زیادہ قسمت کی ستائی ہوئی ہیں۔ یہ کہہ کر اُس نے آپ کا تمام حال اول سے آخر تک بیان کر دیا۔

انجلینا: مریم نے کیا بیان ہو گا۔ یہ اپنی گزردی داستان تو میں ہی خوب بیان کرتی۔ اچھا اب بتائیے کہ آپ کون شخص ہیں۔ میں آپ کے خاندان کا اور آپ کا حال سُننے کی انتہا سے زیادہ شائق ہوں کئی دفعہ پوچھ چکی ہوں۔ مگر آپ ٹال گئے۔ اب بتا دیجیے۔ جب تک آپ اپنے حالات نہ بیان کریں گے۔ میرے دل میں ایک اُلجھن اور حیرانی رہے گی۔

ترک: میں اپنی سرگزشت کیا بیان کروں۔ کوئی بات بھی ہو تو کہوں۔ آجکل جو سلطان فرمان روائے ترک ہیں۔ اُن کے ایک بھائی تھے۔ جو نوجوانی ہی میں ایک مہم پر گئے اور عیسائیوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ سلطان یعنی چچا نے اپنے بیٹوں کی طرح میری پرورش کی اس لڑائی میں شوق سے میں آیا اور ارادہ کیا کہ سپہ گری میں کچھ نام پیدا کروں۔ اتفاقاً ایک موقع پر میں اور میرے ساتھ چند ترکی سوار

تھے۔جن پر یکا یک دس ہزار روسی آپڑے۔میں نے حتی الامکان مقابلہ کیا آخر زخمی ہوا اور اُن کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا۔روسیوں نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو اُس قلعہ میں قید کیا، جس کی لڑائی آج دن کو تم نے وہاں پہاڑی میں چھُپ کر دیکھی تھی۔ میرے ساتھ ایک تجربہ کار اور ہوشیار بوڑھا ترک تھا۔رات کو اُس نے کسی حکمت سے قلعے کے میگزین میں آگ لگا دی۔روسی لوگ حیران ہو کر باہر نکلے۔ہم سب کو بھی موقع مل گیا۔قلعہ سے نکل کر چلے گئے۔جب ہم دُور نکل گئے تو اُس بوڑھے افسر کی رائے ہوئی کہ ہم سے اسی وقت باطوم میں چلے جائیں۔مگر خدا جانے مجھے جنون ہوگیا تھا۔یا تمہارا جذب تھا۔غرض میں نے اندھیرے میں اپنے ساتھیوں کو چھوڑ دیا۔اور جب قلعہ کی آگے فرو ہوگئی اور قلعہ میں مقیم روسی اسے چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔اسی میں جا کر ایک مقام پر رات گزاری۔صبح کو نکل کر آس پاس کی پہاڑیوں کی سیر کر رہا تھا کہ آپ کی صورت نظر آئی اور آپ نے اپنے دام محبت میں گرفتار کرلیا۔

انجلینا۔خوشی کے لہجے میں! اور آپ کا نام کیا ہے

ترک: حسن پاشا۔

انجلینا: یہ سُن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ میرا محسن مہمان شاہی خاندان سے ہے۔

حسن پاشا: ہاں اب آپ بتائیے کہ آپ نے کیا کر دیا کہ میں اس قدر بے تاب ہوں۔

انجلینا: میں نے دل پر بہت جبر کیا۔مگر افسوس اب کچھ روز نہیں چلتا آپ کے سوال کا کیا جواب دوں؟ ایک آہ سرد کھینچ کر میں نے وہی کر دیا جو آپ نے مجھ پر کر دیا۔عشق کا جادو۔دونوں طرف چل گیا۔افسوس مجھ سے کچھ بن نہیں پڑتا۔کچھ آپ ہی بتائیے کہ ظالم روسیوں کے پنجے سے نجات ملے۔یہ میری آپ کے دونوں کی

جانوں کے دشمن ہو جائیں گے۔

حسن پاشا: میں نے تو کہہ دیا کہ اس سے اچھی کوئی تدبیر نہیں کہ ہم دونوں اس مقام کو چھوڑ کر سلطنت ترک میں چلے چلیں۔ اس بارہ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتا کہ وہاں آپ یہاں سے زیادہ اطمینان سے رہیں گی۔

انجلینا: یہاں روسی سلطنت سے مجھے تنخواہ ملتی ہے۔ میرے والدمرحوم کا بہت سا روپیہ یہاں کے بینک میں جمع ہے۔ جس کا سود ملتا ہے۔ علاوہ بریں یہ مقام مجھے سکونت کے لیے ملا ہے۔ اگر آپ کے کہنے پر چلوں تو مجھے ان سب چیزوں سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

حسن پاشا۔ پیاری نورالصباح

انجلینا: (بات کاٹ کر) این! میرا نام بھی تم جانتے ہو۔

حسن پاشا: ہاں مریم نے مجھے آپ کا نام بھی بتا دیا۔ میرے رائے میں تو آپ ہمارے وہاں چلی چلیے۔ کوئی دقت نہ ہوگی۔''

انجلینا: ''ابھی میں اس امر میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اب آپ آرام فرمائیں میں بھی جاتی ہوں۔ صبح کو سوچوں گی کہ مجھے کیا مناسب ہے۔''

پیاری گلفدار پری جمال انجلینا نے اپنے دل دادہ حسن پاشا کو رخصت کیا اور ناز و ادا سے اٹھ کر اپنے سونے کے کمرے میں چلی گئی۔

گم گشتہ کی تلاش

دس ہزار ترکی سوار ایک کوہستانی وادی کو طے کر رہے ہیں اور آہستہ آہستہ شمال کی جانب بڑھے جاتے ہیں۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز اور ان کے ہنہنانے اور سواروں کے چپکے چپکے آپس میں باتیں کرنے سے اِدھر اُدھر کی پہاڑیاں گونج رہی ہیں۔ آفتاب اُفق مغرب سے کچھ اونچا ہے اور ان لوگوں کی دوسری جانب سے اپنی نرم کرنیں اُن پر اُڑ اُڑ کر چمکتے ہوئے ریت کے ذروں میں ڈال رہا ہے، جو گھوڑوں کی رفتار سے اُڑے ہیں اور اس صاف میدان کے پُر فضا سین کو غبار آلود کر دیا ہے دور دور پر کوہ قاف کے مقاموں کی پری روش لڑکیاں اور اُن کے جفاکش لڑکے اپنے گلوں کو چراتے نظر آ جاتے ہیں۔ مگر ان سواروں کی صورت دیکھتے ہی اپنے مویشیوں کو ہر طرف سے ہنکا کر پہاڑوں کے دامنوں میں چھپا دیتے ہیں اور خود بھی غائب ہو جاتے ہیں۔

یہ فوج نہایت شائستگی اور باضابطگی سے جا رہی ہے۔ کیوں کہ ہر ہر رسالہ الگ ہے اور سلسلہ وار آگے پیچھے ہے اور ہر رسالہ کے سوار چار چار کی قطار باندھے گویا حد نظر کی انتہا تک پھیلے چلے گئے ہیں۔ اُن کے رنگ برنگ گھوڑے ان کی فوجی وردی کے نیلے کرتے اُن کی لال لال ٹوپیاں اور اُن کے اوپر ان کی آبدار سینگنیں جن پر آفتاب کی شعاعیں جگمگا رہی ہیں۔ سب چیزوں نے مل کر ایک ایسا نظر فریب لطف پیدا کر دیا ہے کہ جو صحرائی پہاڑوں میں چھُپ چھُپ جاتے ہیں اُن کا بھی دل چاہتا ہے کہ کھلے میدان میں کھڑے ہو کر اس شاندار جلوس کی سیر دیکھیں، مگر خوف سے خود بھی بھاگتے ہیں اور اپنے گلوں کو بھی بھگا لے جاتے ہیں۔ ہر رسالے کے آگے اس کا جھنڈا اُڑ رہا ہے۔ جس میں ہلالی معرکہ بنا ہے۔ افسروں کے لباس ان

کی وقعت اور اُن کے سینے پر لٹکتے ہوئے تمغوں سے اُن کی تجربہ کاری نمایاں ہے۔ ہر افسر کے کرتے پر آڑے تسمے پڑے ہوئے ہیں۔ جن کے تو سدانوں پر ترکی قدیم بابیت نشانی یعنی چاند تارا بنا ہوا ہے۔ سب کے آگے ایک بڑا نشان ہے۔ جس کو ایک سوار سپہ سالار فوج مصطفےٰ پاشا کے برابر اُٹھائے ہوئے ہیں

مصطفےٰ پاشا جاتے جاتے ایک مقام پر ٹھہر گئے اور اُن کے ٹھہرتے ہی تمام سواروں کی طولانی قطار کی حرکت یک بیک رُک گئی اور سنگینوں پر جو آفتاب کرکرنیں گویا ٹھرنے نہ پاتی تھیں ٹھہر کر اپنی تیز روشنی سے نگاہوں کو خیرہ کرنے لگیں۔ اگلا رسالدار بڑھ کر قریب آیا اور ادب سے سراپا گوش بن کر کھڑا ہو گیا۔

مصطفےٰ پاشا: اب تک کہیں پتہ نہیں لگا۔ ہم کہاں تک روسیوں کی سرحد میں بڑھتے چلے جائیں؟ دیکھو اب تو کوہ قاف کی چوٹیاں بھی نظر آنے لگیں۔

محمود پاشا نے ہمیں دھوکا تو نہیں دیا؟

مصطفےٰ پاشا: بے شک بلاؤ۔ ساعت بساعت میرے دل میں تشویش بڑھتی جاتی ہے۔ حسن پاشا کی جستجو میں کہیں ہم زیادہ نقصان نہ اُٹھائیں۔ دشمن کے ملک میں اس طرح بے غور کیے بڑھتا چلا جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

یہ سُن کر رسالدار نے پیچھے مُڑ کر دیکھا اور اسے دیکھتے ہی رسالہ کا یک ترکی جوان نکلا اور گھوڑا دوڑاتا ہوا پیچھے چلا گیا۔ دس بارہ منٹ کے اندر ہی ایک سن رسیدہ افسر کو ہمراہ لے کر آیا۔ وہ افسر رسالدار کے برابر کھڑا ہو گیا اور سوار اپنے ساتھیوں میں جا ملا۔ سپہ سالار مصطفےٰ پاشا نے اس سن رسیدہ افسر کی طرف دیکھا اور کہا۔ کیوں صاحب؟ حسن پاشا کو تم نے کہاں پر چھوڑا تھا؟

محمود پاشا: حضور میں اُن کے ساتھ تھا۔ میں نے روسیوں کے قلعہ میں آگ لگائی اور اُن کو لے کر نکل آیا۔ راستہ میں یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اب ہم کو سیدھے

باطوم کو چلنا چاہیے۔ ہاں وہ اس کے مخالف البتہ تھے۔ اتنے میں اندھیرا ہو گیا۔ میں اور لوگوں سے باتیں کر رہا تھا۔ بس خدا جانے وہ کہاں غائب ہو گئے اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں

مصطفٰے پاشا: اوہ میں میں نہیں پوچھتا۔ میری یہ غرض ہے کہ وہ کہاں پر تم سے چھوٹ گئے۔

محمود پاشا: وہ مقام تو بہت پیچھے رہ گیا۔ اس جگہ سے پیچھے جہاں پر آپ کو ساحل کو چھوڑ کر ادھر ذرا مشرق کی طرف ہٹے ہیں

مصطفٰے پاشا: افسوس حسن پاشا کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ محمود پاشا کیا تم نہیں جانتے کہ باب عالی میں خبر ہو گئی تو لوگوں پر کیسا عتاب ہو گا؟

محمود پاشا: میں سب جانتا ہوں اور اسی خیال سے میں قلعہ میں آگ لگا کر انہیں نکال لایا تھا۔

مصطفٰے پاشا: تو کیا اب بھی صلاح ہے کہ قسطنطنیہ میں تمہارا نام لکھ دیا جائے۔

محمود پاشا: سب کچھ جانتا ہوں۔ اب جو قسمت میں ہو۔ مگر میں خدا کو شاہد کر کے کہتا ہوں کہ اس میں میری کوئی خطا نہیں۔

مصطفٰے پاشا: اگر جان بری چاہتے ہو تو جس طرح ہو سکے، خود جاؤ اور جا کر ڈھونڈ لاؤ۔ ابھی تک غنیمت ہے۔

محمود پاشا: جو حکم ہو۔ مجھے یہ بھی منظور ہے۔ آپ جو خدمت فرمائیں مجھے اس کے بجالانے میں عذر نہیں ہو سکتا۔

یہ کہہ کر محمود پاشا نے سلام کیا اور اپنے رسالہ میں پہنچ گیا۔

مصطفٰے پاشا: تو اب ہم لوگ کیا کریں؟ کیا واپس چلیں؟

رسالدار: حضور واپس چلنا تو نا مناسب ہے اریوں جو حضور کو مزاج میں

آئے۔

مصطفٰے پاشا: محمود پاشا نے یہ غضب کی بات کی کہ خود تو چلے آئے۔ مگر حسن پاشا کا پتہ نہیں۔ ابھی تک یہ خبر صرف ہم ہی لوگوں تک پھیلی ہے۔ جس روز بابِ عالی میں لوگوں کو خبر ہو جائے گی۔ سخت باز پرس ہو گی۔ اس بارے میں مجھ سے کچھ نہیں بن پڑتا۔

رسالدار: اور حضور حیرت کی بات ہے کہ حسن پاشا روسیوں کی قید سے بجات پا چکے تھے۔ پھر کیا سبب ہوا کہ یک بیک غائب ہو گئے یہ تو جان بوجھ کر اپنے تئیں آپ ہلاکت میں ڈالنا ہوا۔

مصطفٰے پاشا: اور کیا مجھے اُس میں محمود پاشا کی کچھ بناوٹ معلوم ہوتی ہے۔ کچھ سوچ کر۔ اچھا محمود پاشا کو پھر بلاؤ۔ سوار فوراً دوڑا ہو گیا اور محمود پاشا کو لے آیا۔ محمود پاشا کی صورت دیکھ مر مصطفٰے پاشا کہنے لگے۔ محمود پاشا۔ اسامر کے متعلق تم نے جو کچھ بیان کیا۔ اس میں کسی قدر جھوٹ ضرور ہے۔ یہ ہرگز نہیں سمجھ میں آتا کہ ایک شخص جو دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو۔ کسی طرح اسے نجاب ملے اور پھر انہیں لوگوں میں چلا جائے۔ تم ٹھیک بیان کرو۔ ورنہ سارا الزام تم ہی پر آئے گا۔

محمود پاشا۔ اب اس کا حال تو خدا ہی کو خوب معلوم ہے کہ میں سچ بولتا ہوں یا جھوٹ۔ اگر چہ سب لوگ میری تصدیق کرتے ہیں۔ جو میرے ساتھ تھے، مگر میری بدقسمتی سے وہ سب مدعا علیہ بنا دیے گئے اور جو الزام مجھ پر تھا۔ ان پر بھی قائم کر دیا گیا۔ اگر دُنیا میں کوئی میرے موافق گواہی دینے والا ہے۔ تو وہ خود حسن پاشا ہیں۔ میں نے اُن کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ وہ ایسے نہیں کہ میرے احسان کو نہ مانیں مگر افسوس اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔

مصطفٰے پاشا: بے شک تمہارے سر سے الزام اُٹھانے والے وہی ہیں اگر

اپنے تئیں بچانا چاہتے ہوتو جس طرح ہو سکے جاؤ اور جہاں ملیں ان کو تلاش کرلاؤ۔

محمود پاشا: میں کہاں سے ڈھونڈ لاؤں۔(دیر تک غور کرکے، ہاں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اُن کی طرح خود اپنے تئیں بھی غائب کر دوں۔) سوا اُس کے اور کوئی بات میرے امکان میں نہیں ہے۔

مصطفےٰ پاشا: ہاں اگر تم غائب ہو جاؤ گے تب بھی جان بچ جائے گی اور کیا یوں بھی تمہاری جان بچ سکتی ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہمدردی کرتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ اگر تمہیں زندگی عزیز ہے اور اپنی قوم میں نیک نام رہنا چاہتے ہوتو حسن پاشا کو لاؤ اور یا خود بھی جاؤ۔

یہ سُن کر محمود پاشا نے سر جھکا لیا اور چند منٹ کے بعد افسردگی کے ساتھ چلا گیا۔ مصطفےٰ پاشا نے غور کرنا شروع کیا کہ کیا کاروائی کی جائے۔ یہ فوج جو اتنی دُور تک دُشمن کی سرحد میں بڑھ آئی ہے۔ اس کو یہیں ٹھہرنا چاہیے یا واپس جانا چاہیے۔ ماتحت افسروں نے مختلف رائیں دیں۔ لیکن آخر اس پر فیصلہ ہوا کہ واپس جا کر اُس قلعہ میں قیام کیا جائے، جس پر اُس روز ترکوں نے بڑی بہادری سے قبضہ کرلیا تھا۔ کیوں کہ اس کے قریب ہی ترکی جہازوں کا بیڑا ہے اور باطوم سے وہاں بہت جلد مدد بھی پہنچ سکتی ہے۔

یہ فوج اب واپس چلی۔ افسروں نے نہایت خوبصورتی سے اپنے سپاہیوں کا رخ پھیرا اور اُسی ترتیب اور صف آرائی سے اپنے پُر جوش سپاہیوں کو لے کر جنوب کی طرف پلٹے۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ لوگ اُس قلعہ میں تھے۔

آفتاب غروب ہو چکا تھا اور ترکی جھنڈے کی سید پر نصر طائر اپنے نورانی بازو پھیلائے آسمان کی فضا میں اُڑ رہا تھا۔ ماہتاب کی شروع شام کی پھیکی پھیکی روشنی گویا مشرق کی طرف کے پہاڑوں کی چوٹیوں سے اُتری ہوئی آئی ہے۔ قلعوں کے

وہسوں اور فوجی ہلالی جھنڈے کو چمکاتی ہوئی تھوڑا سا مسلح میدان طے کر کے بحر اسود کی شوخ اور چلبلی موجوں پر پہنچی ہے اور گویا سمندر کی جبین پر نور افشاں چن رہی ہے۔ اگر چہ کثیر التعداد فوج نے ضابطہ کی قید سے آزاد ہو کر باہم باتیں کرنا شروع کی ہیں۔ مگر وقت اور صحرائی سماں نے اپنی معمولی اور قدرتی خاموشی کو سب پر غالب کر دیا ہے اور قلعہ کے اندر کا شور و ہنگامہ گویا قلعہ کے وہسوں کے اندر ہی رہ جاتا ہے۔

رات زیادہ آئی۔ اگر چہ خود نما ماہتاب نے بہت خوشنا تاروں کو اپنی روشنی میں چھپالیا۔ مگر جس قدر تاروں کو اپنی بہار دکھانا تھی۔ سب اچھی طرح کھل کر ظاہر ہو گئی اور چاندی جو اس سے پیشت پھیکی پھیکی یا کسی صبح کی اُتری صورت تھی، رفتہ رفتہ نکھرتی گئی اور آخر خوب کھل کر ہر چار ہر طرف پھیل گئی۔ چاندنی کی بہار اس صحرا میں اس وقت دیکھنے کے قابل تھی، مگر افسوس یہ مقام ان دونوں ایک خوف اور دہشت کی جہ ہو رہا ہے۔ اور اس کے سکوت کا سناٹا جو کبھی از خود رفتہ طبیعتوں کی دلچسپی کیا کرتا ہو گا۔ فی الحال وہی سناٹا گویا خوف کی مہیب اور ہولناک آواز ہو گیا ہے ایسی مہیب آواز پر جو دلوں میں سرایت کرتی جاتی ہو کون چیز غالب آسکتی ہے؟ کوئی نہیں۔ مگر ناگہاں ایک آواز آئی، جس نے یکا یک پہلے سناٹے کو تو دفع کر دیا مگر خود بخود زمین و آسمان کو کچھ ایسی حرکت ہوئی کہ گویا تمام مخلوقات کی روئیں کھڑے ہو گئے اور سننے والوں کے دل کانپ اُٹھے یہ ایک توپ کی آواز تھی۔ کدھر سے آئی غنیم کا تو کہیں پتہ نہ تھا۔ اور ترک لوگوں کو خود بخود فیر کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

روسیوں کے جاسوسوں نے انہیں خبر پہنچا دی تھی کی ترکی فوج نے شمال کی طرف سے واپس آکر اس قلعہ میں قیام کیا ہے۔ انہیں ترکی فوج کی حرکت کی خبر ساعت بہ ساعت پہنچتی رہتی تھی۔ پہلے وہ تجویز میں تھے کہ جب ترکی لوگ زیادہ آگے بڑھ کر شب گزارنے کے لیے کہیں قیام کریں۔ تو وہ رات بھر میں بندوبست

کر کے واپسی کا راستہ رو دیں۔ مگر جب انہیں معلوم ہوا کہ ترک لوگ قلعہ میں واپس آ گئے تو مجبوراً اپنے ارادے سے باز آنا پڑا۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ اب وہ نہیں روک سکتے۔ کیوں کہ اول تو باطوم ترکی فوج کا فرودگاہ قریب ہے اور دوسرے یہاں قلعے کے سامنے ترکی جہازوں کا بیڑا ہے۔ لیکن پھر بھی روسیوں کی پُر جوش طبیعتوں سے یہ امر نہ گوارا کیا گیا کہ ترک لوگ ایسی پیش قدمی کریں اور وہ بغیر کسی مقابلے کے ان کو اپنی سرحد سے نکل جانے دیں۔ اگرچہ رات ہو چکی تھی۔ مگر ماہتاب کی رہبری ہی سے انہوں نے مدد لی۔ اور وہ توپ خانے اور اٹھارہ ہزار فوج لے کر قلعہ کے قریب آ گئے۔ ایک تو صحرا کے سین پر رات کا برقع پڑا ہوا تھا۔ دوسرے روسیوں نے پہاڑیوں کے دامن میں چھپ کر گولہ اندازی شروع کی تھی۔

اس توپ کی آواز آتے ہی ترک لوگ فوراً آراستہ ہو گئے اور جواب دینے پر انہوں نے مستعدی ظاہر کی۔ مصطفےٰ پاشا عثمانی فوج کا سپہ سالار قلعہ کے اونچے مینار پر چڑھا۔ چاروں طرف دیکھا، مگر نظر کچھ کام نہیں کرتی تھی۔ متحیر تھا کہ توپ کی آواز کدھر سے آئی۔ مگر گولہ جو ایک کنگرے سے ٹکرا کر پھٹا اس کی رفتار سے معلوم ہوا کہ مشرق و شمال کے کونے سے فیر کیا گیا ہے۔ مگر پاشا کو ہنوز تسکین نہیں ہوئی تھی کہ دوسرا فیر ہوا۔ فوراً عثمانی سپہ سالار نے دوربین لگا کر دیکھنا شروع کیا تو مشرقی پہاڑوں کی ایک گھاٹی پر دھوں چھایا ہوا نظر آیا۔ مصطفےٰ پاشا نے ادھر اشارہ کر کے اپنے ماتحت افسروں کو دکھایا اور کہا دیکھو۔ وہاں سے روسی فیر کر رہے ہیں۔ فیر کرنے کے لیے انہیں اچھی جگہ مل گئی۔ خیر اب ہماری طرف سے بھی انہیں جواب دیا جائے۔ جب تک اس حکم کی تعمیل ہو روسیوں نے تیسرا فیر کیا مگر اس فیر کے ساتھ ترکی توپوں نے بھی گولہ باری شروع کر دی۔ اب دونوں طرف سے برابر فیر ہونے لگے۔ تھوڑی دیر میں قلعہ کا مشرقی میدان دھوئیں کی تاریکی میں غائب ہو گیا اور یہ

عالم ہوگیا کہ نہ روسی قلعہ کو دیکھ سکتے تھے اور نہ ترک یہ جان سکتے تھے کہ روسی فوج اب کہاں پر ہے۔مگر توپوں کی آواز کے ساعت بہ ساعت تیز ہوتے جانے سے یہ معلوم ہوا کہ روسیوں نے قدم بڑھانا شروع کیا اور قلعہ کے نزدیک آتے جاتے ہیں۔

روسیوں کی سبقت دیکھ کر عثمانی سپہ سالار کی فوج نے اپنے جھنڈے کے قریب بلندی پر ایک لالٹین آویزاں کی اور اُس کے برابر ہی ایک ترک کھڑا ہو کر کمک کی جھنڈی دکھانے لگا۔ترکی جہاز والوں نے قلعہ والوں کا مطلب سمجھ کر اپنے جہاز آگے بڑھائے اور ساحل کے قریب آکر دوربین سے فریفتہ اُس مقام کو دریافت کیا۔جہاں پر روسی فوج تھی اور دوسری طرف سے وہ بھی فیر کرنے لگے۔مگر روسیوں کی اولوالعزمی بے شک تعریف کے قابل ہے کہ اگر چہ اُن پر دوطرف سے گولہ اندازی ہو رہی تھی۔مگر ان کا قدم رکتا نہ تھا۔برابر بڑھتے ہی چلے آتے تھے۔ مگر جس وقت تک پہاڑیوں کے دامن بچاتے رہے۔اس وقت تک تو روسی بغیر نقصان کے بڑھتے رہے،لیکن جب بیچ میدان میں آئے تو بڑی مشکل میں مبتلا ہو گئے۔کیوں کہ قلعہ کے قریب ہو جانے کے باعث اب گولوں کے علاوہ برابر ترکی بندوقوں سے باڑھ بھی پڑ رہی تھی۔ترک لوگ چونکہ محفوظ جگہوں میں وہسوں کی آڑ پکڑے ہوئے تھے۔لہذا ان پر روسیوں کی گولیاں بالکل کارگر نہیں ہوتی تھیں۔ لیکن ترکوں کے نشانے اکچر بے خطا اُترتے تھے۔لکڑیوں کے بنے پیپے روسیوں کے پاس تھے۔جن کی آڑ پکڑ پکڑ کر وہ آگے بڑھتے تھے اور اس میدان کو برابر طے کرتے چلے آتے تھے۔جس میں قضا مے فرشتے برابر کاری تیر چلا رہے تھے۔اُس وقت یہ میدان دیکھنے کے قابل تھا۔گولے برابر سروں پر آتے تھے اور پھٹ پھٹ کر اِدھر اُدھر اُڑ جاتے تھے۔گولیاں شہاب ثاقب کی طرح برابر ادھر سے ادھر اور ادھر

سے اِدھر آتی جاتی تھیں۔ جس زمین پر چاندنی کا فرش بچھا ہوا تھا۔ بادہ ءفنا کے بد مست جھونکے جھوم جھوم کر گرتے اور گویا اس کے اُجلے فرش پر خون کی سُرخ سُرخ داغ بیل پڑتی جاتی تھی اور لاشیں بچھتی چلی جاتی تھیں۔

روسی اپنی سیدھ پر یعنی قلعہ کے مشرق پہلو پر حملہ کر کے آئے تھے۔ اِدھر انہوں نے متعاتر کوششیں کیں کہ وہسوں کے نیچے پہنچ جائیں، مگر ہر مرتبہ ناکام ہوئے۔ جب انہوں نے حد سے زیادہ قدم بڑھایا۔ ترکی بندوقوں نے باڑھ پر رکھ لیا اور آناً فاناً سب کو بچھا دیا۔ روسی جنرل فوج کو آخر یقین ہو گیا کہ ادھر سے کامیابی ہونا دشوار ہے، جو لوگ اِدھر حملہ کر رہے تھے اُن کو تو اُس نے رہنے دیا۔ مگر باقی فوج کو لے کر وہ قلعہ کے جنوبی پہلو کی طرف بڑھا۔ کیوں کے مصطفٰے پاشا نے روسیوں کو مشرق کی طرف آتے دیکھ کر اپنی زیادہ فوج اسی جانب رکھی تھی۔ روسی لوگ جب جنوب کی طرف جھکے تو ادھر رُخ کرتے ہی انہوں نے بڑی تیزی سے حملہ کیا۔ دو توپیں اور تھوڑے سے ترک جو احتیاطاً اس طرف رکھے گئے تھے۔ انہوں نے بہت کوشش کی کہ روسیوں کو پیش قدمی سے باز رکھیں، اگرچہ انہوں نے بہت سے روسیوں کو وہسوں کے نیچے پہنچتے پہنچتے خاک میں ملا دیا۔ مگر اُس سیلاب عظیم کے روکنے کے لیے اتنی فوج کافی بھی نہیں ہو سکتی۔ اس کا علاج اُن کے پاس کیا تھا۔

روسی نہایت الوالعزمی اور جراءت سے بلکہ جان پر کھیل کر وہسوں کے نیچے پہنچ گئے اور ایک شخص روسیوں کا جھنڈا جس پر عقاب بنا ہوا تھا۔ ہاتھ میں لیے ہوئے سیڑھی لگا کر اوپر چڑھ آیا۔ مگر کسی ترک نے ایک ہی گولی میں اُسے اُلٹا گرا دیا۔ یہ حالت دیکھ کر ترکوں نے مصطفٰے پاشا کو خبر کی جو فوراً فوج لے کر اُدھر آ گئے۔ اب ترکوں نے اوپر سے برابر بندوقیں مارنا شروع کیں۔ لیکن روسیوں کا یہ عالم تھا کہ سر جھکائے ہوئے اپنے کام میں مشغول تھے۔ گویا جانتے ہی نہ تھے کہ ترک لوگ

ہمارے ساتھ کچھ کر رہے ہیں۔ سیڑھیاں ان کے پاس تھیں اور وہ سیڑھیاں لگا لگ اکر بار بار اوپر چڑھنے کا قصد کرتے تھے اور اوپر کی گولیوں سے گرا دیے جاتے تھے۔ بہت دیر تک یہ سما رہا۔ اور اس لڑائی نے ترکوں اور روسیوں دنوں کو ایک امید و بیم میں ڈال رکھا تھا۔

گولے ترکوں کے سروں سے ملتے ہوے چلے جاتے تھے اور اکثر عین اسی مختصر جگہ میں آخر پھٹتے تھے۔ جو ترکوں اور روسیوں کے درمیان میں واقع تھی۔ ان گولوں کے پھٹتے وقت سب لوگ سہم سہم کر رہ جاتے تھے اور دب دب کے گویا اپنی جان بچانے لگتے تھے۔ الغرض گولوں کے پھٹنے کا وقت ایسا ہوتا تھا کہ ترک اور روسی دونوں لڑتے لڑتے یکا یک بے خود ہو کر ٹھہر جاتے تھے۔ دیر تک یہی تماشا رہا کہ روسی اوپر چڑھنا چاہتے تھے اور ترک کسی طرح زمین سے دو گز بلندی تک چڑھنے کا موقع بھی نہیں دیتے تھے۔ بار بہا ایسا ہوا کہ دو چار روز آور روسی لڑ بھڑ کر ربردستیوں سے اور اعلیٰ درجے کی جُرات و بہادری دکھا کر اوپر چڑھ بھی آئے مگر اس کے ساتھ ہی وہ مار کر گرا دیے گئے۔ وہسوں کے نیچے روسیوں کی اتنی لاشیں جمع ہو گئی تھیں کہ اگر وہ کوشش کرتے تو اُن لاشوں کو فراہم کر کے وہسوں کی بلندی کے نصف حصہ تک کا ایک اُونچا زینہ بنا سکتے تھے۔ مگر اس قیامت خیز گھڑی میں اتنی مہلت کہاں ملتی تھی۔ آخر بہت سے روسی ایک ترکی توپ کے نیچے آئے۔ توپخانے کے لوگوں نے ہزار روکا۔ مگر توپ ہی کی آڑ پکڑ کر دس بارہ اوپر چڑھ آئے۔ جب دس بارہ نے اوپر آ کر تھوڑی دیر تک مقابلہ میں ترکوں کو روکا تو اور روسیوں کو بھی اوپر آنے جانے کا موقع مل گیا اور آخر روسی نہایت کامیابی کے ساتھ قلعہ پر چڑھنے لگے۔ وہ توپ خانہ جہاں روسیوں کو چڑھنے کا موقع ملا تھا۔ اس کے لوگوں نے پوری جُرات سے مقابلہ کیا اور آخر بہتوں کو مار کر خود بھی انہیں توپوں کے آس پاس ہمیشہ کے لیے لیٹ گئے

جو روسیوں کے قبضے میں جانا چاہتی تھیں۔ روسیوں کو قلعہ میں داخل ہوتے دیکھ کر ترک لوگ حیران اور ششدر رہ گئے۔ اب ان کے لیے دو ہی باتیں تھیں یا تلوار سے فیصلہ کر لیے۔ یا قلعہ چھوڑ کر نکل جاتے مصطفٰے پاشا جو بہت بڑا جنگ آزمودہ عثمانی افسر تھا۔ اس نے لڑائی مناسب نہ جانی۔ فوراً ایک ترک کو دوڑا کر اپنا جھنڈا خود گروا دیا اور لالٹین بھی اتروالی۔ تاکہ جہازوالوں کو دھوکا نہ ہو اور اپنی پوری فوج کو لے کر قلعہ سے باہر نکل گیا۔ جس قدر توپیں رہ گئی تھیں وہ تو نہیں واپس مل سکتی تھیں مگر باقی توپیں اور تمام فوج سب کو نکال لے گیا۔ باہر نکل کر مصطفٰے پاشا نے اتنی دیر تک قیام کیا کہ کل روسی فوج قلعہ میں داخل ہو گئی اور روسوں نے اپنا عقابی جھنڈا قلعہ کی بلندی پر خوشی اور کامیابی کے ساتھ اُڑا دیا۔ اس کے بعد مصطفٰے پاشا نے قلعہ سے فاصلہ پر ہٹ کر اپنی فوج کی مورچہ بندی کی۔ مصطفٰے پاشا اس وقت نہایت سرگرمی سے کام کر رہا تھا اور اپنے سپاہیوں کے دلوں میں پورا جوش پیدا کر رہا تھا کہ اے بہادرانِ ترک اور اے حامیانِ دولت عثمانیہ تم بد دل نہ ہو اگر روسیوں نے ہم سے قلعہ چھین لیا تو کچھ پرواہ نہیں۔ تھوڑی دیر میں دیکھنا کیا ہوتا ہے۔ مصطفٰے پاشا ہر گروہ اور ہر سالہ اور ہر توپ خانے کے سامنے جاتا تھا اور یہی دوہراتا تھا۔

ایک افسر: حضور۔ ہم لوگ کیوں کر بد دل نہ ہوں۔ روسیوں نے ہمیں بڑی زک دی۔ اتنی بڑی بدنامی کا خیال کر کے ہمارے حوصلے پست ہوئے جاتے ہیں۔

مصطفٰے پاشا: یہ کوئی بدنامی نہیں ہے اور اس قلعہ پر قبضہ کرنا روسیوں کی بہت بڑی غلطی ہے۔ قدرتی طور سے اس پر اُن کا قبضہ نہیں رہ سکتا۔ اول تو دم بھر ہم ابھی خالی کرالیں گے۔ اور بالفرض اگر ہم کچھ نہ کر سکے تو ہمارے جہازوں کا بیڑا یہاں سامنے پڑا ہے۔ وہ دم بھی میں روسیوں کو مجبور کر دے گا کہ اسے چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ یہ ان کی غلطی ہے، جو اس قلعے پر قبضہ رکھنے کی ایسی کوشش کر رہے ہیں۔

مصطفٰے پاشا نے جب اپنی فوج کو مرتب دیکھ لیا تو حکم دیا کہ قلعہ پر گولہ باری شروع کریں اس حکم کی فوراً تکمیل کی گئی اور صحرا جس میں تھوڑی دیر کے لیے سناٹا تو کیا ہوا تھا۔ مگر توپوں کی آواز نہیں سُنائی جاتی تھی۔ پھر اُسی کے سین میں یہ کرخت آوازیں گونجنے لگیں اور جب تک روسی قلعہ سے جواب دیں دُور کی پہاڑیاں جواب دینے لگیں۔

روسی جو اطمینان کے ساتھ خوشیاں منانے لگے تھے۔ انہیں بھی معلوم ہوا کہ ابھی ہم کو لڑنا باقی ہے۔ ہنوز وہ اپنی توپوں کو قرینے سے لگانے بھی نہ پائے تھے کہ مصطفٰے پاشا کی طرف سے گولوں اور گولیوں کا اور جہازوں کی طرف سے صرف گولیوں کا مینہ برسنے لگا۔ لیکن اگر چہ وہ آمادہ اور مستعد نہ تھے، جواب کو انہوں نے سکوت پر نہیں ڈالا۔ توپوں سے جواب دیتے گئے اور اپنی توپوں کو عُمدہ عُمدہ موقعوں پر لگاتے گئے۔ آخر فوجی قلعہ بندی سے انہیں فراغت ملی اور اطمینان سے انہیں فراغت ملی۔ اطمینان سے جواب دینے لگے۔ توپوں کی آواز ساعت بہ ساعت ترقی کرتی جاتی تھی۔ مصطفٰے پاشا نے ادھر تو جہازوں کو حکم دے دیا تھا کہ بہت مستعدی سے گولہ اندازی کریں اور ادھر ایک سوار باطوم بھیج دیا تھا کہ دس ہزار فوج کمک کے لیے اور آجائے اس کے ساتھ یہ بھی کہلا بھیجا تھا کہ جو فوج باطوم سے آئے وہ قلعہ کے جنوبی جانب سے گولہ باری شروع کرے اور خود وہ مع اپنی فوج کے شمال کی طرف تھے۔ ترکوں کی توپوں نے بہت کامیابی کے ساتھ روسیوں کو تنگ کرنا شروع کیا۔ جہاز سے جو گولے آتے تھے وہ قلعہ کے اندر پہنچ جاتے تھے اور جہاں جہاں روسی فوجیں لڑ رہی تھیں۔ وہاں اُن کو ٹھہرنا دشوار ہو گیا تھا۔ مصطفٰے پاشا نے اپنی فوج میں پھر لالٹین بلند کرائی اور جہاز والوں کو جھنڈی کے اشارہ سے بتایا کہ جس وقت ادھر جھنڈی کا اشارہ ہو وہ نہایت سرگرمی سے گولہ باری کرنے لگیں۔ باہم یہ اقرار کر

کے ترکی فوج نے قلعہ پر حملہ کیا۔ روسی توپوں کے بعد روسی بندوقوں نے بھی وہی کام شروع کیا جو ترکی کی بندوقیں اُن کے ساتھ پہلے کر چکی تھیں۔ اگر چہ اُن کی مزاحمت میں روسی لوگ ساعت بہ ساعت زیادہ سختی سے کام لیتے جاتے تھے۔ مگر یہ لوگ برابر بڑھتے جاتے تھے ان کا جری اور بہادر افسر انہیں ہر گھڑی آگے بڑھنے کی تاکید کرتا تھا اور وہ بڑھ جاتے تھے۔ حقیقت میں بعض تجربہ کاروں کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ترکوں کی فوج سے زیادہ دُنیا میں کوئی فوج افسر کی اطاعت نہیں کر سکتی۔ ترک لوگ موت کا اور خطروں کا خیال بھی دل میں نہیں لاتے تھے اور برابر اپنے افسر کی فرمانبرداری میں مشغول تھے۔ اگر چہ ہزارہا جانوں کا نقصان ہوا مگر وہ لڑ بھڑ کر قلعہ کے وہسوں کے نیچے پہنچ ہی گئے۔

وہ پہلا سین جو روسیوں کے اس مقام پر پہنچنے کے وقت نظر آیا تھا پھر نظر آ گیا۔ بلکہ اس مرتبہ لڑائی کی سختی کس قدر بڑھی ہوئی تھی۔ کیونکہ ترکی جھنڈی کے اشارے کے بموجب جہاز والوں نے بڑی سرگرمی اور مستعدی سے گولہ باری شروع کر دی تھی۔ ان کے چھ چھ اور سات سات گولے برابر روسیوں کے شمالی مورچے پر پڑتے تھے۔ اور روسیوں کا دھیان ترکی حملہ آوروں کی طرف سے بالکل ہٹا دیتے تھے۔ مگر پھر بھی غفلت کو انہوں نے اپنے پاس بھٹکنے نہ دیا کامل دو گھنٹہ تک قلعہ کے وہسوں کے نیچے لڑائی رہی اور اس لڑائی میں روسی بھی اوپر سے جھک جھک کر اس طرح حملہ کرتے تھے کہ بارا ایسا ہوا کہ کسی ترکی جوان نے کسی روسی جوان کو کھینچ کر نیچے گرا لیا اور بار ہا یہ بھی ہوا کہ ترک اوپر چڑھ گئے اور مار کر نا کام گرا دیے گئے۔

ترکوں نے اپنی جھنڈی پھر ہلائی۔ اور جہازوں نے گولہ باری میں اس سے دُگنی تیزی ظاہر کرنا شروع کر دی اور ادھر ترکوں نے از سرِ نو پھر ریلا کر کے یک

بیک چاہا کہ اوپر چڑھ جائیں۔ یہ پُر جوش حملہ برابر ایک ہی قسم کی شدت سے ڈھائی گھنٹہ تک رہا اور آخر ترک لوگوں کو اوپر پہنچ جانے کا موقع مل گیا۔ غالباً اندر تلوار کی خونخوار لڑائی ہوئی۔ مگر اتفاق سے باطوم سے کمک کو ترکی فوج آ گئی اور اُس نے جنوب کی طرف سے آتش بازی شروع کر دی۔ روسیوں کا اضطراب ترکوں کے قلعہ پر چڑھ آنے سے ترقی کر گیا تھا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ جہاز والوں کی گولہ اندازی بدستور جاری ہے اور جنوب کی طرف سے دوسری ترکی فوج آ گئی ہے تو اور گھبرا اُٹھے۔ جس طرح بنا انہوں نے قلعہ چھوڑ دیا اور انہیں پہاڑیوں میں غائب ہو گئے۔ جن میں سے آئے تھے۔ روسی لوگ اس بے سروسامانی سے گئے کہ اپنا تمام سامان اور توپیں سب چھوڑ گئے۔

مصطفےٰ پاشا کو اس فتح اور کامیابی کی بڑی خوشی ہوئی۔ انہوں نے فوراً باب عالی کو تار دیا اور ہلالی یعنی عثمانی جھنڈا پھر اُس برج پر اُڑایا گیا۔ جس پر سے ابھی تھوڑی دیر ہوئی اُتار لیا گیا تھا۔ پہلی اور نئی آئی ہوئی دونوں فوجیں قلعہ میں داخل ہوئیں اور باہم ترکی جوان ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔ جب لڑائی کی جانب سے پورے طور پر اطمینان ہو گیا تو ترکی لوگ باہر نکلے اور رسالے والے اپنے اپنے زخمیوں اور اپنے قومی جان نثار شہیدوں کو ایک خاص قسم کے تختوں پر اُٹھا کر لے چلے۔ تاکہ ان کا علاج ورنہ تجہیز و تکفین کی جائے۔

گھڑی دن رہنے کا وقت ہے۔ نیلگوں آسمان پر ابر کے چھٹے چھٹے ٹکڑے پھیلے ہوئے ہیں۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ پیر فلک نے اپنی پھٹی پرانی گدڑی اوڑھنے کو نکالی ہے۔ مگر اس کہنگی پر بھی آسمان کی قبائے نیلگون کا نکھرا ہوا رنگ جہاں جہاں سے نمودار ہو رہا ہے اس قیامت کا ہے کہ آنکھوں میں کھبا جاتا ہے۔ بزم قدرت کے قدردان متحیر ہیں۔ کہ اسے کس نے بتا دیا، جو کسی فرنگستان کی دوشیزہ کی دھوئی

آنکھوں یا شبنم صبح سے دھوئے ہوئے گل سوسن کا رنگ اُڑا لایا۔ ہوا تیز چل رہی تھی اور اُس کے جھونکے جس طرح دست گستاخ کسی نازک چہرے کے نقاب کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اسی طرح ابر کے ٹکڑوں کو اِدھر اُدھر ہٹا ہٹا لے جاتے ہیں۔ کبھی میدان کی تیز ہوا مشرقی جانب یعنی کوہ قاف کی چوٹیوں سے ابر کو اُڑا اُڑا کر سر پر لاتی ہیں اور بڑھ کر بحر اسود کی شوخ اداموجوں پر جھک پڑتی ہے، جہاں اُس کے رقیب آفتاب کی اڑی کرنیں بے لطفی سے چھیڑ چھاڑ کر رہی ہیں۔ طیور اس تیز ہوا کی مدد سے قضا کے دور کو زیادہ سہولت سے طے کر رہے ہیں۔ پیاری حوروش اور ملائک فریب انجلینا اپنی کوٹھی کے اُس برآمدے کی طرف نکل کر ایک عُمدہ پر تکلف کرسی پر بیٹھی ہے، جو ساحل پر واقع ہے۔ اس کی سہیلیوں اور خادمہ عورتوں میں سے کوئی آس پاس نہیں ہے۔

ہاں اس کا دلدادہ اُس کا عاشق شاہ زادہ حسن وانہی طرف کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور دونوں دل اُن رازوں کو ذوق وشوق سے ظاہر کر رہے ہیں، جو عشق کو فرشتہ چپکے سے کان میں کہہ جاتا ہے۔

حسن: انجلینا۔ نہیں پیاری نورالصباح۔

انجلینا: کیا تمہیں میرا یہ نام اچھا معلوم ہوتا ہے۔

حسن: تمھارے دونوں نام اچھے ہیں۔ مگر میرے دل کو کچھ نورالصباح کہنے ہی میں زیادہ لطف آتا ہے۔

انجلینا: (کس قدر متفکر ہو کر سوچ کر) مجھے بڑی فکر ہے کہ کہیں روسیوں کو ہماری خبر نہ ہو جائے ہائے کیا کروں! کچھ نہیں بنتا۔

حسن: میں نے تو کہا تھا کہ باطوم چلی چلو۔

انجلینا: ابھی یہ بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا (دل کو بہلا کر) اچھا اب اس وقت

سمندر کی بہار دیکھو یہ مقام لُطف سے خالی نہیں ہے۔ بلکہ میرے نزدیک تو عجب بہار کا عالم نظر آ رہا ہے۔ دیکھو آفتاب سامنے ڈوب رہا ہے اور اس کی شعاعوں کا سنہرا زیور پہن کر یہ موجیں کیسی اتر رہی ہیں۔

حسن: جس طرح اس وقت کی دھوپ کا سنہرا لباس تمہیں پہنے دیکھ کر میں اپنے دل میں محظوظ ہو رہا ہوں۔ یہ جملہ سُن کر پیاری انجلینا بھولے پن اور سادگی کے ساتھ گویا غرور کی متین نظر سے سر اُٹھا کر شہزادہ حسن کی صورت دیکھنے لگی۔ اس کے سنہرے بالوں اور گلابی رخساروں پر جو آفتاب کی کرنیں پڑیں تو دل از دست وادہ شہزادہ حسن اور بے تاب ہو گیا اور اس بے اختیاری کے عالم میں اُس کی زبان سے نکلا۔ اپنے مہمان پر ظلم نہ کرو۔ دُنیا میں لوگ مہمانوں کی خاطر اور دلدہی کرتے ہیں۔

انجلینا: کیا مجھ سے کوئی خطا ہوئی؟ اگر کوئی قصور ہوا ہو تو معاف کیجئے۔

حسن: خدا جانے کس کا قصور ہے۔ تم ساعت بہ ساعت میرے دل پر قبضہ کرتی جاتی ہو اور میں لحظہ بہ لحظہ اپنے اختیار سے باہر ہوتا جاتا ہوں اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ قصور کس کا ہے۔ مجھے ظاہر میں تو آپ کا قصور معلوم ہوتا ہے۔ مگر اصل یہ میرا ہی قصور ہے۔ یہ جملہ سُن کر پیاری نازنین انجلینا نے شرما کر سر جھکا لیا۔

حسن: نہیں معلوم جو لوگ دل چھین لیا کرتے ہیں۔ وہ اس کے معاوضہ میں کیا احسان کرتے ہیں۔

انجلینا: (سنجیدگی کے ساتھ مگر دبی زبان سے) میں نے تو خود اپنا دل حوالے کر دیا۔ اپنی تمام خوشیاں تمہارے خیال پر قربان کر دیں۔ اب اس سے زیادہ مجھ سے کیا ممکن ہے۔

حسن: خوشی میرے ساتھ بھی بہت تھی اور تمہارے ساتھ بھی تھی۔ مگر اب ہم

دونوں کے پاس نہیں ہے۔آخر یہ کہاں گئی؟

انجلینا: وہ ہم دونوں کے دل سے چلی گئی اور اب پھر اُس روز آئے گی۔جب اطمینان سے۔شرم سے زبان پکڑ لی۔

حسن: ہاں کیا؟ اطمینان سے کیا ہوگا؟

انجلینا: کچھ نہیں۔میں یہ کہتی ہوں کہ خوشی اگر ہمارے دلوں سے جاتی رہی تو پھر آجائے گی۔

حسن: وہ دن کب نصیب ہوگا۔

انجلینا: افسوس! یہی معلوم ہوتا تو کیا ہوتا۔

حسن: سچ ہے۔اس کا جواب تو صرف میری تقدیر دے سکتی ہے۔یہ اس کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔

انجلینا: حسن پاشا۔تم نے تمہاری اس پاک محبت نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔میں لاکھ غور کرتی ہوں۔مگر اپنی آئندہ قسمت کے متعلق کوئی بات نہیں۔خیال میں آتی۔ہاں آہندہ کی طرف جو میری نظر ڈالتی ہوں۔مہیب صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔

حسن: اسی سے کہتا ہوں کہ ظالم روسیوں کی سرحد میں تمہیں فارغ البالی گھڑی بھی کو بھی نصیب نہیں ہوگی۔

انجلینا: یہ تو تم سچ کہتے ہو۔

مریم دوڑتی ہوئی آئی اور کہنے لگی۔حضور بڑا غضب ہوا۔دونوں محبت بھرے دل دھڑکنے لگے۔اور سامنے کا منظر خصوص اُفق مغرب میں ڈوبتا ہوا آفتاب دونوں کو گویا اپنی قسمت کی تصویر نظر آنے لگی۔انجلینا نے حسرت سے شہزادہ حسن کی مایوسانہ صورت دیکھی اور شہزادہ حسن نے اپنے خیال میں آخری نظر سے اپنی پیاری

دلربانو الصباح کا گھبرایا ہوا اور خوف زدہ چہرہ دیکھا۔

انجلینا: جلدی بتاؤ کیا ہوا؟ دیکھو خبردار دیر میں نہ بیان کرنا۔

مریم: کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ میں یہ کہنے آئی تھی کہ اب لڑائی کے فتنہ وفساد آپ کی کوٹھی کے آس پاس بھی ظاہر ہونے لگے اور یہ بُری بات ہے ایسا نہ ہو کہ وزیر جنگ آپ کو یہاں سے اُٹھ جانے کا حکم دیں۔ ایک ترک آپ کی سرحد میں سیر کر رہا تھا۔ یہاں کے محافظ روسیوں نے دیکھ کر گرفتاری کا ارادہ کیا۔ اس نے روسیوں کو زخمی کیا اور بھاگ کر چلا گیا۔ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سامنے کی پہاڑیوں میں چھپا ہوا ہوگا، مگر کسی کو وہاں جانے کی جرات نہیں ہوتی۔ سب گھبرائے ہوئے ہیں۔ کہ کیا کریں اور بعضوں کی تجویز ہے کہ جا کر اپنے افسر کو خبر کریں، تا کہ پچاس ساٹھ آدمی آ کر گرفتار کر لیں۔ شہزادہ صاحبہ یہ بڑے غضب کی بات ہے۔ کہیں خدانخواشتہ آپ کے ہاں جستجو کی جائے تو آپ سے کچھ نہ بنے گا۔

حسن: یہ معلوم ہے کہ اُس ترک کی صورت کیسی تھی؟ شاید میں جانتا ہوں۔

مریم: (ہنس کر) کچھ نے دیکھا تو نہیں۔ مگر سنتی ہوں ایک بوڑھا سا آدمی ہے۔ خدا جانے یہاں کیوں چلا آیا۔

حسن: (شہزادی کی طرف خطاب کر کے) پیاری نورا لصباح۔ اگر مجھے اجازت دو تو میں جا کر دریافت کروں کہ کون شخص ہے۔ وہ چاہے روسیوں کو نہ ملے گا مجھ کو مل جائے گا۔ میں ڈھونڈ لوں گا اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہاں کیوں آیا تھا۔

انجلینا: نہیں تم نہ جاؤ۔ وہاں تھوڑی دیر میں روسی فوج پہنچ جائے گی اور اُس کے ساتھ تم بھی گرفتار کر لیے جاؤ گے۔

حسن: روسیوں کی مجال نہیں کہ مجھے زندہ گرفتار کر لیں یہ اور بات ہے کہ زخمی

ہو کر لڑائی میں گرفتار ہو گیا اور یہاں پہاڑی ہیں تو وہ مجھ کو پا ہی نہ سکیں گے۔

انجلینا: چاہے کچھ نہ ہو۔ مگر میں تمہیں نہ جانے دوں گی۔ تم یہاں چھپے بیٹھے رہو۔

حسن: نہیں نورالصباح جانے دو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ اب یہ تو حمیت سے بعید ہے کہ اپنے ہم قوم ایک ترک کا حال سنوں اور یہاں بیٹھا رہوں۔

انجلینا: دیکھو تم موت کے منہ میں جاتے ہو اور یہ جان کر اپنے ساتھ مجھے بھی ہلاکت میں ڈالتے ہو۔

حسن: کسی کو یہ تھوڑا ہی معلوم ہو گا کہ میں تمہارے ہاں سے نکل گیا ہوں۔ اب آفتاب غروب ہو گیا ہے۔ اندھیرے میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی اور میں پہاڑیوں میں غائب ہو جاؤں گا۔ تم گھبرانا نہیں۔ میں گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں آ جاؤں گا۔ لیکن اگر تمہارے ہاں کوئی روسی ٹوپی ہو تو لا دو۔ میں ٹوپی بدل ڈالوں۔ اس ٹوپی سے پہچان لیا جاؤں گا۔

مریم لپکی ہوئی گئی اور ایک فوجی روسی ٹوپی لے آئی۔ حسن پاشا نے اس ٹوپی کو سر پر رکھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر آہستہ آہستہ ان پہاڑیوں کی طرف روانہ ہوا۔ شہزادی انجلینا کی سرحد سے باہر نکلتے ہی اس گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دم بھر میں پہاڑیوں میں تھا۔ شہزادہ دیر تک پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں چکر لگاتا رہا مگر کسی کا سراغ نہ لگا۔ اب ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ اکتا چلا تھا اور دل میں قصد کر لیا تھا کہ تھوڑی دیر جستجو کر کے اپنے دل کی مالک پیاری نورالصباح کے ہاں واپس جائے۔

کسی طرف سے آواز آئی۔ ایک روسی اکیلا۔ اکیلا ہی تو ہے۔ چلو مار ڈالو۔

قمری مہینے کے درمیانی رات تھی اور چاندنی تمام پہاڑیوں اور وادیوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ پہاڑی درندوں کی آوازیں آ رہی تھیں اور ماہتاب کی شعاعوں کے

ساتھ گویا سناٹا بھی ان کوہستانی ساحلوں پر چھایا ہوا تھا۔نظر کو پہاڑوں سے جہاں تک جانے کی اجازت ملتی تھی۔ بے روک ٹوک چلی جاتی تھی۔گوشہ نشین اور تارک دنیا اُلوتو اپنے آشیانوں میں بیٹھے بول رہے تھے۔اور گویا انہیں کے دم سے ان پہاڑوں کے دلفریب سین کی رونق تھی۔کچھ کچھ برف بھ پڑنے لگی تھی،جس نے زمین کی خاکسار مخلوق یعنی کیڑے مکوڑوں کو بھی خاموش کر دیا تھا۔

شہزادہ حسن نے چارون طرف نگاہ دوڑائی کہ یہ آواز کدھر سے آئی اور اُس کے ساتھ خیال آیا کہ یہ آواز گویا کبھی کی سُنی ہوئی ہے۔قوت حافظہ پر بہت زور ڈالا، مگر کچھ نہ یاد آیا کہ کس کی آواز ہے اور اگر چہ چاندنی دُور تک سیر کرا رہی تھی۔کس طرف کسی کی صورت بھی نظر آئی۔آخر اُس شخص کے اطمینان دلانے کے لیے جو جملہ کرنا چاہتا تھا اُس نے چلا کر ترکی زبان میں کہا۔میں روسی نہیں ہوں۔میں تو ترک ہوں۔میرا نام حسن پاشا،اگر میرا دوست ہو تو مجھ سے ضرور ملے۔یہ کہہ کر شہزادہ حسن نے پھر سب طرف دیکھا کہ شاید کوئی شخص آتا ہو۔مگر کوئی نہ آیا۔وہ دیر تک اسی انتظار میں کھڑا رہا۔آخر مجبور ہو کر گھوڑے سے اُتر پڑا۔اور ادھر ادھر جا کر ڈھونڈنے لگا۔جب اس میں بھی ناکامی ہوئی تو ایک چٹان کے برابر کھڑا ہو کہ کسی قدر بلند آواز سے کہنے لگا۔خدا جانے کون شخص ہے۔مگر جو کوئی ہو عجب طرح کا آدمی ہے۔اگر ترک ہے تو اُسے مجھ سے ملنے کو آنا چاہیے تھا اور اگر روسی ہے تو میرے مقابلہ کو آتا۔ میں اپنے دشمن سے لڑنے کو بھی موجود ہوں۔یہ کہہ کر مایوسانہ سُست چال سے گھوڑے کی طرف واپس جانے لگا۔

ناگہاں پشت کی طرف سے کوئی شخص آخر لپٹ گیا اور اس وضع سے لپٹا کہ شہزادہ حسن کے ہاتھ بھی اُس نے دبا لیے۔اس کے سخت سخت ہڈیاں اور اس کے تانت کے ایسے پتلے پتلے اور سوکھے سوکھے ہاتھ معلوم ہوتا تھا کہ حسن پاشا کے جسم

میں پیوست ہوتے جاتے ہیں۔شہزادہ حسن نہایت حیران تھا کہ کیا کرے۔پہلے اس نے ارادہ کیا کہ جھٹکا دے کر اپنے ہاتھ چھڑا لے اور تلوار کھینچے کہ اس آفت سے اپنے تئیں بچائے۔مگر کچھ زور نہ چلا۔اپنی بے دست و پائی پر حسن پاشا کو نہایت ہی افسوس ہوا اور دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔کبھی تو روسی دُشمن کا گمان ہوتا تھا اور کبھی دل قدیمی یقین کو جو دیو دپری و بھوت پریت کے انکار پر تھا باطل کرنے لگتا تھا اور خیال آتا تھا کہ انسان کے ہاتھ میں اتنی سختی نہیں ہوسکتی بے شک بھوت ہے۔ان خیالات نے رہی سہی قوت اور بھی زائل کر دی اتنے میں اس شخص نے جو پشت کی طرف سے شہزادہ حسن کو پکڑے ہوئے تھا کہا حسن پاشا کہاں تھے۔

حسن پاشا: (حیرت کے لہجے میں) تم کون ہو اور میرے ہاتھ پاؤں جکڑ دینے سے کیا فائدہ۔

شخص: یہ اس کی سزا ہے کہ تم خود بخود ترکوں میں سے غائب ہو گئے اور سپہ سالار فوج مصطفےٰ پاشا کو تشویش میں ڈال دیا۔

حسن پاشا: (آواز پہچان کر) کون ہے محمود پاشا اور اتنا معلوم ہوتے ہی قوت بڑھ گئی اور جھٹک کر اس شخص کو الگ کر دیا۔

دیکھا تو وہی سن رسیدہ افسر تھا۔جس نے قلعہ میں آگ لگا کر شہزادہ حسن کو بچا لیا تھا۔حسن پاشا نہایت تپاک سے بغلگیر ہوا اور کہنے لگا۔یہ اس وقت اور اس مقام میں تم کہاں؟ میں تو مہیں ترکی فوج میں جانتا تھا۔مگر تم بڑے سیاح اور سیلانی نکلے۔

محمود پاشا: مجھ سے زیادہ حیرت کی بات تمہارا یہاں ہونا ہے۔آخر یہ کیا وحشت ہے کہ رات کے وقت تن تنہا اس جنگل اور پہاڑ میں ہوا کھاتے پھرتے ہو۔یہ تو جنون کی باتیں ہیں اور اُس روز چلتے چلتے راستے میں غائب ہو جانا اس سے بھی زیادہ جنون تھا۔

شہزادہ حسن: نہیں میں تو یہاں ایک پری جمال خاتون کا مہمان ہوں۔ بحرا سود کے کنارے اس کا مکان اور باغ عجب پُرفضا مقام میں بنا ہوا ہے۔ شاید تم اسی کوٹھی کے قرب آج گئے تھے اور تمہاری خبر سُن کر تو میں یہاں آیا۔ دیر سے میں تم کو تلاش کر رہا تھا۔ خدا خدا کر کے آپ ملے بھی تو کس خوبصورتی سے۔ ماشاءاللہ۔

محمود پاشا: حسن پاشا۔ اصل تو یہ ہے تم نے مجھ یکہیں کا نہ رکھا۔ ساری نیک نامی اور ناموری خاک میں مل جانا درکنار زندگی سے بھی ہاتھ دھو چکا تھا۔

حسن پاشا: بس یہ کیا کہ چھ سات روز انہیں پہاڑوں اور صحراؤں کی ہوا کھاتا پھرتا ہوا۔ آج آبادی دیکھ کر ادھر نکل گیا تھا تو چند روسیوں نے آ کر گھیر لیا تھا۔ خدا کو میری زندگی منظور تھی۔ مجھ میں اتنی قوت پیدا کر دی کہ زخمی کر کے بھاگ آیا۔

حسن پاشا: یہی سُن کر تو میں یہاں آیا۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میری وجہ سے تم کو یہ دشت نوردی کیوں کرنا پڑی۔

محمود پاشا: مصطفٰے پاشا کو جب آپ کے نہ آنے کی اور میرے آ جانے کی خبر پہنچی تو مجھ سے بلا کر پوچھا کہ حسن پاشا کہاں ہیں؟ میں نے جو کچھ حال تھا صاف صاف بیان کر دیا۔ دو چار روز تک تو وہ تردد میں رہے اور آخر مجھ سے کہا کہ سارا الزام تم پر آئے گا۔ باب عالی سے باز پرس ہوئی تو تم کو کہیں کہ نہ رہو گے، جاؤ ڈھونڈ لاؤ اور نہ ملیں تو تم بھی اپنا منہ نہ دکھاؤ۔

حسن پاشا: لاحول و لاقوۃ۔ یہ بھی کوئی بات ہے میں تو کچھ گرفتار تو تھا ہی نہیں۔ دو چار روز میں آ جاتا۔

محمود پاشا: ہاں مجھے علم غیب ہوتا تو یہی قیاس کر لیتا۔

حسن پاشا: خیر۔ اب تو جو ہوا سو ہوا۔ تم جاؤ مصطفٰے پاشا کو اطلاع دو کہ میں ایک ضرورت سے یہاں ٹھہرا ہوں۔ چار پانچ روز میں آ جاؤں گا۔ وہ گھبرائیں نہیں

اور سب کو اطلاع دیں کہ میں خیریت سے ہوں، مگر یہ نہیں بتا سکتا کہ کہاں ہوں۔

محمود پاشا: بچا ہے! مجھے اپنی جان دینا ہو تو جاؤں۔ اب تمہارے بغیر میں نہ جاؤں گا۔ کیا تم سمجھے ہو کہ تمہیں چھوڑ ہی دوں گا؟ غیر ممکن ہے۔ بڑی مصیبتیں اُٹھا کر میں نے تمہیں پایا ہے۔ نہیں میں ہرگز نہ جاؤں گا اور جاؤں گا تو تمہیں لے کے۔

حسن پاشا: بالفعل یہی مناسب ہے۔ تم جاؤ تو۔

محمود پاشا: نہیں یہ تو نہ ہوگا۔ اچھا ایک کام کرو۔ جہاں تم چلو مجھے بھی لیتے چلو۔

حسن پاشا: وہ نہایت خوف کی جگہ ہے۔ ہر وقت گویا تلوار کے نیچے سر رہتا ہے۔ تمہارا جانا ہرگز مناسب نہیں۔

محمود پاشا: سب پر طرہ ہوا۔ اب مجھے تم سے زیادہ جان عزیز نہ ہوگی۔ اور اس سے غرض کیا چاہے، جو کچھ میں تمہارا ساتھ ہرگز نہ چھوڑوں گا۔

حسن پاشا: نہیں تمہارا جانا مصلحت کے خلاف ہے ایک ایسا نازک معاملہ ہے کہ ابھی میں اُس کو زبان سے بھی نہیں نکال سکتا۔ تم مجھ پر ترس کھا کر مجھے تنہا چھوڑ دو اور عنقریب آ کر تم سے مل جاؤں گا۔

محمود پاشا: خیر اب یہ تم سے کہنا تو فضول ہے کہ تم مجھے جانے کو نہیں کہتے ہو۔ بلکہ میری جان کے ساتھ دشمنی کرتے ہو۔ یا مجھے تم سے ایسی امید نہ تھی۔ مگر یہ خوب سمجھ لو کہ مجھ سے جان بوجھ کر اپنی جان نہ دی جائے گی۔ میں اب جہاں تک میرا بس چلے گا۔ تمہیں نہ چھوڑوں گا۔ جب محمود پاشا نے اس قسم کے حسرت بھرے جملے کہے۔ تو شہزادہ حسن کے دل میں ایک فکر پیدا ہوئی۔ وہ دیر تک سر جھکا کر سوچتا رہا۔ دل میں کہنے لگا۔ یہاں آ کر تو میں عجب مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ اس شخص کے ہاتھ سے پیچھا چھوڑنا دشوار معلوم ہوتا ہے اور نہ یہ گوارا ہو سکتا ہے کہ میں عمداً اُس کی دشمنی

پر آمادہ ہو جاؤں، بلکہ اُس نے تو ایسا احسان کیا ہے کہ مجھے اس کی دل شکنی بھی نہ کرنا چاہیے، مگر اب کیا کروں۔ کچھ خیال میں نہیں آتا۔ اچھا اب جو کچھ ہوا سے بھی اپنی دلربا میزبان کے ہاں لیے چلتا ہوں۔ اگر چہ وہاں صرف میرا رہنا ہی موجب خوف ہے اور اس نے تو چند روسیوں کو زخمی کیا ہے۔ لیکن یہ مانتا ہی نہیں کیا کیا جائے اور یہ ہوشیار اور تجربہ کار آدمی ہے۔ کچھ نہ کچھ کام ہی آئے گا۔ ہاں یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید پیاری نورالاصباح کو نا گوار گزرے۔ مگر میری خاطر سے وہ منظور کرے گی۔ دل یہ ارادہ کر کے وہ اپنے محسن ترکی افسر محمود پاشا کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔

محمود پاشا: (زور سے ہنس کر) تو اب معلوم ہوا کہ یہ عشق کا جنون تھا جو اس موقع پر تم کو میرے ساتھ بھگا لایا۔

حسن پاشا: ہاں کا عجب کہ یہی ہو۔ مگر اس وقت تک میرے دل میں اُس قسم کا کوئی خیال نہیں پیدا ہوا تھا۔ لیکن اب تو بے شک میں پورا مجنوں ہوں۔

شہزادہ حسن نے یہ کہہ کر آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تا کہ معلوم ہو کہ رات کتنی آئی ہے۔ ماہتاب بلندی پر آ چکا تھا اور ابر کے سفید ٹکڑے بار بار اُس کے گورے چہرے پر نقاب ڈال دیتے تھے۔ اور ہوا ہر دفعہ ہٹا دیتی تھی۔ نکھری چاندنی جو یہاں کی ہلکی برف کی وجہ سے ماند پڑ گئی تھی۔ تمام کوہسار پر پھیلی ہوئی تھی۔ یہ عالم دیکھ کر کہنے لگا۔ اب چلو اور ہاں تم کو یہاں نہ ٹھہرنا چاہیے۔ روسی تمہاری جستجو میں ہیں۔ آج دن کو جو تم نے کئی روسیوں کو زک دی تو انہوں نے غالباً اپنے افسر کو خبر کی ہوگی اور کیا عجب ہے کہ ان کی فوج ان پہاڑوں میں تمہیں ڈھونڈھ رہی ہو۔ میرے سامنے ہی مشورہ ہو رہا تھا۔

محمود پاشا: کیا تم بھی اس مشورے میں شریک تھے۔

حسن پاشا: (ہنس کر) میں کیوں شریک ہونے لگا تھا۔

محمود پاشا: پھر تمہیں کیوں کر معلوم ہوا؟

حسن پاشا: میری جان کی مالک پیاری نورالصباح کے ذریعے سے مجھے خبر ہو گئی۔ اس کی خادم روسیوں نے اُس کی سہیلی مریم سے بیان کیا تھا، جو اندر دوڑی آئی اور مجھ سے کہہ دیا۔ مجھے تمہارا خیال نہ تھا، مگر ہاں دل میں قومی ہمدردی کا جوش ہوا اور اسی غرض سے میں اس وقت یہاں آیا تھا کہ ترک ہو تو اس کو ہوشیار کر دوں۔ اب زیادہ باتوں کا وقت نہیں ہے چلو۔

محمود پاشا لپک کر ایک طرف سے اپنا گھوڑا لے آیا اور دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر مشرق کی طرف چلے۔ تھوڑی ہی دیر میں پہاڑوں اور کوہساروں نے اپنی نشیب و فراز سے ان کو باہر نکلنے کا موقع دیا۔ اب یہ دونوں بہادر ترک صحرا میں چلے جاتے تھے۔ ہوا کی وہ آواز جو پہاڑوں سے ٹکرائے اور کوہساروں میں گونجنے سے ایک ہیبت پیدا کرتی تھی۔ وہ تو موقوف ہوئی۔ اب بحر اسود کی لہروں کے طلاطم اور سنگستانی چٹانوں کو تھپیڑے دینے کی دہشت ناک آواز کانوں میں بھر جاتی تھی۔ چاندنی کا فرش حد نظر تک بچھا ہوا تھا اور سوا سامنے کے جدھر شہزادی انجلینا کا شبستان عشرت تھا اور کسی طرف روشنی یا چراغ کی جگہ غول بیابان کا بھی دھوکہ نہ تھا۔ چراغ کی روشنی ان کی رہبری کر رہی ہے اور انجلینا کی کوٹھی کی طرف چلے جاتے تھے۔

یہ دونوں ترک سپاہی رات کے سیاہ دامن میں چھپتے ہی چھپتے دلفریب اور ہوش ربا ملکہ انجلینا کے باغ اور پھر اُس کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ انجلینا اپنے عاشق اپنے نظر ناز کے شہید شہزادہ حسن کے انتظار میں باہر ہی کھڑی تھی اور خدا جانے کب سے خیالی پروں سے اُڑ اُڑ کر اپنے دلدادہ کو ڈھونڈ رہی تھی، جس وقت یہ دونوں اُس کی کوٹھی میں پہنچے اس وقت محمود پاشا کس قدر ٹھہر گیا تھا اور شہزادہ حسن آگے بڑھ گیا تھا۔ شہزادے کے پاتے ہی اس کے خیالات، جو دُور دُور کی گھاٹیوں میں اپنے

عاشق زار کو ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ یکا یک ٹھہر گئے اور سب طرف سے سمٹ کر اس آہٹ کی طرف متوجہ ہوئے اور پہچانتے ہی زور سے چلا اُٹھی۔ ہیلو شہزادہ حسن۔ خوب آ گئے اب تو میں گھبرانے لگی تھی۔

حسن: گھبرانے کی کونسی بات تھی؟ ہاں اپنے دوست کی تلاش کرنے میں مجھے کسی قدر عرصہ بے شک ہوا۔

انجلینا: وہ مل گیا جسے ڈھونڈنے گئے تھے۔

حسن: نہ ملنے کی کیا وجہ تھی؟ پہلے تو میں دل میں کسی قدر مایوس ہو چلا تھا۔ مگر خدا نے بامراد کیا اور مجھے میرے ایک دوست سے ملا دیا۔ جس نے ایک موقع پر صرف میرے لیے اپنی جان ہلاکت میں ڈال دی تھی۔ جس وقت مریم نے بیان کیا تھا۔ اس وقت مجھے یہ ہرگز اُمید نہ تھی کہ میرا دوست یہاں آیا ہوگا۔ ہاں البتہ خیال گزرا تھا کہ کوئی ترکی سپاہی ادھر آ نکلا ہوگا۔ جس کی جان بچانا میں نے اپنا قومی فرض تصور کیا۔ مگر وہاں جا کر دیکھتا ہوں تو ایک جانی دوست کھڑا ہوا ہے۔ جو میری جستجو میں آیا ہے۔

انجلینا یہ سن کر متفکر ہوگئی اور یک بیک غم واندوہ کا موثر روغن اُس کے چہرے پر پھر گیا اور ناتواں کانپتی ہوئی افسردگی کی آواز سے پوچھنے لگی پھر تم نے کیا جواب دیا؟ کیا مجھ سے رخصت ہونے آئے ہو۔

حسن: شہزادی صاحبہ! اگر میں یہ کہوں کہ آپ سے رخصت ہونے کو آیا ہوں تو کیا آپ کو یقین آ جائے گا۔

انجلینا: (تردد کے ساتھ ذرا سوچ کر) نہیں مجھے تو ہرگز یقین نہ آئے گا۔

حسن: پھر آپ نے کیوں پوچھا کہ کیا مجھ سے رُخصت ہونے آئے ہو؟

انجلینا: انسان کے دل میں اکثر اس قسم کے خیالات آجایا کرتے ہیں۔

خصوصاً جب کہ محبت اعتدال سے بڑھ گئی ہو۔

حسن میں اپنے دوست کو بھی یہاں لا کر رکھوں تو کوئی حرج تو نہیں ہوگا؟

انجلینا: اگر ہرج ہے تو میرے تمہارے اور اُن کے سب کے لیے ہے۔ خود تم کو بھی معلوم ہے۔

حسن: مخفی رکھنے کا میں خود کوئی بندوبست کر لوں گا۔ مگر تمہاری اجازت کی ضرورت ہے۔ وہ میرا بوڑھا دوست جس نے میری جان بچائی تھی اور جو میرے لیے پہاڑوں سے ٹکراتو ہوا یہاں تک پہنچا ہے۔ اس کو اگر میں حتی الامکان مدد نہ پہنچاؤں تو بڑا ظلم ہوگا۔

انجلینا: پیارے شہزادے تمہیں اختیار ہے۔ تمہارے دوست کے لئے میں انکار نہیں کر سکتی۔ شہزادہ حسن نے پکارا۔ محمود پاشا۔ یہ آواز سنتے ہی محمود پاشا جھٹ آ گیا۔ انجلینا نے غور سے اس کی صورت دیکھی اور دونوں کو لیے اندر چلی گئی دونوں کے گھوڑے مریم نے سائیسوں کو بلوا کر اصطبل میں بندھوا دیے اور اندر کمرے میں جا کر سب اطمینان سے کرسیوں پر بیٹھے۔ محمود پاشا کی موجودگی سے انجلینا اپنی یورپین سوسائٹی کی تعلیم کی وجہ سے چاہے اپنے دل کے خیالات عشق ظاہر بھی کرتی، مگر شہزادہ حسن کی جیسے کوئی زبان پکڑے لیتا تھا۔ شرم اس کو کسی طرح اجازت نہیں دیتی تھی کہ اپنے دل کی ساعت بہ ساعت ترقی کرنے والے جوش کو ظاہر کر کے اپنی پیاری ناز آفرین دلربا کا دل خوش کرتا اور سب سے زیادہ اس حجاب کو اس سے ترقی ہوتی تھی کہ محمود پاشا بغیر اس کے کہ اپنے ہم صحبتوں کے دلوں کا اندازہ کرے اپنی باتوں کا سلسلہ کسی طرح موقوف ہی نہیں کرتا تھا اور دونوں باصفا عاشقوں کو باہم باتیں کرنے کا موقع ہی نہیں دیتا تھا۔ اس سلسلہ کلام کی رفتار میں محمود پاشا نے کہا۔ شہزادی صاحبہ آپ کا مکان ایسے عمدہ موقع اور ایسے دلفریب تختہ زمین پر واقع ہے کہ

جو آپ پر حسد نہ کرے، اسے جانیے، قدرت سے لطف اٹھانے کی حس ہی نہیں ہے۔

انجلینا: مگر کیا کہوں آج کل ایسا نازک وقت ہے کہ خوف ان سب لفظوں کو بھلائے دیتا ہے۔ مجھے کسی وقت اطمینان سے بیٹھنا نہیں نصیب ہوتا اور اتنا کہتے ہی خدا جانے دل میں کیا خیال گزرا کہ ایک آہ سرد کھینچی اور دوبارہ بے تاب ہو کر کہنے لگی۔ ہائے! خدا جانے کیا ہوا کہ اطمینان کسی طرح نصیب نہیں ہوتا۔

حسن: محمود پاشا۔ تمہاری ہوشیاریوں کے امتحان کا یہی موقع ہے اب دیکھوں یہاں کس طرح ہم لوگوں کو آفتوں سے محفوظ رکھتے ہو۔

محمود پاشا: اس موقع پر میں کیا تدبیر کر سکتا ہوں۔ سوا اس کے اگر خدانخواستہ ضرورت لاحق ہو تم سب کو عمدگی سے نکال لے چلوں اس بات میں، میں اُمید دلاتا ہوں کہ تم میں سے کوئی شخص اگر خدا نے چاہا تو روسیوں کے ہاتھ میں نہ پڑے گا۔ یہ امتحان کی جگہ نہیں ہے لڑائی کے میدانوں اور قلعہ کے محاصروں میں میرا امتحان لو۔ شہزادی کی طرف دیکھ کر شہزادی صاحبہ یہ بالکل ناتجربہ کار اور بچے ہیں۔ ان کو ابھی یہ بھی نہیں معلوم کہ انسان بعض وقتوں پر اپنے جوش اور غصہ کو کیوں کر روکے۔ میری عمر قریب لڑائیوں میں گزری ہے۔ اپنی کارگزاریوں کی داستان ابھی سنانے پر آؤں تو مہینوں گزر جائیں اور پوری نہ ہو۔ میں بڑے بڑے کام کر چکا ہوں۔ اس وقت ترکی فوج میں میری تجربہ کاری اور چاکیوں کی دھوم ہے۔ لیکن آپ کے دلدادہ حسن پاشا سے میں عاجز آ گیا۔ انہوں نے میرے ساتھ بہت سے دُشمنیاں کیں اور مجھے برابر زکیں دیں۔ اتنے میں کھانے کا بندوبست ہوا۔ سبھوں نے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ شہزادی انجلینا کھانے کے بعد بھی دیر تک اپنے مہمانوں کی خاطر داری میں مشغول رہی اور آخر شہزادہ حسن کے اصرار سے مریم کو ساتھ لیے ہوئے اپنے خواب

گاہ کے کمرے میں چلی گئی۔ یہاں تنہائی پا کر محمود پاشا نے شہزادہ حسن سے کیا۔ بھئی تم نے تو خوب دلچسپی کا سامان پیدا کر لیا! واقعی یہ شہزادی آدمی نہیں حور معلوم ہوتی ہے۔ سچ بتاؤ یہ کون ہے اور تم سے کیوں کر راہ و رسم پیدا ہوئی؟

حسن پاشا: اس کا حال پھر کبھی بیان کروں گا۔ یہاں نا مناسب ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ یہیں رہوں یا کہیں اور نکل چلوں۔ تمہیں خدا نے طاقت لسانی کی زیادہ قوت دی ہے۔ اتنا کرو کی سمجھا بجھا کر میری جان شہزادی کو باطوم یا کسی اور تر کی شہر میں نکل چلنے پر آمادہ کرو۔

محمود پاشا: وہ ڈرے کیوں جاتے ہو۔ میں ایک تدبیر میں ہوں۔ ابھی خاموش بیٹھے رہو۔ جب موقعہ ہوگا۔ نکل چلیں گے اور اس سے مطمئن رہو۔ روسی لوگ تمہارا کچھ نہ کر سکیں گے۔

حسن پاشا: ایسا نہ ہو کہ پیاری نورالصباح گرفتار کر لی جائے۔ پھر اس صورت میں سوا جان دینے کے کچھ نہ بن آئے گی۔

محمود پاشا: ایسا نہ ہو کہ پیاری نورالصباح گرفتار کر لی جائے۔ پھر اس صورت میں سوا جان دینے کے کچھ نہ بن آئے گی۔

محمود پاشا: اجی ان خیالوں کو اپنے دل سے نکال ڈالو۔

حسن پاشا: یہ اختیار کی بات نہیں ہے۔ میرے دل میں ہر وقت ایک کھٹکا لگا رہتا ہے۔ بلکہ بعض مرتبہ رات رات بھر انہیں خیالوں میں جاگتے گزر گئی ہے۔

محمود پاشا: اچھا تو تم اب جاگو! مجھے نیند آئی ہے۔ میں سوؤں گا۔

حسن پاشا: تم اپنے معمول مذاق کی باتوں سے کسی طرح باز نہیں آتے۔ اتنے میں باہر کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ شہزادہ حسن جس کے خیالات میں ہر وقت یہ بات بسی رہتی تھی کہ ایسا نہ ہو روسی لوگ مجھے اس بے دست و پائی کے عالم میں آ کر گرفتار کر

لیں۔ اُٹھ بیٹھا۔ پنچہ جو بھرا ہوا پاس رکھا تھا۔ ہاتھ میں لے لیا اور بیرونی کمرے میں جا کر دیکھنے لگا کہ کس چیز کی آہٹ معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت تقریباً آدھی رات گزر چکی ہوگی اور شہزادی انجلینا کے متعلقین کی مختصر آبادی جو کوٹھی کے آس پاس تھی۔ اُس پر بالکل سکوت اور سناٹا طاری تھا۔ اندھیری رات تھی اور کوہستانی آزاد طیور اپنے بسیروں میں خوف سے دبکے ہوئے تھے۔ تارے خوب کھلے ہوئے تھے اور تاریکی اور اُجلنے والوں کو اُبھر اُبھر کر اپنی روشن صورتیں دکھاتے اور تسلی دیتے تھے کہ گھبراؤ نہیں۔ اگر ماہتاب نہیں تو سر دست ہماری ہی روشنی سے اپنا کام نکالو۔ روسی سپاہیوں کا جو مختصر گارد جو رات بھر کوٹھی کے گرد پہرہ دیتا پھرتا تھا۔ وہ ابھی اس وقت خدا جانے کدھر سو رہا تھا کہ کسی طرف سے انسان کا نام ونشان بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ شہزادہ حسن آنکھیں پھاڑ کر اس سین میں نظر دوڑاتا تھا۔ مگر کسی جانب سے کوئی صورت نہیں نظر آتی تھی۔ ناگہاں سامنے سے کوئی شخص ظاہراً نہایت آہستہ آہستہ اور کوشش کر کے اس طرح آرہا تھا کہ کسی کو پاؤں کی چاپ معلوم نہ ہو اور یہی وجہ تھی کہ شہزادہ حسن کو دیر تک پتہ نہ لگا۔ اب یہ شخص بالکل قریب آ گیا اور غور سے دیکھا تو تنہا نہ تھا بلکہ اور بھی دو تین شخص تھے۔ اس غیر معمولی وقت میں کئی آدمیوں کا اُس طرف آنا، ہمارے ترکی شہزادے کو ایک خوفناک امر معلوم ہوا۔ اس نے تپنچہ سنبھالا کہ فیر کر دے، مگر پھر دل میں خیال آیا کہ پاس آنے دو بے یقینی طور پر جاتے حملہ کر دینا نازیبا امر ہے اب وہ پوری کوشش سے کام لے کر دیکھنے لگا کہ کس وضع کے لوگ ہیں۔ یہ لوگ عین کوٹھی کے نیچے آ کر کھڑے ہو گئے۔ شہزادہ حسن آڑ میں تھا۔ اس وجہ سے ان لوگوں کی اس پر نظر نہ پڑی اور آپس میں فارسی زبان میں کہنے لگے۔ کس سے پوچھیں کہ یہ کس کی کوٹھی ہے۔

یہ رات کا وقت ہماری مدد کو کون آئے گا۔ اور کوئی آئے بھی تو ہم پر اعتماد کیوں

کرنے لگا۔

دوسرا: مگر پھر بھی اتنا معلوم ہونا چاہیے کہ کس کی کوٹھی ہے۔ بے جانے بوجھے صرف روشنی دیکھ کر ہم یہاں چلے آئے ہیں۔ خدانخواستہ کوئی دشمن ہوا تو کیا کیا جائے گا۔ نہیں صاحب مکان سے اجازت لینا ضروری ہے۔

یہ سُن کر شہزادہ حسن سامنے آیا اور فارسی ہی میں پوچھنے لگا۔ آپ کون لوگ ہیں یہاں اس وقت کیوں کر آ گئے۔

پہلا: صاحب ہم روسیوں کے ستائے ہوئے چند ایرانی ہیں۔ ہم طفلس میں بطور تجارت آئے ہوئے ہیں۔ وہاں سے ارادہ کیا کہ باطوم ہوتے ہوئے ارض روم میں چلے جائیں۔ آج شام کو یہاں سے پانچ چھ میل پر ایک گاؤں میں ٹھہر گئے تھے اور خیال تھا کہ پہاڑوں کی گھاٹیوں میں ہونے کی وجہ سے وہ گاؤں محفوظ مقام ہوگا۔ مگر جب اندھیرا زیادہ ہوا روسی سپاہیوں نے آ کر ہمارا سب مال واسباب لوٹ لیا۔ ہمارے کئی دوستوں کو قتل کر ڈالا۔ بڑی مشکلوں سے جان بچا کر ہم بھاگے اور دور سے آپ کی کوٹھی کی روشنی ہمیں نظر آئی تو ہماری جان میں جان آئی۔ اگر یہاں نہ آجاتے تو ہم رات بھر پہاڑوں میں ٹاپا کرتے اور کہیں پناہ نہ ملتی۔ آپ سے صرف اس قدر اُمید ہیں کہ آج رات یہاں ٹھہرنے کی ہمیں اجازت دیجیے۔ پس ہم اور کسی بات کے خواست گار نہیں ہیں

حسن: اگرچہ مجھے اجازت دینے کا حق نہیں حاسل ہے۔ مگر وہ فیاض ملکہ جو اس کوٹھی کی مالک ہے۔ شاید انکار نہ کرے گی۔ اس لیے اندر تشریف رکھیے۔ میں صبح وک اس سے کہہ لوں گا۔

ایرانی: خدا آپ کو اس مہمان نوازی کا اجر دے۔ یہ کہہ کر وہ سب اندر چلے گئے۔ محمود پاشا کی آنکھ نہ کھلی۔ کیوں کہ وہ کئی دن کا تھکا ماندہ تھا۔ شہزادہ حسن درمیانی

کمرے میں ان سب لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ یہ لوگ چھ آدمی تھے۔ جن میں سے ایک شخص زیادہ ممتاز معلوم ہوتا۔ اور وہی ہمارے خلیق شہزادے سے باتیں کر رہا تھا۔

شہزادہ حسن: آپ کا اسم شریف؟

ایرانی: مجھے میرزا عباس کہتے ہیں۔

حسن: یہاں تشریف لانے کا کیا سبب ہوا؟ اگر میں جاگتا نہ ہوتا تو آپ کو بڑی تکلیف ہوتی۔

میرزا عباس: میں خاص طہران کا رہنے والا ہوں۔ عرصہ تک خاص شاہی خدمات پر مامور رہا۔ اب ایک زمانے سے مجھے سفر کا شوق ہے اور اسی وجہ سے تجارت کا بہانہ کر کے اکثر ممالک میں سیر کرتا پھرتا ہوں۔ یہاں طفلیس میں میں کئی مہینہ سے ٹھہرا ہوا تھا اور صرف اس لڑائی کی وجہ سے مجھے کہیں جانے کی جرات نہ پڑی۔ آخر اکتا کر اب میں نے قصد کیا کہ ایشیائے کوچک ہوتا ہوا قسطنطنیہ میں جاؤں۔ اس خیال سے باطوم کو جاتا تھا اور وہاں سے ارادہ تھا کہ ارضروم میں ایک ہفتہ قیام کر کے آگے بڑھوں گا۔ اتفاقات سے راستے ہی میں روسیوں نے بالکل بے دست و پا کر کے سب ارادے فسخ کرا دیے۔ اب اس بے سروپائی کی حالت میں کہاں جا سکتا ہوں۔ جو کچھ مال و اسباب تھا۔ سب لوٹ لیا۔ میرے ہمرائیوں میں سے بہتوں کا قتل کر ڈالا۔ صرف یہی چند اصحاب میں جوان کے دست ستم سے بچ رہے۔ اس ملک کی بے امنی کی حالت عرصہ سے سُن رہا ہوں۔ مگر ایسا نہ سمجھا تھا۔

حسن: اس ملک میں جو خرابیاں نہ پیدا ہوں تھوڑی ہیں۔ اول تو اسلام پر جواد بار چھایا ہوا ہے ان نے ترکوں اور ایرانیوں کو باہم دُشمن بنا دیا ہے۔ ان دونوں کی دشمنی ہی کیا کم تھی کہ اُس پر روسیوں کے حملوں نے اور بھی بے امنی کر دی ہے۔ اگر

ترک اور ایرانی دونوں ساتھ مل کر روسیوں کو روکتے تو کیا ممکن تھا کہ روسیوں کو قدم بڑھانے کی جرائت بھی ہوتی؟ مگر یہاں تو وہی مثل صادق آتی ہے۔ از ماست کہ بر ماست۔

میرزا عباس: آپ کا فرمان بجا ہے۔ مگر اب ایران میں اتنی قوت ہی کہاں ہے کہ روسیوں کی مخالفت کی جرائت کر سکے۔ شکر کا مقام ہے کہ خدا جانے اب تک بات رکھ لی ہے۔ ورنہ ایرانی اتنا بڑا حوصلہ نہیں کر سکتے۔

حسن: نہیں میں اس بات کو نہ مانوں گا۔ روسی کوئی ہوا نہیں ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ہمارے بے سروسامان ترک لڑائیوں میں باوجود اپنی کمی تعداد کے اکثر روسیوں کا منہ پھیر پھیر دیتے ہیں۔ اگر اُن کو ذرا بھی سہارا مل جائے تو روسیوں کا تخت گاہ تک اُلٹ دیں۔

میرزا عباس: بے شک یہ تو صحیح ہے۔ مسلمان قومیں جیسی بہادر ہیں۔ ویسی بہادری اور کسی قوم سے نہیں نمایاں ہوسکتی۔ مگر صرف باہمی نا اتفاقیوں اور عداوتوں کا نتیجہ ہے۔ جو یہ حالت ہو رہی ہے اور جب تک یہ مخالفت ہے ممکن نہیں کہ اسلام کو ترقی ہو سکے۔

حسن: اگر اصل پوچھیے تو شیعوں اور سُنیوں میں کوئی ایسی بڑی مخالفت نہیں ہے۔ تمام ارکان و اصول ایمانیہ پر سب کا اتفاق ہے۔ مگر خدا جانے کیا بات ہے کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں اور ممکن نہیں کہ دونوں ایک جگہ جمع ہوسکیں۔

میرزا عباس: یہی تو حیرت کی بات ہے کہ نہ کوئی بڑا اختلاف ہے نہ کوئی بہت بڑا اعتقادی فرق ہے اور مانا کہ اعتقاد میں فرق ہے۔ مگر اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دونوں دنیاوی معاشرت میں بھی ایک دن آپس میں نہ گزار سکیں۔ اصل میں یہ ہمارا ادبار ہے، جو اس پہلو سے ظاہر ہوا ہے۔

حسن: اس بارے میں کچھ کوشش تو ضرور ہونی چاہیے۔ آخر عیسائیوں کے مختلف فرقے بھی آپس میں لڑا کرتے تھے۔ مگر اب دیکھو، کیسے شیر و شکر ہو گئے اسی طرح اب ہمیں بھی آپس میں مل جانا چاہیے۔

میرزا عباس: میں آپ کا مہمان ہوں اور وہ بھی ناخواندہ اس لیے گستاخی کرتے شرم آتی ہے، مگر اصل یہ ہے کہ ترک لوگ اپنی سُنیوں ہی کی قوت یکجا کرتے تو اُنکے سامنے کوئی ٹھہر نہ سکتا۔ مگر اُن کے اصولِ حکمرانی سے خود اُن کے مسلمان رعایا کو بھی ان کے ساتھ ہمدردی نہیں رہی۔ اول تو یہ غلطی ہے کہ خاص اپنی قوم ترک کو وہ فاتحانہ حیثیت سے اور مسلمانوں کے مقابل میں ممتاز رکھتے ہیں۔ عربی زبان انہوں نے مٹادی۔ جس کے ہر لفظ میں اسلامی جوش تھا اور دین کی بو آتی تھی۔ جب یہ حالت ہے تو آپ ہی فرمائیے کہ عربوں کو ان کے ساتھ کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔

حسن: یہ آپ بجا فرماتے ہیں مجھے اس میں ذرا مخالفت نہیں۔ اچھا اب ہمیں اور آپ کو دونوں کو کچھ کوشش کرنا چاہیے۔ پہلا یہ کام کیجیے کہ سُنیوں اور شیعوں میں آپس میں اتفاق ہو۔ آپ کچھ تھوڑے سے شیعوں کو آمادہ کیجیے کہ ترکوں کا ساتھ دینے پر مستعد ہو جائیں اور میں انشاءاللہ چند ہی روز بعد یہاں سے آکر ترکوں کو اُن کا ہمدرد دوست بنادوں گا اگرچہ دونوں جانب سے یہ امر مشکل ہے۔

میرزا عباس: کچھ مشکل نہیں۔ انسان کو مصمم ارادہ کر لینا چاہیے۔ میں کل ہی سے اس امر میں کوشش شروع کر دوں گا۔ بالفعل ایک لائق شخص والی آذربائیجان ہیں اور نہایت سمجھ دار آدمی ہیں۔ اُن کو جا کر مجبور کروں گا کہ رعایا میں سے دو چار ہزار ایرانیوں کو آمادہ کر کے ترکوں کی کمک پر بھیج دیں کہ آپ اس کا خیال رکھیں کہ ایسا نہ ہو اُن کے ساتھ یہاں کوئی بدسلوکی کی جائے۔

حسن: اگر ایسا ہوا تو کیا کہا ہے اور میں ان کی حفاظت اور حمایت کا وعدہ کرتا

ہوں۔اتنے میں گھڑی نے دو بجا دیے۔یہ سُن کر شہزادہ حسن اپنے دوستوں سے کہنے لگا۔اب آپ سب صاحب آرام فرمائیں۔صبح انشاءاللہ ملاقات ہوگی اور میں آپ کو بخریت تمام باطوم تک پہنچا دوں گا۔اور کوئی انتظام تو میں یہاں سے نہیں کر سکتا۔ہاں یہاں سے آپ کو تیز رو گھوڑے مل جائیں گے۔جو بہت جلد باطوم میں پہنچا دیں گے۔یہ سُن کر میرزا عباس اور اُس کے ہمراہیون نے شکریہ ادا کیا اور سب کوچوں پر جو کمرے میں اِدھر اُدھر بچھے ہوئے تھے۔سو رہے۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

جوشِ ہمدردی

اب ہم کوہ قاف کے دامنوں اور کروسان کے شہروں کو چھوڑ کر مملکت ایران کی سیر کرتے ہیں وہ ایرانی علاقہ جات جو روس و ترک کی سرحد سے ملے ہوئے ہیں وہ شاہ کجکلاہ ایران کے گورنر آذربائیجان کے زیرِ فرمان ہیں، اگرچہ ان مقامات میں ہمیشہ امن و امان رہتا ہے اور روس کی دھمکیوں یا بعض بعض ترکی مفرور مجرموں کے آجانے کے اوقات کے سوا اور کسی قسم کی پولیٹیکل پیچیدگی نہیں پیدا ہوتی گورنر آذربائیجان آقا میرزا کاظم نہایت ہی بیدار مغز اور منظم شخص ہے اس کی بہادری کو بھی دُنیا مشہور کر چکی ہے۔ کیوں کہ اس سے پیشتر جو لڑائی ایران اور روس میں ہوئی تھی۔ اس کے اکثر معرکوں میں اس نے سپہ گری کے بڑے بڑے جوہر دکھائے تھے۔ شاید ان دونوں ایران کی خاک میں ایک شخص تھا۔ جو پولیٹیکل رموز سے واقف ہونے کے علاوہ اسلامی اور قومی ہمدردی کے جوش سے بھرا ہوا تھا۔ موجودہ ترکوں اور روسی کی لڑائی نے آقا میرزا کاظم کے تمام علاقوں کی حالت نہایت نازک کر دی تھی۔ ایک طرف تو ترکوں کی بے شمار فوج کے آجانے سے جن شیعوں پر روز ایک نیا ظلم ہوا کرتا تھا۔ ان کے سوائے حدود ایران کے اور کہیں پناہ ملتی تھی۔ دوسری طرف طفلیس اور اس کے ماتحت اضلاع میں روسیوں نے جو مسلمانوں پر عموماً دست تعدی دراز کر دیا تھا۔ ان کو بھی اطمینان سے زندگی بسر کرنے کے لیے صرف ممالک ایران ہی ایک محفوظ مقام نظر آتے تھے۔ غرض ان اسباب سے مستقر آذربائیجان قرب و جوار میں روز بروز پناہ گزینوں کا ایک انبوہ کثیر جمع ہو جاتا تاھ اور ان کے بے سروسامانی اس حد کو پہنچ جاتی تھی کہ ملک میں بدنظمی پھیل جائے۔ مگر میرزا کاظم نے بہت اچھی روک کی ان پناہ گزینوں میں زیادہ حصہ دامن کوہ قاف کی مسلمان رعایا کا تھا جس میں

بکثرت شیعہ اور بعض بعض سُنی تھے۔مگر چونکہ گورنمنٹ روس کے ستائے ہوئے آئے تھے۔اس وجہ سے عموماً سب کو ترکوں کے ساتھ ایک قسم کی ہمدردی سی ہوگئی تھی اور ان کا جوش اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ ایک ادنیٰ اشتعال دلانے والے کی تحریک پر روسیوں سے لڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔اس جوش نے یہاں تک ترقی کی کہ بعض لوگ خود انہیں میں ایسے پیدا ہو گئے، جو اپنے جلاوطن ہم وطنوں کو ترک کی جانب داری کا جوش دلاتے تھے۔لیکن میرزا کاظم نے اس جوش کو نہایت مہیب تصور کر کے روکنا شروع کیا۔

آقا میرزا کاظم ایک روز دربار میں تنہا بیٹھا ہوا تھا کہ ایک سرکاری ملازم پولیس نے آکر عرض کیا حضور یہاں اب جہاد اور لڑائی کا خیال بڑھتا جاتا ہے۔اس کا نتیجہ اچھا نہیں۔اگر حکم ہو تو قرار واقعی انسداد کر دیا جائے۔ورنہ بلوے کا اندیشہ ہے۔

میرزا کاظم۔پہلے خفیہ طور پر یہ دریافت کرو کے اس قسم کا جوش پیدا کرنے والے کون لوگ ہیں۔

ملازم: سو ان چند سُنیوں کے جو روسیوں اور ترکوں کی سرحد سے بھاگ بھاگ کر یہاں پناہ گزین ہوئے ہیں اور کون ہوسکتا ہے۔مجھے پوشیدہ طور پر بہت اچھی طرح معلوم ہوا ہے کہ اس قسم کا خیال پیدا کرنے والے صرف سُنی ہیں

میرزا کاظم: کوئی شیعہ نہیں؟

ملازم: کوئی نہیں ہاں ایک ایرانی شخص کی نسبت البتہ گمان ہے کہ وہ اہل خلاف سے نہ ہوگا۔کیونکہ اول تو اُسکی زبان خاص طہران کی سی ہے۔دوسرے بظاہر اسباب موثر معلوم ہوتا ہے اس کے ساتھ چند اور ایرانی بھی ہیں۔خدا جانے اسے کیا خبط ہوگیا ہے کہ ترکوں کی ہمدردی میں اپنے تئیں مٹائے دیتا ہے۔

میرزا کاظم: اچھا آج سپہر کو اسے ہماری پاس بلا لاؤ اُس سے پوشیدہ طور پر ملیں گے۔لہذا تم اُسے مکان میں لے آنا جہاں ہم لوگوں سے مخفی طور پر ملا کرتے ہیں۔مگر دیکھو خبردار کسی کو اُس کی خبر نہ ہو۔اگر سوا تمہارے اور بھی کسی کو معلوم ہو گیا تو جان لو کہ تمہاری زندگی دشوار ہو جائے گی۔ مجھے دریافت کرنا ہے کہ وہ ایک ایرانی اور شیعہ ہو کر ترکوں کا ایسا دوست ہو گیا ہے۔تم کو اُس کے متعلق کچھ معلوم ہوا ہے۔

ملاز: حضور لوگ مشہور کرتے ہیں کہ وہ شیعہ تھا،مگر اب گمراہی میں پڑ کر سُنی ہو گیا ہے۔کل جناب قبلہ و کعبہ کے وہاں بھی اس امر میں گفتگو چھڑی تھی،آخر سب نے اتفاق کیا کہ وہ سُنی ہو گیا ہے اور خیال کرنے کی بات ہے کہ بے سُنی ہوئے اس کے دل میں ترکوں کی محبت کیوں کر پیدا ہوئی۔

میرزا کاظم: کوئی اس سے ملا بھی تھا۔یا صرف یونہی قیاس سے لوگ کہتے ہیں۔

ملازم: کہتے تو سب قیاس ہی سے ہیں۔

میرزا کاظم: خیر میں دریافت کرلوں گا۔تم اس وقت لے آنا۔

ملازم نے آقا میرزا کاظم کو ادب سے سلام کیا اور دعائے ترقی دولت دے کر چلا گیا۔

میرزا کاظم نہایت سنجیدہ شخص تھا۔بجائے خود غور کرنے لگا کہ یہ کیا معاملہ ہے اسی خیال سے دل میں وہ افسوس کرنے لگا کہ تعصب کیسی بری چیز ہے۔انسان بے سوچے سمجھے تحقیق کیے بغیر رائے قائم کر دیتا ہے اور وہ رائے پھر نہیں بدلت۔اس خیال نے اس کی نظر کو تمام قلم و ایران کی آبادی پر دوڑایا۔اس کی نظر نے واپس آ کر کہا کہ تعصب سے کوئی خالی نہیں ہے۔کہنے لگا۔جدھر دیکھتا ہوں اور جسے دیکھتا ہوں تعصب میں ڈوبا ہوا ہے۔اس بلا سے کون خالی ہے کوئی نہیں۔مجتہدوں اور

مقتداؤں کو بھی اس مرض میں مبتلا پاتا ہوں۔ جب ان لوگوں کو یہ حال ہے تو بے چارے عوام کا کیا شمار انہیں لوگوں کے دلوں میں جو کچھ ہوتی ہے اس کو عوام الناس کی زبان سے ادا کرا دیتے ہیں۔ اور بظاہر خود الگ ہو جاتے ہیں کیا تدبیر ہو کہ یہ لوگ راہ راست پر آئیں اور انجام پر کچھ غور کریں اتنا دل میں کہہ کر۔ لا۔ آو دیکھو ترک لوگوں کے خیالات کیسے ہیں۔ یا دیگر ممالک اسلامیہ کے لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس کی نظر نے ان تمام ممالک کی ایک اجمالی سیر کی، جہاں اہلسنت بکثرت آباد ہیں یا ان کی خود مختار حکومت ہے۔ اپنی متعصب اور بے تعصب نگاہ کو واپس لا کر غور کیا تو معلوم ہوا کہ لوگ تعصب میں شیعوں سے کسی درجہ کم نہیں ہیں۔ بعض جگہ تو زیادہ متعصب ہیں۔ افسوس کر کے اس نے ایک آہ سرد کھینچی اور دل ہی دل میں کہنے لگا۔ ان کو کوئی کیونکر سمجھائے۔ بالفرض شیعہ ان کا ساتھ دینے پر راضی ہو جائیں تو یہ لوگ کیوں راضی ہونے لگے۔ قبلہ ایک تھا، جو مقامات ان کے نزدیک متبرک ہیں ان کے نزدیک بھی تھے۔ پھر کیا بات ہے کہ جس کی جہاں حکومت ہے وہاں اس کا دور دورہ ہے اور دوسرے فریق والے ذلیل ہوتے ہیں۔ نقصان اٹھاتے ہیں۔ چاہیے تھا کہ سب مل کر رہتے باہم ایک دوسرے کے ہمدرد ہوتے۔ مگر نہیں آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں یہ خیال کر کے اس نے اپنے چہرہ پر مایوسی کا نقاب ڈال لیا اور دکھا دیا کہ وہ اسلام کا کتنا بڑا ہمدرد ہے۔ پھر آپ ہی آپ دل میں کہنے لگا اچھا تو ان متعصبانہ مخالفتوں کا نتیجہ کیا ہوگا۔ دل ہی نے خدا جانے کیا جواب دیا کہ یک بیک اُس کے آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ غرض ان افکار میں اس قدر عرصہ تک ڈوبا رہا کہ دیر کے بعد دیکھا تو معلوم ہوا کہ چار بج چکے ہیں۔ پانچ بجنا چاہتے ہیں۔ چونک کر کہنے لگا اب وہ وقت گیا کہ مجھے پرائیوٹ ملاقاتوں کے مکان میں جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ اس ایرانی شخص کو دروازے پر دیر تک ٹھہرنا پڑے اور سب لوگوں

میں مشہور ہو جائے۔ اُس کے بعد آقا میرزا کاظم اُٹھا اور اُس مکان میں چلا گیا۔ چند ساعت بعد وہ ملازم اُس شخص کو لے کر حاضر ہوا۔ میرزا کاظم کے حکم سے وہ شخص بھی چلا گیا، جو اُس ایرانی کو ہمراہ لے کر آیا تھا۔ میرزا کاظم نہایت ہی پختہ مغز اور ہوشیار شخص تھا۔ پہلے اس نے اپنے نئے ہم صحبت کی صورت غور سے دیکھی تا کہ دریافت کر کے کہ یہ شخص کسی خیال کا آدمی ہے۔ پھر پوچھنے لگا۔ آپ کو یہاں تشریف لائے کتنا زمانہ ہوا؟

شخص: شاید پندرہ بیس روز ہوئے ہوں گے۔

میرزا کاظم: آپ یہاں کہاں سے تشریف لائے؟

شخص: میں طفلیس سے باطوم کو جاتا تھا۔ وہاں راستے میں روسیوں نے تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ مجبور ہو کر یہاں چلا آیا۔ ورنہ ایشیائے کوچک کی سیاحت کا ارادہ تھا۔

میرزا کاظم: آپ یہاں کس غرض سے تشریف لائے؟

شخص: میں آپ کے سامنے کسی امر کو مخفی نہیں رکھنا چاہتا۔ جو کچھ میرے ذہن میں آئے۔ اُس کو ترکوں کی ہمدردی اور روسیوں کی عداوت پر ابھاروں۔ میرے خیال میں ہماری یہی مخالفتیں اور پچاس ساٹھ برس چلی گئیں۔ تو ہماری اسلام وقعت دُنیا سے رخصت ہو جائے گی۔

میرزا کاظم: آپ کا اسمِ شریف کیا ہے؟

شخص: مجھے میرزا عباس کہتے ہیں۔

میرزا کاظم: اور وطن۔

میرزا عباس: خاص طہران مجھے وہاں کے لوگ قریب قریب اکثر جانتے ہیں۔

میرزا کاظم: آپ اہلِ سنت ہیں۔

میرزا عباس: (ہنس کر) آپ نے تہران میں کسی سے سُنا ہے کہ وہ اہلِ سنت میں سے ہے۔ الحمد اللہ کہ پیرو امام اور شیعہ امیر المومنین وصی رسول اللہ ﷺ ہوں۔

میرزا کاظم: لاگ کہتے ہیں کہ آپ اب سُنی ہو گئے ہیں۔

میرزا عباس: لوگ جو چاہیں کہیں اختیار ہے۔ مگر ایک مومن پر تہمت باندھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ مجھے کیا پڑی تھی اور یہ کیونکر ممکن تھا کہ خاص داماد رسول اللہ ﷺ اور وصی پیغمبر کو چھوڑ کر اوروں کی پیروی اختیار کرتا۔

میرزا کاظم: اگر ایسا نہیں ہے تو آپ کو ترکوں کے ساتھ کیوں ایسی ہمدردی ہے۔

میرزا عباس: یہ ہمدردی اُن کے ساتھ نہیں۔ بلکہ خود اپنے ساتھ ہے۔ آپ کیا زمانے کا رنگ نہیں دیکھتے ہیں؟ اگر خدانخواستہ ترکی سلطنت دُنیا سے مٹ گئی۔ تو کتنے گھنٹہ ایرانی حکومت دُنیا میں رہ سکے گی؟ اہل ترک برائے نام سہی اپنے کو مسلمان تو کہتے ہیں اس وقت کیا ہوگا۔ جب اپنے آپ کو مسلمان کہنے والا دُنیا میں کوئی بادشاہ نہیں رہے گا۔ میں سچ کہتا ہوں اُس وقت سے ڈریے جب دنیا مسلمانوں پر تنگ ہو جائے گی۔

میرزا کاظم نے یہ جواب سُن کر میرزا عباس کی صورت غور سے دیکھی اور کسی قدر سوچ کر کہنے لگا۔ اچھا آپ کو یہ بھی خیال نہ ہوا کہ بے اجازت سلطنت ہمارے ملک محروسہ میں ایسا شدید جوش پیدا کرنا حضور شاہ کے خلاف ہوگا؟ اگر تہران سے جواب طلب کیا گیا تو آپ کیا جواب دیجئے گا۔

میرزا عباس: یہی جواب جو آپ کو دیا۔

میرزا کاظم: کیا یہ جواب قابلِ تسلیم بھی ہے؟ جب خود بادشاہ نے ملکی فائدہ خیال کر کے سکوت اختیار کرلیا تو آپ کا حق ہے کہ رعایا میں جوش پیدا کیجیے۔

میرزا عباس: کیا آپ کو نہیں معلوم ہوتا کہ اسلام روز بروز ضعیف ہوتا جاتا ہے۔ اگر ایسا موقع پر بادشاہ سکوت کرے تو مسلمان کا فرض ہے کہ اعانت قوم میں جان و مال سے دریغ نہ کرے میں تو بالتجا آپ کی خدمت میں بھی عرض کرتا ہوں کہ اس دینی کام میں میری مدد کیجیے اپنی قوت سے جہاں تک ہو سکے اسلام کو نفع پہنچایئے۔ جب وہ وقت آجائے گا۔ جس کے آنے کا خیال کر کے میں کانپ اٹھتا ہوں اس وقت روس دُنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے ایک بلائے بے درمان ہوگا۔ نہ آپ کو یہ عزت نصیب ہوگی اور نہ مجھے یہ جرات ہوگی کہ اس طرح مُردہ قوم میں ضان ڈالنے کی نیت بھی کروں۔ خدا کے لیے اپنے دل میں انصاف کیجئے۔ اور اس وقت کو غنیمت جانیے۔

میرزا کاظم کو اب اس کی بات کی بالکل ضرورت نہ رہی کہ اپنے خیالات مخفی کرتے اس نے ہمدردی قومی کے مجنونانہ جوش کے لہجے میں کہا۔ اصل میں اس وقت تک میں آپ کے استقلال کا امتحان کر رہا تھا۔ الحمدللہ کہ آپ کا جوش سچا ہے اور آپ آزادی سے ظاہر کر سکتے ہیں۔ خود میرے دل میں اسی قسم کے خیالات ایک عرصہ سے پیدا ہو رہے ہیں۔ مگر آپ خود ہی دیکھے کہ ہمارے ہاتھ پاؤں کس قدر جکڑے ہوئے ہیں۔ ایران اور روس کے تعلقات کو خود جانتے ہی ہیں۔ پھر یہ بھی خیال کرنے کی جگہ ہے کہ ایران اکیلا روس کے مقابلہ میں کیا کر سکتا ہے۔ اگر ترک کاش اتنا بھی اطمینان دلاتے کہ اگر آئندہ روس ایران کو نقصان پہنچانا چاہے گا تو وہ ایران کی حمایت میں اُسی جوش سے کوشش کریں گے جس جوش سے کہ اپنی سلطنت کی حفاظت میں کرتے ہیں۔ تب بھی ایران کچھ کر سکتا تھا اور یوں تو اُس کے سوا کہ

اپنی موجودہ عزت بھی خاک میں ملا دی جائے۔ ہماری جرائت کا اور کوئی نتیجہ نہیں ہے۔آپ کے خیالات اُس وقت کوئی نتیجہ پیدا کر سکتے ہیں جب رعایائے اسلام میں ہمدردی جوش پیدا ہو اور تمام دُنیائے اسلام کے مسلمان ایک دوسرے کی اعانت پر آمادہ ہو جائیں۔ بلکہ آپ میں عہد و پیمان کر لیں اور اکیلا جو گروہِ اسلام کوشش کرے گا۔وہ زمانہ مار کھا جائے گا۔

میرزا عباس: حضور مجھے اس قدر مایوس نہ کیجیے۔ میں جو کوشش کرتا ہوں اس میں آپ کی طرف سے مزاحمت نہ ہو۔کامیابی اور ناکامی خدا کے ہاتھ ہے آپ سے بس اسی قدر اعانت کا خواست گار ہوں۔

میرزا کاظم: نہیں اس بارے میں تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی سلطنت کے احکام اور اصول سے چشم پوشی نہ کروں گا۔اگر شاہ تک خبر پہنچ گئی۔تو میں تمک حرام ثابت ہونگا اور خصوصاً جب کہ میں دیکھتا ہوں بادشاہ کی یہ روک تھام مصلحت سے ہے اور ضروری ہے۔

میرزا عباس: تو کیا آپ سے مجھے کوئی اُمید نہ رکھنا چاہیے؟ کوئی تدبیر نکالیے۔

میرزا کاظم: ہاں ایک صورت ہے روس اور ایشیائے کوچک سے جو لوگ یہاں آکر پناہ گزین ہوئے ہیں۔ اُن کو اُبھار کر لے جائیے۔اس میں ہمارا بھی فائدہ ہے اور آپ کی بھی غرض پوری ہوتی ہے۔ ہماری سرحد میں ان کی وجہ سے جو بد نظمی پیدا ہو جاتی ہے۔وہ دفعہ ہو جائے گی۔اور آپ کو کوفی مدد مل جائے گی۔ان لوگوں کا شمار کم نہیں ہے۔اور یہ عمدہ نظیر بھی پیدا ہو گی کہ شیعوں نے سُنوں کی مدد کی، کیونکہ نقشوان، اُردن، طفلیس کے جس قدر لوگ یہاں آکر پناہ گزین ہوئے ہیں۔ اُن میں سے اکثر شیعہ ہی ہیں۔اب اگر اُن لوگوں کے ساتھ ہماری رعایا کا کوئی

شخص بھی چلا جائے گا تو کسی کو خبر نہ ہوگی اور میں حتی الامکان طرح دوں گا۔ شاید اس سے عمدہ کوئی تدبیر آپ کی غرض ہونے کی نہیں ہے۔

آقا میرزا کاظم کی یہ تقریر سن کر میرزا عباس بہت خوش ہوا اور اس رائے پر کاربند رہنے کا وعدہ کیا اس کے بعد کہنے لگا اب میں آزادی سے آپ کے صوبہء آذربائیجان کے شمالی شہروں میں پھروں گا اور ان لوگوں کو ابھاروں گا جو روس سے آکر یہاں پناہ گزین ہوئے ہیں میں خود تو یہیں تبریز میں رہوں گا۔ کیونکہ روس کی آبادی کے صاحب اثر اور متمول مسلمان یہیں ہیں اور اپنے ہمراہیوں کو باکو اور خوئی کے اضلاع میں پھیلا دوں گا۔

میرزا کاظم: مگر جو کام کیجیے گا سنجیدگی اور سہولت سے۔ ایسا نہ ہو کہ نتیجہ کچھ اور ہو دُنیا بھر میں ایک ہنگامہ ہو جائے۔

میرزا عباس: نہیں انشاءاللہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے گا۔

میرزا عباس اس کے بعد آقا میرزا کاظم گورنر آذربائیجان سے رُخصت ہو کر اور اپنے ہمراہیوں سے مل کر کہنے لگا۔ اب ہم اطمینان سے کاروائی کر سکتے ہیں۔ والی آذربائیجان نے اطمینان کے موافق باتیں کیں۔ مگر اس بات کا لحاظ رہے کہ تم لوگ سوا ان لوگوں کے جو ممالک روس و ترک سے یہاں آکر پناہ گزین ہوئے ہیں۔ خبردار خاص ایرانیوں اور یہاں کی رعایا کو لڑنے پر آمادہ نہ کرنا اور نہ کبھی یہ ظاہر کرنا کہ ہمیں اُن لوگوں سے مدد لینا منظور ہے۔ اس کے بعد اُس نے اپنے ہمراہیوں کو مختلف مقامات میں روانہ کیا اور خود تبریز میں یہ جوش پیدا کرنے لگا۔

ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ ان لوگوں میں روسیوں کی مخالفت کا مادہ پوری طرح موجود تھا۔ میرزا عباس کی کوششوں کا نتیجہ فوراً نتیجہ ظاہر ہونے لگا۔ خود میرزا عباس نے پندرہ ہی روز میں دو ہزار روسی جلاوطنوں کو فراہم کر لیا۔ جن میں اکثر لائق

اور عمدہ حیثیت کے لوگ تھے۔اس کے ہمراہیوں نے اسی مدت میں آٹھ ہزار سے کچھ زیادہ لوگوں کا گروہ مجتمع کرلیا ان لوگوں میں سے بعض کے پاس اسلحہ بھی تھا مگر وہ چند بندوقیں ایک دس ہزار سپاہیوں کی فوج کے لیے کیا کافی ہوسکتی تھیں۔میرزا عباس نے پوشیدہ طور پر ایک آدمی شہزادہ حسن کے پاس اور ایک معتمد اور ہوشیار شخص مصطفےٰ پاشا سپہ سالار افواج سلطانی کے پاس روانہ کیا۔شہزادہ حسن کو تو صرف اسی قدر لکھا تھا۔کہ بحمدہ تعالیٰ اس قدر فوج جمع ہوگئی اب ضرورت ہے کہ آپ کی مدد سے ان لوگوں کو اسلحہ مل جائے۔لہذا امید ہے کہ اس بارے میں مصطفےٰ پاشا کو کچھ تحریر فرمائیں گے۔

لیکن مصطفےٰ پاشا کے خط میں بے انتہا اسلامی جوش ظاہر کیا گیا تھا اور لکھا گیا تھا کہ ہم لوگ ایک اسلام سلطنت کی حفاظت کے لیے اپنی جان و مال بلکہ کسی بات سے دریغ نہ کریں گے۔اور دس ہزار بندوقوں اور دوسو توپ کی افسروں کی درخواست کی گئی تھی۔مصطفےٰ پاشا کو ابتداً تو اس تحریر کو دیکھ کر کسی قدر تردد ہوا۔مگر جب تین ہی چار روز کے بعد کسی کے ذریعہ سے حسن پاشا کا دستخطی خط پہنچا تو انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ حسن پاشا کی مفقود الجزی سے تمام لوگوں کے دل میں ملال تھا۔اس خط نے یکا یک ایسا محظوظ کیا کہ انہوں نے اپنے ہمراہ سامانِ جنگ سے دس ہزار بندوقیں دوسو افسروں کی حفاظت میں سرحد ایران پر پہنچا دیں اور اُس کے معاوضہ میں اور بندوقوں کے لیے بابِ عالی میں درخواست کی۔یہ بندوقیں پاتے ہی میرزا عباس کے ہمراہیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔میرزا عباس نے اب تبریز چھوڑ کر ان پہاڑوں کی گھاٹیوں میں قیام کیا۔جو ایران اور ترک کے مابین واقع ہیں۔ان ترکوں کے ذریعہ سے اپنے پُر جوش ہمراہیوں کو پندرہ دن تک اُس نے قواعد سکھائی اور کوچ کا ارادہ کیا۔

تر کی افسروں کی رائے تھی کہ بغیر توپوں کے یہ فوج کچھ نہ کر سکے گی۔مگر میرزا عباس نے کہا کہ ہم روسیوں سے توپیں چھین لیں گے اور انہی توپوں سے آئندہ کام نکالیں گے۔مصطفےٰ پاشا پر اب زیادہ بار ڈالنا نامناسب ہے۔اب میرزا عباس اپنے ہمراہیوں اور سپہ سالار افواج دولت عثمانیہ کے بھیجے ہوئے دو افسروں کو لے کر پہاڑوں ہی کے اندر اندر کوچ کرتا ہوا دامن کوہ ارارات کے نیچے پہنچ گیا۔بیس پچیس روز قیام کر کے اپنے پُر جوش سپاہیوں کو اُن تر کی افسروں کے ذریعے سے قواعد جنگ کی تعلیم دلوائی۔ جب تھوڑا بہت اطمینان ہو گیا تو اپنی دس ہزار فوج کو مختلف پلٹوں میں تقسیم کر کے تر کی افسروں کو چارج دے دیا اور ایک اسٹنٹ افسر کی طرح خود بھی ہمراہ ہوا۔اگر چہ یہ فوج سامان، جنگ سے آراستہ تھی نہ کوئی وردی تھی۔نہ مختلف کارآمد اسلحہ تھے۔بلکہ توپیں بھی نہ تھیں۔جن پر آج کی لڑائیوں کا دارومدار ہے۔مگر ایک اسلامی جوش وخروش، جو اس فوج کے ہر سپاہی سے ظاہر ہوتا تھا۔اس پر تمام مصنوعی پر تکلف سامان قربان تھے۔تر کی افسروں میں ایک سن رسیدہ اور تجربہ کار افسر علی پاشا تھا۔میرزا عباس نے محض بے تعصبی سے اس افسر کو تمام فوج پر مَان افسر مقرر کیا۔اگر چہ بعض شیعوں کو خیال گزرا کہ ہم سب ایک سُنی شخص کی ماتحتی میں دیے جاتے ہیں۔مگر میرزا عباس کی پُر جوش اسپیچوں نے سب کو راضی کر دیا اور جو کوئی ناراض رہا اُس کی زبان بند کر دی۔

اپنی فوج کو اس انتظام سے مرتب کر کے میرزا عباس کوہ ارادٹ سے نکل کر روسی سرحد کی طرف بڑھا۔قبل اس کے کہ روسیوں کو خبر بھی ہو۔اُس نے اپنی فوج کو دریائے آرس کے جو تقریباً کوہ ارارات سے پنتالیس میل تھا پار اُتار دیا اور وہاں سے دوہی پہر میں کوچ کر کے شہروں پر حملہ کر دیا۔اس شہر میں روسیوں کے دو ہزار سپاہی اور ایک توپ خانہ موجود تھا۔اُن لوگوں نے نہایت سختی سے مزاحمت کی

اور اپنے وحسوں کی آڑ پکڑ کر ایرانیوں پر گولہ باری کرنے لگے۔ اُس روز کچھ رات گئے تک برابر ان لوگوں پر گولہ باری ہوتی رہی۔ مگر دوسرے روز صبح تڑکے میرزا عباس نے اپنے لوگوں کی صفیں مرتب کیں اور آگے گھوڑے کو کودا کے ایک پُر جوش تقریر کی۔ اس نے اپنے لوگوں کی طرف خطاب کر کے کہا: اے گروہ مومنین! تمہاری لڑائی سلطنت کی باضابطہ فوجوں کی طرح نہیں ہے۔ تم جہاد کرنے اور اسلام کو آنے والی مصیبت سے بچانے کی غرض سے اس جان فروشی کے بازار میں آئے ہو۔ تمارا کام صرف مارنا اور مر جانا ہے۔ تم اپنے مولیٰ اور آقا شیر یزداں امیر المومنین حیدر کرار کی جانبازیوں کو پیش نظر رکھو۔ اپنے مولا جناب امیر المومنین کا نام لو اور اُن کو فروں پر حملہ کرو۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے اس موقع پر اپنی جان بالکل خیال نہیں۔ اگر یہ جان کام آجائے تو خوشا نصیب میرے۔ میں اب دشمنوں پر حملہ کرتا ہوں۔ اگر تمہیں اسلام اور ایمان سے کچھ بھی محبت ہے تو آؤ میرا ساتھ دو۔

یہ تقریر کر میرزا عباس نے اس جوش سے حملہ کیا کہ تمام لوگوں کے دل کانپ اُٹھے۔ میرزا عباس نے حملہ کرتے وقت زور سے کہا تھا۔ علی اُص کی اس آواز سے علی! علی! کہتے ہوئے شہراروں کے وحسوں پر جا پڑے۔ اس مقدس برگزیدہ نام نے ایسا رُعب اور دبدبہ پیدا کر دیا تھا کہ تمام ترکی افسروں کی زبان پر جوش میں بے اختیار یہی نام جاری تھا۔

روسیوں نے مسلمانوں کو اس تیزی سے آتے دیکھا تو بہت پھرتی اور سرگرمی سے توپوں کے فائر کرنے لگے۔ مگر بہت جلد انہیں تجربہ ہو گیا کہ توپیں اس جوش کو روکنے والی نہ تھیں۔ جب مسلمان وحسوں کے نیچے پہنچ گئے۔ تو بندوقوں کی باڑیں پڑنا شروع ہوئیں۔ اس موقع پر ترکی افسر خوب کام آئے۔ وہ اپنے ہمراہیوں کو زد بچاتے ہوئے آگے بڑھے اور دس ہی منٹ میں مسلمان توپوں پر پہنچ گئے۔ سنگین چلنا

شروع ہوئی۔ مگر اسلامی تلواروں نے آناً فاناً سنگینوں کو بے کار ثابت کرنے کے ساتھ ہی دو ہزار روسیوں کا خاتمہ کر دیا۔

علی! علی!! کے نعرے شہر میں داخل ہونے کے وقت مسلمانوں نیا س روز سے بلند کیے کہ صاف معلوم ہوتا تھا یہ آوازیں ہر طرف درو دیوار میں پیوست ہوتی جاتی ہیں اور واقعی اس استقلال سے یہ آوازیں گونجی تھیں کہ شہر کو روسیوں سے خالی ہی کروا کر چھوڑا۔ ترکی پھریرا شہراروں میں اُڑا دیا گاے اور مصطفےٰ پاشا کو کامیابی کی مبارک باد لکھی گئی۔ میرزا عباس اور اس کے ساتھیوں کو اس فتح نے نہایت قوی اور جری بنا دیا۔ علاوہ بریں بہت سامانِ جنگ جنگی لباس اور چند توپیں قبضہ میں آجانے سے حوصلے بڑھ گئے۔

اُردن سے دس میل پر شہر اشمیا روزین ہے۔ روسیوں کو جب اُردن میں بہت بڑی زک ہوئی تو انہوں نے ایک ہی روز میں چار ہزار فوج وہاں بہم پہنچا کر نہایت مضبوطی سے قلعہ بندی کی۔ دو توپ خانے بھی آگئے اور توپیں قرینے سے لگا ی دی گئیں۔ اس کے ساتھ ہی سالار فوج روس کو اطلاع کی گئی کہ ادھر دامن کوہ ارارات سے ایک مجاہدوں کا گروہ ظاہر ہوا ہے۔ جنہوں نے شہر اُردن میں ہماری فوج کو کامل زک دے کر چند توپوں پر قبضہ کر لیا۔ بظاہر اسباب یہاں کمک کی ضرورت ہے اگرچہ سر دست چار ہزار فوج اور توپ خانوں سے شہر اشمیا دزین کی مضبوطی کی گئی ہے۔ ادھر اُردن سے میرزا عباس اور علی پاشا نے بڑھ کر شہر اشمیا دزین کا محاصرہ کر لیا۔ دو روز تو صرف دُور سے گولہ اندازی ہوئی اور دونوں طرف سے برابر آتش بازی ہوتی رہی۔ تیسرے روز یہاں بھی میرزا عباس نے اپنے معمولی جوش سے۔ یا علی! کا نعرہ بلند کر کے روسیی وہسوں میں لرزہ ڈال دیا۔ یہ آواز سُن کر روسی لوگوں نے قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا۔ میرزا عباس کے جوش کو روکنا فی الحقیقت روسیوں کی

قوت میں نہ تھا۔ یہ پر جوش ایرانی رہ رہ کر نعرہ یا علی بلند کرتا تھا اور روسیوں پر حملہ کر دیتا تھا اور تمام جان فروش مسلمان ثبت قدمی اور دلیری سے ان حملوں میں اس کا ساتھ دیتے تھے۔ میرزا عباس کے تین حملے تو روسیوں نے بڑی بہادری سے روکے، مگر چوتھے حملے کی تاب نہ لا سکے۔ بھاگ کر قلعہ میں ہو رہے۔ مسلمانوں نے کوشش کی کہ اسی حملے میں روسیوں کی مورچہ بندیاں توڑ کر ان کے قلعہ پر قبضہ کر لیں۔ مگر ناکام واپس آئے۔ بلکہ اس بے فائدہ کوشش میں ان کا بہت نقصان ہوا۔ اب چوتھی صبح پھر وہی سامان دکھانے کے لیے ظاہر ہوئی جو فتح اُردن کے روز نظر آیا تھا۔ ہنوز آفتاب مشرق کے پہاڑوں سے نکلنے بھی نہیں پایا تھا کہ مسلمان مجاہدین نے صف بندی کی۔ میرزا عباس نے اُن کی صفوں کے سامنے ایک چکر لگایا اور درمیان میں گھوڑے کی باگ روک کر دلوں میں جوش کی روح پھونک دینے والی ایک ایسی تقریر کی کہ آخر یہ تقریر ہی مسلمانوں کو ناگوار گزرنے لگی۔ کیونکہ وہ اس کی تقریر سُننے سے زیادہ جانبازی کے مشتاق تھے۔ میرزا عباس نے اپنی تقریر ختم کر کے دشمنوں کے قلعہ کو غصہ کی نظر سے دیکھا۔ زور سے نعرہ ''یا علی'' بلند کیا اور گھوڑے کی باگ اُٹھا دی۔ مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش سے اس کا ساتھ دیا اور سب کے سب بے خوف و خطر جان پر کھیلتے ہوئے بڑے اور روسی وحشی بندیوں پر جا پڑے۔ مسلمانوں کا یہ مجنونانہ جوش دیکھ کر روسیوں کے دل میں ایک خوف پیدا ہو گیا اور ڈر ڈر کر حملہ آوروں کی صورت دیکھنے لگے کہ کس بے ہراسی سے بڑھتے چلے آتے ہیں۔ مسلمانوں کے اس جوش کو تمام روسی سپاہ ایک حیرت سے دیکھ رہی تھی کہ توپ خانے والوں کو دیر دیر کے بعد اپنے فرض کا خیال آتا تھا اور بہایت سستی سے توپیں فائر کر رہی تھیں۔ جب مسلمان اور آگے بڑھے تو باقی سپاہ پر بھی یہی محویت طاری معلوم ہوئی۔ کیونکہ بندوقوں کی باڑیں نہایت سُست پڑ رہی تھیں۔ علی پاشا اور میرزا عباس

اپنی جماعت کو لیے ہوئے جب روسی توپوں کے نیچے پہنچ گئے تو انہوں نے کچھ دیر توقف کیا۔ گویا وہ سوچ رہے تھے کہ اب کیا کریں یکا یک میرزا عباس نے پھر زور سے نعرہ "یا علی" بلند کیا۔ اس آواز کے ساتھ باقی مسلمانوں کی آوازیں ہنوز جواب نہ دینے پائی تھیں کہ حسن عقیدت یا استقبال کے طور پر روسی دمدموں نے جواب دیا اور یہ آواز گونجتی ہوئی اور رعب بٹھاتی ہوئی روسیوں کے کانوں میں پہنچی۔ اس نعرے کے بعد میرزا عباس نے حملہ کر دیا اور اوپر چڑھنے لگا کہ روسی توپوں پر جا کر قبضہ کر لے۔ سب مسلمانوں نے اس بارے میں میرزا عباس کی تقلید کی اور ہر طرف سے روسی توپوں پر دھاوا کر دیا۔ روسیوں نے اپنے حریف ایرانی مسلمانوں کو بڑی قوت اور نہایت سختی سے کام دو گھنٹوں تک روکا۔ بہت سے مسلمان صرف اس کوشش کی نذر ہو گئے کہ روسیوں کی گولیوں کی باڑیں پڑ رہی تھے اور وہ برابر روسی دمدموں پر چڑھتے جاتے تھے۔ آخر روسی مزاحمت کرتے کرتے گھبرا گئے اور مسلمانوں نے ایک توپ پر چڑھ کر قبضہ کر لیا۔ اس مقام پر بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ مگر مسلمانوں نے اس جگہ کو کسی طرح نہ چھوڑا اور چار پانچ ہزار مسلمان معہ علی پاشا اور میرزا عباس کے اوپر چڑھ گئے۔ اب روسیوں نے ارادہ کیا کہ اپنی فوج کو معہ توپوں کے شہر اشمیاد زین سے نکال کر کسی مناسب جگہ پر مورچہ بندی کریں، لیکن اس بات کا موقع انہیں بڑی دشواریوں سے کب ملا جب اُن کی نصف فوج قتل ہو چکی اور آٹھ توپوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

روسی بڑے اضطراب اور نہایت بے سرو سامانی سے شہر چھوڑ کر باہر نکلے۔ ایرانیوں نے تعاقب کیا اور ہرگز موقع نہ دیا کہ کسی قریب کے مقام پر مورچہ بندی کریں۔

روسیوں کے سردار فوج سے سوا اس کے کوئی بات نہ بنی کہ اپنے باقی ماندہ

ہمراہیوں اور توپوں کو لے کر بھاگ جائے اس نے یہاں سے ساٹھ میل پر جا کر شہر اسکندر روپول میں پناہ لی۔ اسکندروپول ترکوں کی سرحد کے قریب روسیوں کا بڑا مضبوط شہر ہے اور یہاں ایک عظیم الشان قلعہ بنا ہوا ہے۔

اس قلعہ میں پیشتر سے روسیوں کی پندرہ ہزار فوج موجود تھی اور چاروں طرف ستر توپیں لگی ہوئی تھیں۔ روسیوں نے اب اس قلعہ میں لڑائی کا سامان کیا۔ اشمیاد زین سے دو ہزار روسی اور چار توپیں جو ایرانیوں کے ہاتھ سے بچ کر آئی تھیں۔ وہ بھی اسکندروپول کی تقویت کے کام آئیں۔ ادھر ۱۰ ہزار فوج اور چار توپ خانے سپہ سالار افواج روس نے بطور کمک کے بھیجے تھے وہ بھی اس قلعہ میں رکھے گئے۔ غرض اسکندروپول میں اب کل ستائیس ہزار روسی فوج اور چھیانوے توپیں تھیں۔ اس بے انتہا فوج نے روسیوں کی جرأتیں تازہ کر دیں اور بغیر کے کہ وہ ایرانیوں کا انتظار کریں۔ بیس ہزار فوج اور چھ توپخانے لے کر انہوں نے اسکندروپول سے پندرہ میل آگے بڑھ کر مورچہ بندی کی کہ اسلامی مجاہدوں کو راستے ہی میں روکیں۔

مسلمانوں نے شہر اشمیادزین پر قبضہ کر کے ترکی ہلالی جھنڈا ہوا میں اُڑا دیا۔ اور ترکی سپہ سالار مصطفےٰ پاشا کو اس کامیابی کی اطلاع کی اور لکھا کہ اس کے بعد ہمیں روس کی بہت بڑی فوجوں سے سابقہ پڑے گا۔ اسکندروپول کا قلعہ ہمارے سامنے ہی ہے اور وہاں روسیوں کی بہت فوج ہے۔ لہذا یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ دوسری جانب سے بھی شہر اسکندروپول پر دباؤ ڈالیں۔ تاکہ روسیوں کی قوت بٹ جائے۔ مصطفےٰ پاشا نے خط اپنی فوج کے تمام اعلیٰ افسروں کے سامنے پڑھا اور مسلمانوں کی کامیابی کا شکریہ ادا کیا اس نے اپنی فوج کے ایک نوجوان افسر کو جس کا نام حمید پاشا تھا۔ دس ہزار ترکوں اور دو توپ خانوں کے ساتھ اسکندروپول کے مغربی جانب روانہ کیا اور میرزا عباس کو اس کی اطلاع کی۔

اُدھر آذربائیجان کے شمالی اور مغربی حدود میں میرازعباس کے رفقا ابھی تک لڑائی کی اشتعال دلا رہے تھے۔ وہاں کی رعایا میں یہ سُن کر اور جوش پیدا ہوگئی کہ انہیں کہ بھائی مسلمانوں نے جا کر روسیوں کے مقابل میں کس کامیابی سے ناموری حاصل کی۔ اب ان تمام اضلاع میں ہر گاؤں اور ہر قصبہ سے جہاد کی آواز نکلتی تھی اور ہر طرف سے لوگ جوق در جوق آ کر میرزا عباس کے رفقا کے پاس جمع ہونے لگے۔ پندرہ ہی بیس روز میں پچیس تیس ہزار کا گروہ تیار ہوگیا۔ میرزا عباس نے اپنے خاص مستقر کوہ ارارات کے مغربی دامن میں ایک گاؤں کو قرار دیا تھا۔ اس جدید گروہ کے بیس ہزار مسلمان وہاں فراہم ہوئے اور میرزا عباس کے مرسلہ افسروں نے چند روز قواعد سکھائی اور پندرہ ہزار سپاہی رزمگاہ میں بھیج دیے اور یہ سلسلہ قائم ہوگیا کہ برابر لوگ مجتمع ہو ہو کر کوہ ارارات میں آتے تھے اور وہاں سے قواعد سیکھ کر حسبِ ضرورت میرزا عباس کے پاس پہنچتے تھے۔ خود میرزا عباس کے جھنڈے کے نیچے ان لوگوں کو چھوڑ کر جو اُردن اور اشمیادزین کی لڑائیوں میں شہید ہوئے۔ کل بیش ہزار مجاہدوں کا گروہ میدان جنگ میں موجود تھا۔

اب سب فوج کو لے کر میرازعباس اور علی پاشا دونوں نے شہر اشمیادزین سے کوچ کیا اور تیسرے روز اس روسی فوج کے مقابل میں صف بندی کی، جو اسکندر وپول کا راستہ روکے پڑی تھی۔ میرزا عباس نے اپنی تجربہ کار فوج کو آگے کیا اور اُس کے پیچھے نئے مجاہدوں کی صفیں باندھیں۔ اپنے معمولی جوش وخروش کے کلمات ہر مسلمان کے گوش گزار کئے اور اسی جان فروشی کے ولولے سے دُشمن پر حملہ کیا۔ روسی تو پہلے ہی منتظر تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو حملہ کرتے دیکھ کر اپنی توپوں سے کام کیا اور آتش بازی کرنے لگے۔

یہ لڑائی دونوں حریفوں کے لیے برابر کی حیثیت رکھتی۔ شمار دونوں فوجوں کا

برابر تھا اور دونوں کھلے میدان میں تھے۔ ہاں توپوں کے لحاظ سے روسیوں کا پلہ بھاری تھا۔ کیوں کہ ان کے پاس چھتیس توپیں تھیں اور ایرانیوں کے پاس صرف چودہ توپیں تھیں۔ وہ بھی گویا بیکار تھے کیونکہ گولہ بارود کی بہت کمی تھی اور اسی وجہ سے ہر لڑائی میں اپنے بے نظیر شجاعت سے تھوڑی دیر کے بعد توپوں کو بے کار کر دیا اور قریب پہنچ کر سنگینوں اور تلواروں سے لڑنے لگے۔ اس پہلی لڑائی میں حملہ کرتے وقت تو ایرانیوں کی طرف سے بھی روسی توپوں کا جواب دیا گیا۔ لیکن آدھ گھنٹہ میں میرزا عباس مع اپنے ہمراہیوں کے تمام میدان طے کر کے روسیوں کے سر پر پہنچ گئے۔ پہلے تو بندوقیں چلائیں۔ مگر آخر بندوقیں دونوں ایمانی جوش کو نہیں روک سکتی ہیں۔ غرض تلوار کی لڑائی شروع ہوئی۔ زمین خون سے رنگ میں رنگی جانے لگی اور سپاہی ملک کے جھگڑے اور دین کے تصفیے پر اپنی جانوں کی قربانیاں چڑھانے لگے۔ جس وقت ایرانی لوگ روسیوں سے مل گئے تھے۔ اس وقت تقریباً دس بجے ہوں گے۔ دس بجے سے شام تک برابر تلوار چلی اور دونوں طرف سے لوگ برابر کٹ کٹ کر گرتے رہے اور آخر شام ہوگئی اور تاریکی نے دونوں طرف کے جانبازوں کو جُدا کیا۔ اس لڑائی میں آٹھ ہزار تین سو چوبیس روسی اور پانچ ہزار سے کچھ زیادہ ایرانی کام آئے۔ دوسری صبح پھر خونریزی سماں دکھانے کے لیے نمودار ہوئی اور شیعہ سپہ گروں نے اپنے قومی احکام بموجب سفیدہ صبح ظاہر ہوتے ہی ابتدائی فضیلت کے وقت میں نماز صبح ادا کی۔ موذن نے اذان دینے میں وہ پُر ہیبت نام یاد دلایا۔ جو دن بھر ایرانی سپہ گروں کا شعار جنگ رہا تھا۔ اُس نے اشہدان امیر المومنین علیاً ولی اللہ وصی رسول اللہ خلیفہ، بلافصل کہا اور دلوں میں ایک جُوش پیدا ہو گیا نماز کے خاتمہ پر سبھوں نے اپنے آپ کو صفِ جنگ میں مرتب کر دیا اور میرزا عباس نے زور سے نعرہ 'یا علی'' بلند کر کے روسیوں پر حملہ کر دیا۔

دونوں طرف سے توپوں کے فائر چلنے لگے دونوں فوجوں میں جب اور زیادہ قربت ہوگئی تو بندوقوں سے کام لیا گیا اور برابر باڑھیں پڑنے لگیں۔ یہ جوش کا تماشا دیکھنے کے قابل تھا کہ گولے آ کر پھٹ رہے تھے اور اُن کے نیچے جانفروش مسلمان سپاہی اطمینان کے ساتھ کھڑے تھے اور گویا منتظر تھے کہ ایرانی ہمارے پاس پہنچ جائیں تو سنگینوں اور تلواروں سے کام نکالیں۔ گولیاں دونوں طرف کے بہادروں پر برابر اثر کر رہی تھیں۔ گویا لڑائی کی لو چل رہی تھی کہ لوگ چلتے چلتے گر پڑتے تھے اور ٹوٹنے لگتے تھے۔ بہتوں کی اُمیدیں راستے ہی میں خاک میں مل گئیں اور اُس حد تک نہ پہنچ سکے۔ جہاں کا ارادہ کر کے چلے تھے۔ آخر یہ سین بھی ختم ہوگیا اور اُس حد تک نہ پہنچ سکے۔ جہان کا ارادہ کر کے چلے تھے۔ آخر یہ سین بھی ختم ہوگیا اور دونوں حریف مل گئے اور خونریزی کو ایک فوری ترقی ہوگئی۔ اب اُس وقت گویا حوصلے پورے ہو رہے تھے اور سپاہیوں کو پورا موقعہ مل گیا تھا کہ اپنے بہادرانہ جوش وخروش کو جی بھر کر نکال ڈالیں۔ ایرانیوں کی ہمتیں ساعت بساعت میرزا عباس جعفر کے فقروں اور جملوں سے بڑھتی جاتی تھیں اور مرزا عباس جعفر ہی کی طرح دوسری طرف علی پاشا حملہ کر رہا تھا۔ روسیوں نے پوری بہادری سے کام لیا۔ مگر وہ اس کو کیا کرتے کہ اس وقت تلوار مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی اور لڑائی کا فیصلہ قسمت کی جانب سے دینی جوش کے ہاتھ میں دے دیا گیا تھا۔ جب پچھلی مرتبہ تقریباً سہ پہر کے وقت میرزا عباس اور اُس کے ہمراہیوں نے نعرہ ''یا علی'' بلند کیا۔ رسیوں کے دل کانپ اُٹھے۔ میدانِ جنگ انہیں مہیب معلوم ہونے لگا اور اپنی نو ہزار لاشیں چھوڑ کر بھاگے اور قلعہ اسکندروپول میں پناہ گزین ہو گئے۔ جب اسکندروپول والوں کو معلوم ہوا کے اُن کے دوست سترہ ہزار سے زیادہ سپاہی ایک بے نتیجہ لڑائی کی نذر کر آئے ہیں۔ تو بہایت حیران ہوئے اور بہ سروسامان مجاہدوں کا معاملہ جو

ابتداء انہیں نہایت ذلیل نظر آیا تھا۔ اب بہت ہی ہیبت ناک معلوم ہونے لگا۔ روسیوں نے فوراً اپنے اعلیٰ افسر یعنی سپہ سالار افواج ایشیا کو اطلاع کی کہ ترکوں کی فوجوں سے ہم کو اور ہمارے سپاہیوں میں سے کسی کو ذرا خوف نہیں۔ مگر یہ بے ضابطہ مجاہد جو سرحد ایران سے ہیں اور ترکوں کی ہمدردی کے جوش سے بھرے ہوئے ہیں۔ بظاہر اسباب انہتا سے زیادہ بہادر اور پُر جوش ہیں۔ انہوں نے جس وقت سے قدم بڑھایا ہے۔ اب تک برابر بڑھتے چلے آتے ہیں اور ہماری کوئی فوج اُن کو نہ روک سکی۔ اب ہم اسکندروپول میں ہیں اور دیکھئے یہ شہر کے دن تک ہمارے قبضہ میں رہتا ہے۔ کیونکہ وہ ہم سے بہت قریب ہیں اور ہم میں اتنی قوت نہیں کہ آگے بڑھ کر ان کا مقابلہ کریں۔

کامیابی

اگر چہ مرزا عباس کی کاروائیوں نے تمام روسی فوجوں میں ایک تہلکہ ڈال دیا تھا۔مگر سپہ سالار افواج روس کو مصطفےٰ پاشا کے مقابلہ سے اتنی مہلت نہیں ملتی تھی کہ اسکندرو پول اور دیگر مشرقی مقامات کی مضبوطی میں سرگرمی دکھائے۔آخر اس نے قلعہ سینٹ نکولس کو مصطفےٰ پاشا کی روک تھام کے لیے مضبوط کرنا شروع کیا۔قریب قریب ایک لاکھ فوج اس قلعہ میں فراہم ہوگئی اور ہر طرف برابر آگے پیچھے توپیں لگا دی گئیں۔

سینٹ نکولس ایک نہایت ہی عالیشان قلعہ ہے جو باطوم سے تیس میل کے فاصلہ پر شمالی جانب واقع ہے۔اس قلعہ کے مضبوط کرنے سے روسی سپہ سالار کی یہ غرض تھی کہ ادھر سے اطمینان حاصل کر کے پندرہ بیس روش کے لیے اسکندروپول کے قرب و جوار کا انتظام کرائے۔مگر ترکی سپاہی اس سرگرمی اور تیزی سے حملہ آواریاں کر رہے تھے کہ اُسے کسی طرح اس ارادے کے پورے کرنے کی جرات نہ پڑتی تھی۔اول تو ترکوں نے قلعہ سینٹ نکولس کو زیادہ مضبوط ہی نہ ہونے دیا۔اُس کے سامنے ساحل پر برابر ترکی کے جہاز آتے تھے اور گولہ باری کر کے قلعہ کی عمارتوں کو مسمار کر جاتے تھے ترکی رسالے اور پلٹنیں ہر روز باطوم سے بڑھ کر آتی تھیں اور مقابلہ کر کے واپس جاتی تھیں۔پہلے تو مصطفےٰ پاشا کی ہدایت کے بموجب ترکوں نے سینٹ نکولس کے قریب اُترنے کا ارادہ نہیں کیا۔مگر آخر جب انہوں نے دیکھا کہ روسی روز بروز زیادہ قوی ہوتے جاتے ہیں تو انہوں نے بڑھ کر سینٹ نکولس کا محاصرہ کر لیا۔محاصرہ کے زمانے میں ترکوں اور روسیوں میں کئی سخت لڑائیاں ہوئیں۔مگر نتیجہ کچھ نہیں ظاہر ہوا تھا۔آخر مصطفےٰ پاشا نے حتمی فیصلہ کر لے اکہ جس

طرح ہو سکے یہ قلعہ فتح کرلیا جائے اور اپنی فوج کے تمام افسروں کو بلا کر کہہ دیا کہ کل صبح کو ہم چاہتے ہیں ہماری جرات کا امتحان اور ہماری تقدیر کا فیصلہ ہو جائے۔ کل افسروں نے باتفاق سر اطاعت جھکا دیا اور نہایت ہی جوش وخروش کے الفاظ میں وعدہ کیا کہ ہم جانیں لڑا کر اپنی بہادری دکھا دیں گے۔ الغرض اس وقت سب لوگ جوش سے بھرے ہوئے اُٹھے اور اپنے خیموں میں چلے گئیں ہیں۔

رات کو ترکوں کو نہایت متانت اور استقلال سے سامانِ جنگ کرتے گزری صبح کو نور ابھی اُفق مشرق میں ڈھونڈنے سے بھی نظر نہ آتا تھا کہ افواجِ ترک میں تیاری کا بگل دیا گیا۔ جوش میں بھری ہوئی طبیعتیں چونک پڑیں اور بہادر سپاہی اپنی وردیوں اور بندوقوں کو سنبھالتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اس وقت کا سماں عجب بہار پر ہے۔ قمری مہینے کی آخری تاریخ ہے اور صبح کا پھیکا پھیکا چاند مشرق آسمان پر چمک رہا ہے۔ اس کے مقابل مغرب کی طرف بحرِ اسود ہے اور اس کی لہریں ترکوں کے جہازوں سے شوخیاں کر رہی ہیں جو سینٹ نکولس کے سامنے جمے کھڑے ہیں اور اپنی جنگی جھنڈے اُڑا اُڑا کر مستعدی ظاہر کر رہے ہیں۔ شمالی کی طرف تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر ایک اونچی پہاڑی ہے اور اس کے متصل کئی میل تک پہاڑیوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ مشرق سطح آسمان پر ابتدائے صبح کو اجالا پن نمکین چہروں کی سانولی جلد کے نیچے عنفوان شباب کے پہلے پر جوش خون کی طرح اپنی جھلکیاں دکھانے لگا ہے اور صبح کے تارے جو کسی کا شرمایا چہرہ بن گئے ہیں۔ ان کے نیچے چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اُن کے اٹھتے جوبن پر پڑی ہی ہوئی ہیں۔ جو ابھی اپنے پورے اُبھار کی حد تک نہیں پہنچے۔ ان پہاڑیوں کے درختوں پر سے طیور نے میدان کے وسیع صحرا والوں کو مژدہ صبح سُنانا شروع کیا ہے۔ قبل اس کے کہ اندھیرے کا دامن چاک ہو۔ ترکوں نے اپنی نصف حصہ فوج کو آٹھ حصوں پر تقسیم کر

دیا ہے۔ چار حصہ تاروں کی چھاؤں میں آہستہ آہستہ روانہ ہوئے۔ ایک حصہ نے جس میں پہاڑی توپیں اور ایک بم کے گولے اتارنے کی توپ تھی۔ مشرق کی جانب ایک پہاڑی پر قبضہ کرلیا۔ دوسرا حصہ جس میں اتنی ہی توپیں تھیں۔ یہاں سے پچاس گز کے فاصلے پر ایک اور پہاڑی پر قابض ہوا۔ اور دو حصے جن میں غالباً بارہ توپیں ہوں گی۔ وہ بڑھ کر شمال و مشرق کے گوشہ میں اکثر اونچے اونچے سنگستانی ٹیلوں پر قابض ہو گئے۔ باقی چار حصہ شمال کی طرف بڑھے اور اُدھر کی پہاڑیوں پر جا بجا قابض ہو گئے۔ نصف توپیں جنوب کی طرف ہیں۔ ان توپ خانوں کے علاوہ چالیس ۴۰ رسالے اور ۴۵ پلٹنیں تھیں۔ ان رسالوں اور پلٹنوں نے بھی پھیل کر دو قوسوں میں قلعہ کو گھر لیا۔ ایک قوس شمال کی طرف اور ایک جنوب کی طرف۔ جا بجا بلندیوں پر ترکی کے جھنڈے نصب کر دیے گئے۔ ادھر ترکی جہازوں نے اپنا سامان درست کرلیا اور آگے بڑھے۔ کیونکہ مصطفےٰ پاشا کے حکم کے بموجب آج انہیں بہت سختی سے قلعہ سینٹ نکولس پر گولہ باری کرنا تھی۔

اب کچھ کچھ روشنی ہو چلی تھی۔ نسیم سحر۔ مشرق سے مغرب کی طرف عجب بہار دکھاتی ہوئی جاتی ہے۔ پہلے ترکوں کے مشرقی جھنڈے لہراتے ہیں اور اس کے بعد یہ دلوں میں جوش پیدا کرنے والی نسیم سمندر کی لہروں سے الجھتی ہوئی ترکی جہازوں پر پہنچتی ہے اور پھر دل کو مستانہ نعرش دے دیتی ہے۔

ترکوں کے جنوبی حصہ فوج نے پہلی بسم اللہ کی اور شروع جنگ کا پہلا فائر ہوا۔ گویا تمام گرد و نواح کی پہاڑیاں یک بیک چونک کر چلا اُٹھیں اور طیور آشیانوں سے نکل نکل کر اُس فضا میں اڑنے لگے۔ جسے اب تھوڑی ہی دیر دھواں نگاہوں سے غائب کر دے گا۔ روسی بھی گویا منتظر بیٹھے تھے۔ ان کے توپخانے نے پہلے ہی فائر کا جواب دیا۔ قبل اس کے کے ترکوں کی طرف سے کوئی اور فائر ہو۔ روسی فائر نے گویا

چاروں طرف کی باروت میں آگ لگا دی۔ کیوں فوراً چاروں طرف سے ترکی فوجیں فائر کرنے لگیں۔ایک دھوئیں نے گویا ہر طرف سے قلعہ کا محاصرہ کرلیا جس میں سے چنگاریاں اُچھل اُچھل کر قلعہ میں آتی تھیں اور اکثر کا کام تمام کر دیتی تھیں۔شاید روسیوں کو نہیں معلوم تھا کہ آج ترکی فوج نے سب طرف سے قلعہ کو گھیر لیا۔کیوں کہ اُن کی زیادہ توپیں حسبِ معمول سمندر کی طرف بحری حملوں کو روکنے کے لیے اور جنوب کی طرف مصطفےٰ پاشا کی فوج کے مقابلہ کے لیے تھیں۔مگر روسیوں نے بہت بیدار مغزی اور پھرتی سے توپوں کو چاروں طرف پھیلا دیا اور ہر طرف گولہ باری کرنے لگے تاکہ ترکوں کو کسی طرف سے بڑھنے کا موقع نہ ملے۔

برابر چار گھنٹہ تک گولہ باری ہوتی رہی۔ترک لوگ خواہ خود ہی نہ بڑھے۔یا انہیں بڑھنے کا موقع ہی نہ ملا۔اب دس بج چکے ہیں اور آفتاب تیزی پر ہے۔اسلحہ دھوپ میں چمک رہا ہے۔سینٹ نکولس کے جنوب و مشرق کی جانب ایک چھوٹی سی نہر تھی جو شمالی پہاڑوں کو قطع کرتی ہوئی قلعہ کے نیچے ہو کر دریا میں گرتی تھی اور اس نہر سے قلعہ کے اردگرد خندقوں میں پانی پہنچایا گیا تھا اور اس طرف ترکوں نے کوئی مورچہ بھی نہیں قائم کیا تھا۔کیونکہ ادھر کی زمین بالکل غیر ہموار تھی اور زیادہ نشیب و فراز کی وجہ سے توپوں کے لے جانے کا کسی طرح موقع نہیں مل سکتا تھا اور شاید سبب سے روسیوں کو اس جانب سے اطمینان تھا۔

مشرق و شمال کی طرف سے ترکوں نے قلعہ پر دھاوا کیا۔ان کی توپیں پہاڑیوں سے اُتر اُتر کر آگے بڑھیں اور ادھر سے مصطفےٰ پاشا نے جنوبی محاصرہ کرنے والوں کو بھی بڑھایا۔تیسری طرف سے جہازوں نے اور زیادہ سرگرمی سے گولہ باری شروع کی۔روسی ان چاروں طرف سے حملہ آوروں کے جواب دینے میں اس قدر مشغول تھے کہ اور کسی طرف کا خیال نہ رہا۔ترکوں کے دس ہزار پیادے پہاڑوں کی

آڑ سے چھپ کر نہر میں اُترے اور نشیب ہی نشیب میں ہوتے ہوئے عین قلعہ کے نیچے پہنچ گئے۔ ان لوگوں میں سے کچھ لوگ خندق سے بھی گزر چکے تھے۔ کہ روسیوں کو معلوم ہوا اور فوراً خوف کی جلدی سے کام لے کر کچھ لوگ ان چالاک ترکی سپاہیوں کے مقابلہ میں آ گئے۔ اگر چہ برابر باڑھیں مار رہے تھے۔ مگر ترکوں کے قدم نہ رکتا تھا۔ وہ برابر بڑھتے ہی جاتے تھے مصطفےٰ پاشا کے حکم سے ترکوں کے جنوبی توپخانے نے عین اُس مقام پر گولے اُتارنا شروع کیے جہاں سے روسی لوگ ترکی پیادوں پر باڑھیں مار رہے تھے۔

غرض موقع پا کر ترکوں نے قلعہ سینٹ نکولس کے مشرقی کونے پر قبضہ کر لیا۔ ایک ترک افسر نے یہ بڑی چالاکی کی کہ فوراً اس کونے پر ترکی جھنڈا اڑا دیا۔ اُس جھنڈے کو لہراتے دیکھنا تھا کہ چاروں طرف ترکوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ خوشی اور کامیابی کا باجا بجنے لگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت ترک لوگ گویا قلعہ پر قبضہ کر چکے تھے۔ مگر روسیوں نے اپنے دلوں کو مایوس نہ ہونے دیا۔ بڑی مستعدی سے ترکوں کے مقابلہ کو آمادہ ہو گئے۔ قلعہ کے اس پہلو پر اب دونوں طرف کے سپاہی بڑی جوانمردی دکھا رہے ہیں اور سنگین چل رہی ہے۔ سنگین جو ابھی تک پوری آب و تاب کے ساتھ آفتاب کی شعاعوں میں چمکتی رہی تھیں۔ خون آلود ہو ہو کر بے آب ہو گئیں۔ اس کے علاوہ اب شمالی طرف کے سوار اور پیادے بھی بڑھ کر قلعہ کے نزدیک پہنچ گئے ہیں۔ اور برابر باڑھ پر باڑھ مار رہے ہیں اور ترکی گولے آ کر قلعہ میں ایسی مہیب آوازوں سے پھٹے ہیں کہ عرصہ حشر روسیوں کو نظر کے سامنے ہو گیا۔

یکا یک ترکی شمالی فوج پر ایک ایسی مصیبت پڑ گئی کہ ترکوں کو بڑی سخت زک اُٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ وہ معمولی رفتار میں ہمت اور بہادری کے ساتھ قلعہ سینٹ نکولس

پر گولہ اندازی کرتے چلے آتے تھے کہ ان کے پیچھے سے باڑھیں پڑنا شروع ہوئیں۔آناً فاناً بہت سے ترک قومی جوش اور تاج کی محبت میں نذر اجل ہو گئے۔

سینٹ نکولس والوں کو جس روز معلوم ہو گیا تھا کہ مصطفٰے پاشا کی خاص توجہ اس قلعہ کی جانب ہے۔انہوں نے اپنے اعلیٰ افسر کو رپورٹ کر کے مدد مانگی تھی اور برابر روسی فوجیں اُس قلعہ میں آ کر جمع ہوتی جاتی تھیں اور ہنوز ان کی مدد کا سلسلہ موقوف نہیں ہونے پایا تھا۔اس سے ایک دن پیشتر طفلیس سے دس ہزار روسی سوار روانہ ہوئے تھے کہ قلعہ سینٹ نکولس والوں کو اور تقویت دیں ان لوگوں نے شمالی پہاڑیوں کے پہلو میں پہنچ کر دیکھا کہ ترک دھاوا کر کے عین قلعہ کے نیچے پہنچ گئے ہیں اور قلعہ کے ایک کونے پر عثمانی پھریرا اڑ رہا ہے۔وہ لوگ فوراً وہیں تیار ہو گئے اور دو حصوں پر منقسم ہو کر بڑھے۔یہاں لوگ لڑائی میں اس قدر محو ہو رہے تھے کی کسی کو خبر نہ ہوئی اور انہوں نے قریب پہنچ کر باڑھیں ماریں۔

وہ ہی چار باڑھوں میں ساڑھے چار ہزار ترک گر پڑے۔باقی سپاہیوں کو ہوشیار ترکی افسر بھی پھرتی سے ہٹا کر مشرق کی طرف لے آتا اور اس شکست نے مجبوراً انہیں ان لوگوں کے قریب پہنچا دیا جنہوں نے قلعہ پر چڑھ کر اپنا جھنڈا گاڑ دیا تھا۔شاید ہو لوگ بھی زک اُٹھا کر قلعہ سے واپس آتے،مگر اس قدرتی مدد نے اُن کے قدم اور جما دیے۔مگر پھر بھی ترکوں کا بہت نقصان ہوا۔کیونکہ شکست اُٹھانے والے ساڑھے چار ہزار لاشوں کے ساتھ چھ توپیں بھی چھوڑ آئے تھے۔جن پر روسیوں نے بڑھ کر قبضہ کر لیا۔

اب ترکوں کو اپنی توجہ دو جانب منقسم کرنا پڑی۔ایک حصہ فوج تو سینٹ نکولس ہی پر یورش کرنے میں مشغول رہا اور دوسرے حصہ والوں نے ارادہ کیا کہ ترتیب اور اصول سے صفیں باندھ کر بڑھیں اور اُن دس ہزار روسیوں کو پسپا کر دیں جو سینٹ

نکولس میں داخل ہوا چاہتے ہیں۔ ایک بہادر اور جانباز افسر جو خلیل پاشا کے خطاب سے ممتاز تھا اُن کا مقابلہ کو بڑھا۔

دونوں فوجیں آتش بازی کے جوہر دکھاتی جاتی تھیں اور قریب ہوتی جاتی تھیں لیکن ترکوں کو ایک نئی مصیبت نظر آئی وہ یہ کہ روسی سینٹ نکولس سے بھی ان پر گولے اور گولیاں برسا رہے تھے۔ مجبوراً انہوں نے اپنا میدان چھوڑ دیا اور قریب کہ پہاڑیوں کی آڑ پکڑ کر اپنے دشمنوں کا مقابلہ شروع کیا۔ اب ایک طرف تو ترکی توپیں قلعہ پر گولے برسا رہی تھیں۔ اور ایک طرف مشرقی پہاڑیوں سے ایک گروہ اُن روسیوں سے سخت مقابلہ کر رہا تھا۔ جو قلعہ کے شمالی میدان میں قدم جمائے کھڑے تھے اور کسی طرح ہٹنے کا نام نہ لیتے تھے۔ مگر ترکی مشرقی سپاہیوں نے انہیں اس درجہ اپنی لڑائی میں مشغول کر لیا تھا کہ انہیں اور کسی طرف کا خیال بھی نہ تھا اور اس اطمینان نے اور بھی انہیں بے پرواہ کر دیا کہ قلعہ والے اور کسی طرف سے ترکوں کو ہم پر حملہ کرنے کا موقعہ نہ دیں گے اور بے شک قلعہ والوں نے اس امر میں بڑی کوشش کی۔ مگر وہ ترک جو شینٹ نکولس کے جنوبی میدان میں تھے۔ وہ مصطفےٰ پاشا کی اجازت سے قلعہ پر برابر گولے برساتے ہوئے مغرب کی طرف گئے۔ جدھر سمندر تھا اور اُدھر سے بڑھ کر شمال کی طرف آ گئے اور کھلے میدان سے ان روسیوں پر جو شمالی میدان میں تھے۔ ایسی باڑھیں اور کرابین مارنا شروع کیں کہ تھوڑی دیر میں وہ بدحواسی کے ساتھ پسپا ہو گئے۔ اُن کا یہ اضطراب دیکھ کر اُن ترکوں نے بھی حملہ کر دیا جو شرق کی پہاڑیوں سے اُن کا مقابلہ کر رہے تھے۔ آخر روسیوں کو اس کے کسی بات میں مضر نہ ہوا کہ بھاگ کھڑے ہوئے اور شمالی گھاٹیوں میں ہو کر ارادہ کیا کہ طفلیس میں جا کے پناہ لیں

ترکوں کی ان جانبازی کی کوششوں نے قلعہ والوں کو بیرونی کمک سے مایوس

کر دیا۔ اب پھر ترکوں نے خاص قلعہ پر پوری توجہ کی وہ ترک جو قلعہ سینٹ نکولس کے مغربی اور جنوبی دہسوں پر چڑھ گئے تھے۔ وہ اب تک وہیں تھے اور اس وقت سے اب تک برابر سنگینوں اور تلواروں سے روسیوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ ترکی پہریرا اب تک ان کے درمیان میں اڑ رہا ہے۔ ترکوں کو یہی امر مناسب ہوا کہ اپنے انہیں سپاہیوں کو قوت دیں، جو قلعہ پر چڑھ گئے تھے۔ غرض سب طرف سے ترکی پیادوں نے سمٹ کر اسی طرف توجہ کی اور بڑے ہجوم اور جوش سے قلعہ پر چڑھنے لگے۔ یہ عالم دیکھ کر روسیوں کو یقین آ گیا کہ اب قلعہ پر ترکوں کا قبضہ ہوا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ اب قلعہ میں داخل ہو گئے اور ان کو روکنا نہایت مشکل ہے۔ مگر انہوں نے ایک آخری ایسی کوشش کی کہ قریب تھا کہ ترک پسپا ہو کر قلعہ چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ ان کی یہ آخری کوشش نہایت مہیب تھی اور وہ بڑے بہادر تھے۔ جنہوں نے جوانمردی سے اُس کوشش کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ سنگینیں اور تلواریں قریب والوں کو جانبازی کا موقع دیتی ہیں۔ گولیاں سہولت سے آتی ہیں اور یک بیک مرگ مفاجات کا سماں دکھا دیتی ہیں۔ جا بجا لوگوں کو پھٹنا ایک حشر پیا کر کے اور بہتوں کا کام تمام کر کے پھر سپاہیوں کو لڑائی پر آمادہ کر دیتا ہے۔ توپوں اور بندوقوں کی آوازیں برابر آ رہی ہیں۔ اور کسی طرح سکوت نہیں ہوتا۔

اب دن آخر ہو گیا ہے۔ آفتاب سمندر کی سطح کے قریب پہنچ چکا ہے اور یہاں کوشش ہو رہی ہے کہ کسی طرح آج ہی فیصلہ ہو جائے۔ ترک چونکہ بڑے ہجوم سے اوپر چڑھ گئے تھے اور برابر چڑھتے چلے آتے تھے۔ اس وجہ سے روسیوں کی تمام کوششیں بے کار ہو گئی تھیں۔ روسیوں کی زیادہ سرگرمی ہی نے انہیں دوسری زک دلوائی۔ وہ یہ کہ جب اُن کی تمام فوج اُس مقام پر آ گئی۔ جہاں ترکی سپاہی قلعہ پر چڑھ آئے تھے۔ اس وقت مصطفےٰ پاشا نے حکم دیا کہ سینٹ نکولس کے مغربی پہلو پر

حملہ کریں۔ جدھر سے روسیوں کو اطمینان تھا کہ ادھر فوج نہیں ہے، بلکہ صرف جہاز ہیں۔ جو دور ہی سے گولہ باری کرتے رہیں گے۔ ترکوں نے اپنے آپ کو اس خوبصورتی اور ہوشیاری سے اس جانب قلعہ کے وہسوں پر پہنچا دیا کہ روسیوں کو حیرت ہوگئی۔ ادھر بھی مسلمان سپاہیوں نے اپنی معمولی کاروائی کی کہ جاتے ہی اپنا ہلالی جھنڈا گاڑ دیا۔ پرچم کو قلعہ کے مغربی وہسوں پر اڑتے دیکھ کر روسی بدحواس ہو گئے اور ترکی باقی ماندہ فوج دوڑی کہ خود بھی سینٹ نکولس میں داخل ہو جائے۔ ترک سپاہیوں نے قلعہ میں داخل ہو کر روسیوں کو اپنے نزدیک کی لڑائی میں مشغول کر لیا اور توپوں کے فائر گویا موقوف کر دیے۔

اب کیا تھا ترکوں کی تمام پیادہ فوج قلعہ میں داخل ہو کر ادھر اُدھر پھیل گئی۔ کئی پلٹنوں نے بڑھ کر پھاٹک پر قبضہ کر لیا اور پھاٹک کھول دیا۔ ترکی سوار اب قلعہ ہی میں تھے اور لڑائی بالکل اختتام پر پہنچ گئی۔ اگرچہ روسیوں نے قلعہ ہار دیا تھا۔ مگر ان کے دل نہیں ہارے تھے۔ برابر مقابلہ کر رہے تھے اور سنگینیں اور تلواریں ان کی جرات اور مضبوطی کو ظاہر کر رہی تھیں۔ لیکن ترکوں نے شام ہوتے دیکھ کر ہر طرف حملہ کر کے توپیں اپنے قبضہ میں کر لیں اور روسیوں کے پاس اب باروت وغیرہ بھی نہیں رہی تھی۔ کیونکہ تمام سامانِ جنگ پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ آخر اُن کو صرف یہی بن پڑی کہ بھاگنے کا ارادہ کریں۔ دیکھا تو پھاٹک بند تھا اور مضبوط ترکی رسالے راستہ جو روکے ہوئے تھے۔ مجبوراً مختلف وہسوں سے کود کر بھاگے اور اپنی جان بچا کر جو قلعہ سے نکل سکا۔ سیدھا طفلیس کو رانہ ہوا۔

ترکوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور ہلالی جھنڈا سینٹ نکولس پر اُڑنے لگا۔ سپاہیوں نے کمریں کھولیں اور نہایت مضبوطی سے قلعہ کے چاروں طرف اپنے اصول کے موافق توپیں لگائیں اور آرام میں مشغول ہوئے تمام افسروں نے آ کر

مصطفےٰ پاشا کو مبارک باد دی اور قسطنطنیہ کو فتح کا تار دیا گیا۔

ایک ترک: اب تو یہ قلعہ ہمارے قبضہ میں آ گیا اور ہم نے بڑی کامیابی حاصل کی اور اب شاید اس میدان میں روسی ہمارا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

مصطفےٰ پاشا: مجھے بھی اطمینان ہو گیا۔ میرا ارادہ ہے کہ اب دو ایک ہفتہ کے لیے جا کر دیکھوں۔ ہمارے دوست اور ہمدرد ایرانی مجاہدوں نے کیا کاروائی کی۔ اصل یہ ہے کہ ہماری باضابطہ فوجوں سے وہ زیادہ کامیابی دکھا رہے ہیں۔ روسیوں کو انہوں نے بہت بڑی زکیں دیں۔ اگر چہ عمر پاشا خاص کریمیا میں بڑی فتح مندیوں سے روسیوں کو شکستیں دے رہے ہیں۔ مگر ہم کو اور ہمارے ساتھیوں کو کوئی ایسی فتح نہیں حاصل ہوئی کہ ہم ان پُر جوش مجاہدوں کی برابری کا دعوے کر سکیں۔ ہاں یہ پہلی فتح جس کی وجہ سے ہم قلعہ سینٹ نکولس پر قابض ہوئے۔ یہ البتہ ہمارے کارناموں میں ایک کارنمایاں ہے۔

ایک ترکی افسر: بے شک آپ تشریف لے جائیں اور یہاں تو اب عمدہ طور پر لڑائی جاری رہ سکتی ہے۔ اب ممکن نہیں کہ روسی ہمیں اس قلعہ سے نکال سکیں۔

مصطفےٰ پاشا: مگر میں یہاں کس کو تمام امور جنگ کا مختار کر جاؤں

ترکی افسر: ایسے شخص کو آپ کے ہوتے اور کون منتخب کر سکتا ہے۔

مصطفےٰ پاشا: میں چاہتا ہوں کہ خلیل پاشا کا یہاں کی لڑائیوں کا چارج دے جاؤں۔

ترکی افسر: نہایت عمدہ رائے ہے اور سب لوگ خلیل پاشا کی افسری پسند کریں گے۔

مصطفےٰ پاشا نے اسی وقت پاشا کو سرداری کا چارج دیا اور تمام افسروں کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ میں کل صبح جاؤں گا۔ اب تمہارا کام ہے کہ نہایت ہوشیاری

سے روسیوں کی مزاحمت کرو۔ اور خلیل پاشا تم کو میں نے لائق اور مدبر اور بہادر تصور کر کے اس کام پر مامور کیا ہے اور یقین ہے کہ تم اپنی افسری کی خدمت کو نباہتے شائستگی سے سرانجام دو گے۔ مجھے برابر خبر دیتے رہنا اور جب ضرورت ہوتا ردے دینا۔ اُسی وقت آجاؤں گا۔ یہ کہہ کر مصطفےٰ پاشا نے سب افسروں کو رُخصت کیا اور خود اپنے خیمے میں جا کر سو رہے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

قلعہ اسکندروپول

مصطفٰے پاشا جس وقت اسکندروپول میں پہنچا۔ اُس وقت مرزا عباس قلعہ کا محاصرہ کیے پڑا تھا۔ اسکندروپول کے مشرقی جانب مرزا عباس اور اُس کے ہمراہی مجاہدین تھے اور مغرب کی طرف حمید پاشا اپنی باضابطہ فوجوں کے لیے ہوئے پڑا تھا۔ مصطفٰے پاشا نے مشرقی پہلو پر خاص مرزا عباس کے خیمے کے برابر خیمہ نصب کرایا اور تمام افسروں کو بلا کر حکم دے دیا کہ کل صبح پہلی لڑائی ہوگی۔ جس طرح ممکن ہو کوشش کر کے قلعہ اسکندروپول پر قبضہ کرلو۔ مصطفٰے پاشا اپنے ساتھ ہی بہت سی ترکی فوج لیتے آئے تھے اور سامان جنگ بھی یہاں اب کافی طرح پر بہم پہنچ گیا تھا۔ اب ان مجاہدین کو ایسے جوش کی ضرورت نہیں رہی تھی کہ اپنے بہت سے سپاہی کٹوا کر غنیم پر فتح حاصل کریں۔ کیوں کہ پورے سامان جنگ و باروت وغیرہ کے مہیا ہو جانے سے وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ دشمنوں پر حملہ کرتے وقت بہت کچھ اپنی حفاظت کا بھی خیال رکھیں۔ مصطفٰے پاشا نے حمید کو بھی صبح کی لڑائی پر بہت زیادہ مستعد کر دیا۔

رات باتوں میں ہی گزر گئی۔ کیوں کہ مصطفٰے پاشا مرزا عباس کی باتوں کی بڑی دلچسپی سے سنتا تھا۔ اور اُس کی کارگزاریوں اور بہادریوں نے جہاں اُسے ہر ایک کے نزدیک باوقعت ثابت کر دیا تھا۔ وہاں مصطفٰے پاشا کو بھی اس سے بڑی محبت ہوگئی تھی۔

مصطفٰے پاشا: مرزا عباس۔ میں نے تمہاری بہادریوں کی بڑی تعریف سُنی ہے۔ بیان کرنے والوں نے تمہیں ایک قصہ کا ہیرو بنا دیا۔ میں تمہاری زیارت کا نہاتے مشتاق تھا۔ اب شوق ہے کہ تمہاری جوانمردیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں خدا ہر ایک مسلمان کے دل میں جوش پیدا کرے۔ مگر یہ بھی یقین جانو کہ ساری دُنیا

روس کا لوہا مان گئی ۔مگر ترکوں کے دل پر ایک شمہ برابر بھی روس کا اثر نہیں پڑا ۔

مرزا عباس: ترکوں کی نسبت آپ کے فرمانے کی کچھ ضروت نہیں ۔ان کی بہادریاں دُں یا کو کبھی نہ بھولیں گی ۔میں تو دیکھتا ہوں کہ باوجود اس عظمت وحیرت کے روس نے اگر کسی کا لوہا مانا تو صرف ترکوں کا ۔

مصطفےٰ پاشا: مگر یہ تمہاری بہادریاں بھی اب روس کو مدتوں یاد رہیں گی ۔اصل یہ ہے کہ اس لڑائی میں تم نے ہم سے زیادہ اُن کو زکیں دیں ۔خدا انجام میں بھی ہم ہی کو کامیاب کرے ۔

مرزا عباس : اب تو صبح ہوا چاہتی ہے ۔ہمیں لڑائی کا سامان کرنا چاہیے ۔

مصطفےٰ پاشا: بے شک؛

دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے ۔سپاہی صفوں میں مرتب ہو کر ہر چہار طرف کھڑے ہو گئے ۔اور افتتاح جنگ کا پہلا فائر خاص مصطفےٰ پاشا کے ہمراہی ترکوں نے کیا۔ اسکندروپول میں روسیوں کی بہت سے فوج موجود تھی ۔انہوں نے فوراً جواب دینا شروع کیا۔اگر چہ اب یہاں مصطفےٰ پاشا جنرل سپہ سالار افواج اسلامیہ موجود تھے ۔مگر انہوں نے بوجہ اس کے کہ مجاہدوں کی پُر جوش لڑائی کا تماشہ دیکھنا چاہتے تھے ۔لڑائی کے تمام معاملات کو مرزا عباس کی رائے پر چھوڑ دیا۔حسبِ معمول ابتدائی لڑائی کا دارومدار بالکل توپوں پر تھا۔اگر چہ مجاہدین عجم کے پاس توپوں اور گولے باروت کی جس قدر کمی تھی ۔اس کو اب مصطفےٰ پاشا نے پورا کر دیا تھا ۔مگر پھر اُن پُر جوش مجاہدوں کو تلواروں اور سنگینوں ہی سے لڑنے میں مزہ آتا تھا۔ مرزا عباس اپنے عام سپاہیوں کے مذاق کا اندازہ کر کے اسی تدبیر میں تھا کہ جس قدر جلد ہو سکے ،توپوں بلکہ بندوقوں کی بھی لڑائی موقوف کر کے روسیوں سے کلہ بہ کلہ مقابلہ کرے ۔مگر ایک ایسے قلعہ میں جو موجودہ اصولِ جنگ پر بنا گیا ہو اس قسم کے

ارادوں میں بہ مشکل کامیابی ہوسکتی تھی۔اور اسی خیال سے مصطفٰے پاشا کو بڑی حیرت معلوم ہوئی جب دیکھا کہ مرزا عباس جلدی بڑھنے اور عین قلعہ کے وہسوں کے نیچے پہنچ جانے کی کوشش کر رہا ہے۔مرزا عباس نے عین اُسی حالت میں جب کہ توپیں چل رہی تھیں اور عمروں کا سلسلہ ناگہانی صدمات سے ٹوٹ رہے تھے قلعہ اسکندروپول کے گرد ایک چکر لگایا۔تاکہ دریافت کرے کہ کس طرف زیادہ موقع ہے کہ حملہ کیا جائے یہ قلعہ ایسا مضبوط تھا کہ کسی طرف سے معقع نہ ملا۔مگر ایک بُرج جدھر شاید کسی سردار فوج کا مکان تھا اُس کے آگے وہس بندی تو ضرور کردی گئی تھی۔ مگر دو رہی تین توپیں لگی تھیں اور زیادہ فوج بھی نہ تھی۔جس کی بندوقوں سے خوف ہو۔مرزا عباس نے اپنے دل میں فیصلہ کرلیا کہ اسی طرف سے قلعہ پر حملہ کرے۔یہ قلعہ کا شمالی پہلو تھا اور اس کی محاذات میں حمید پاشا کی فوج کا ایک حصہ پڑا ہوا تھا۔ ایرانی نامور سردار نے حمید پاشا سے مل کر کہہ دیا کہ آپ اس طرف زیادہ زور نہ دیجیے گا۔کیونکہ میرا ارادہ ہے کہ اسی طرف سے اپنے سپاہیوں کو قلعہ پر پہنچاؤں۔لہذا آپ کوشش کیجیے کہ روسی لوگ ادھر سے غافل ہیں۔اس کے بعد مرزا عباس اپنے ہمراہیوں میں گیا اور اُن کو ہوشیاری اور جرات کے ساتھ آگے بڑھانے لگا۔ترکی سپاہی تو برابر اپنے اصول اور قواعد کے مطابق قلعہ پر گولہ باری کر رہے تھے۔مگر ایرانی مجاہدین مرزا عباس کے ساتھ ساتھ برابر آگے بڑھتے جاتے تھے۔یہاں تک کہ اتنی دور پر پہنچ گئے جہاں روسیوں کی گولیوں نے بازار مرگ لگا دیا تھا۔ایرانیوں نے ابھی تک قلعہ کے اُس پہلو کا رُخ بھی نہ کیا تھا۔جدھر سے قلعہ پر قبضہ کرنے کی تجویز کی گئی تھی۔وہ روسیوں کے سامنے تھے اور اُن پر گولیاں برساتے چلے جاتے تھے۔

اب ایرانی بالکل قلعہ کے نیچے پہنچ گئے تھے۔روسیوں نے اسی خیال سے کہ

یہ آگے قدم نہ بڑھا سکیں۔ نہایت سخت باڑھیں مارنا شروع کیں۔ یکا یک ایرانیوں کے دو حصے ہو گئے۔ ایک حصہ تو اس طرف روسیوں کے مقابلہ پر رہا۔ دوسرے حصے نے شمالی پہلو کا رُخ کیا۔ خود مرزا عباس اس حصہ کے ساتھ تھا۔ وہ فوراً وہسوں کے نیچے پہنچ گیا۔ جو تھوڑے سے روسی اُس مقام پر تھے۔ انہوں نے حتی الامکان بہت روکا۔ مگر مرزا عباس ایسے پُر جوش بہادر کو کون روک سکتا تھا۔ وہ بجلی کی طرح وہسوں پر جا پڑا اور تمام روسیوں کو جو مزاحم ہوئے قتل کر کے اپنے چار ہزار مجاہدوں کو بھی چڑھا لے گیا۔ مرزا عباس نے اسی وہس پر کھڑے ہو کے جھنڈے کے اشارے سے مصطفےٰ پاشا علی پاشا اور نیز حمید پاشا کو بتا دیا کہ اس نے قلعہ کے اُس رُخ پر قبضہ کر لیا اور اس طرف کا میدان صاف ہو گا ہے۔ کل فوج ادھر ہی سے ہو کر قلعہ پر پہنچ سکتی ہے۔ مغرب کی طرف سے حمید پاشا اور مشرق کی طرف سے علی پاشا دونوں بہادرانہ حملہ کرتے ہوئے قلعہ کے شمالی پہلوؤں پر پہنچ گئے۔

اب ترکی جھنڈا ابھی قلعہ پر گاڑ دیا گیا اور روسیوں سے دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ اس لڑائی میں ہمیشہ پالا مسلمانوں کے ہاتھ رہا کیا۔ دو ہی تین گھنٹہ میں روسیوں کو یقین ہو گیا کہ اب مقابلہ کرنا خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اب وہ سوچنے لگے کہ کیونکر قلعہ سے باہر نکلیں۔ اس لیے کہ قلعہ کے تمام دروں پر ترکی فوجیں کثرت سے تھیں اور کسی کو جرات نہ ہو سکتی تھی کہ ادھر سے نکلنے کا قصد کر سکے۔ کچھ دیر اسی اضطراب میں گزری اور آخر جب ہر روسی کو اپنی موت آنکھوں سے نظر آنے لگی۔ تو سوا اس کے کچھ نہ بن پڑی کی مختلف اطراف و جوانب سے کُود کُود کر بھاگنے لگے۔ قریب قریب کل روسی قتل ہو گئے اور شاید دو ہی تین ہزار اپنی جانیں بچا کر بھاگ سکے ہوں گے۔

سب طرف سے اطمینان ہو گیا تو مرزا عباس نے آ کر مصطفےٰ پاشا کو فتح کی

مبارکباد دی۔ مصطفےٰ پاشا نے مرزا عباس کی جرات اور بہادری کی تعریف کی اور کہا۔ تمہاری جانبازیاں جب تک اس جوش کے ساتھ رہیں گی۔ ممکن نہیں کہ روسی ایک قدم بھی آگے بڑھا سکیں۔ تم ہمیشہ ان لوگوں کو شکست دے دو گے۔

مرزا عباس: میں کیا ہوں اور کوئی کیا کر سکتا ہے۔ یہ صرف خدا کہ مہربانی ہے وہ اپنے سچے دین کی مدد کرتا ہے۔

مصطفےٰ پاشا: بے شک بے شک۔ اگر دنیا وہ طمع سے لڑتے تو ممکن نہ تھا کہ کسی ایرانی سپاہی سے ایسی بہادری ظاہر بھی ہوتی۔ اصل یہی ہے کہ خدا نے تمہارے دل روشن کر دیے اور اپنے دین کی محبت تمہارے دل میں ڈال دی۔ جب تم اس کے دین کی مدد کو اُٹھے تو اس نے بھی ہر مقام ہر تمہاری مدد کی۔

مرزا عباس: دُعا دیجیے کہ خدا ہمارے دلوں میں ایسی ہی نیک نیتی اور خالص دینی جوش کو قائم رکھے۔ س

مصطفےٰ پاشا: افسوس۔ ترکوں اور ایرانیوں کی مخالفتوں نے اسلام کو کیسا ضعیف کر دیا اور باہمی عداوتیں اس درجہ ترقی کرتی گئیں کہ ابتداً جب میں نے تمہارے جوش اور آمادگی کا حال سنا تو مجھے یقین ہی نہ آیا تھا تو خیال ہوتا تاھ کہ اس میں بھی کوئی دھوکا ہوگا اور سچ تو یوں ہے کہ اگر شہزادہ حسن کی تحریک نہ ہوتی تو مجھے ہر گز اعتبار نہ ہوتا اور ہاں شہزادہ سے آپ کی ملاقات کہاں ہوئی؟

مرزا عباس: ایک عجیب مقام پر اور عجب طرح سے ملاقات ہو گئی۔ آپ معاف فرمائیے۔ میں اُن کا حال ابھی آپ سے نہیں بیان کر سکتا۔ ابوہ زمانہ قریب آگے اہے۔ جب اُن کا حال آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ بلکہ وہ خود آپ سے ملیں گے۔

مصطفےٰ پاشا: خدا جانے وہ کہاں ہیں۔ ہمارا ایک بوڑھا تجربہ کار افسر بھی اُن

کی تلاش میں گیا۔مگر اس کا بھی پتہ نہیں۔

مرزا عباس: محمود پاشا؟ وہ بھی ان کے ہمراہ ہیں۔مگر نہ بتاؤں گا کہ کہاں ہیں۔

مصطفےٰ پاشا: ہم لوگوں میں بلکہ باب عالی میں بھی ان کا مفقود الخبر ی سے بڑی تشویش ہے۔اگر معلوم ہو جاتا تو بہتر تھا۔مگر آپ نہیں ظاہر کر سکتے تو آپ کو مجبور بھی نہ کروں گا۔یہ کہہ کر مصطفےٰ پاشا نے مرزا عباس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے خیمے میں لیے چلا گیا۔

مصطفےٰ پاشا: مرزا عباس صاحب مجھے ایک پوشیدہ بات آپ سے کہنا ہے۔

مرزا عباس: (متوجہ ہو کر) فرمائیے۔

مصطفےٰ پاشا: میں نے آج کی رات آپ ہی لوگوں میں گزاری اور الحمد اللہ کہ آپ کے ہر ہر شخص کو تنہا درجہ کا پُر جوش پایا۔صبح کی نماز جس ذوق وشوق سے آپ کے لوگوں نے ادا کی ہے۔اس پر مجھے حسد آتا ہے۔مگر ایک بات کا افسوس آتا ہے۔

مرزا عباس: وہ کون بات ہے؟ آپ جو حکم دیں گے۔میں حتی الامکان اُس کی تعمیل کروں گا۔اور آپ کے ارشاد کو ہر شخص بسر وچشم تسلیم کرے گا۔بلا تامل ارشاد فرمائیے۔

مصطفےٰ پاشا: آپ کے موذن نے اذان میں کہا تھا۔''اشہدان علیاً ولی اللہ خلیفتہ اللہ بال فصل''۔اس میں خلیفہت بالفصل ایک ایسا لفظ ہے جو ہمارے ترکی سپاہیوں کو ناگوار گزرے گا۔مجھے زیادہ کلام نہیں۔مگر خوف ہے کہ کہیں باہمی مخالفت نہ شروع ہو جائے اس وقت تک آپ کے ساتھ ترکی فوجیں نہ تھیں۔تھوڑے سے لوگ جو ہیں۔ان کو علی پاشا اپنی سنجیدگی اور متانت کی وجہ سے سمجھاتے رہیں گے۔مگر ہماری زیادہ فوجیں آ گئیں تو بڑا بھاری فساد ہو جائے گا۔

یہ سن کر مرزا عباس دیر تک خاموش رہا اور اس کے بعد کہنے لگا۔ اول تو اس امر میں مجھے ہرگز اُمید نہیں کہ ایک شخص بھی میری اطاعت کرے۔ کیونکہ عموماً سب کے سب دینی جوش میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ جناب امیر کے بارے میں اگر کوئی مذہبی نزاع پیدا ہوگئی تو یہ سب لوگ اپنی جان دینا گوارا کرلیں گے اور یہ نہ گوارا ہوگا کہ سینوں کی رعایت کریں۔ علاوہ بریں جب ہم لوگ صرف ایک قومی غیرت سے آپ کی مدد کو آئے ہیں۔ اس کے معاوضہ میں نہ آپ سے مال چاہتے ہیں۔ نہ دولت کے خواہاں ہیں۔ نہ ہم کو اس ملک کی طمع ہے، جس کو ہم فتح کریں گے۔ اور خیال کیجیے کہ صرف جان ہی دینا ہمارا کام ہے۔ اگر دنیاوی حیثیت سے دیکھا جائے تو ہم کو کوئی نفع نہیں باوجود اس بے طمع ہمدردی اور اعانت کے کیونکر ہوسکتا ہے کہ اپنے مذہبی شعار کو بھی علانیہ ظاہر کرنے کے ہم مجاز نہ ہوں آپ غور فرمائیے کہ اگر ترک ہم سے اس قسم کی اُمدے رکھیں تو ان کا یہ خیال کس قدر بیجا ہوگا۔

مصطفےٰ پاشا: شاید آپ کو خیال ہوگا کہ میں خود اس امر میں کچھ تعصب رکھتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آپ اپنے دینی شعار سے دست بردار ہو جائیں۔ مگر میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے ذرا تعصب نہیں۔ صرف یہ خیال ہے کہ اگر کہیں یہ خیال عام غیر تعلیم یافتہ ترکوں میں پیدا ہوگیا تو بڑی خرابی ہوگی اور اس لڑائی کے زمانے میں ہماری کاروائیوں کو بہت نقصان پہنچ جائے گا اور یقین جانو کہ جب تک اس بات کا خیال نہیں پیدا ہوتا غنیمت ہے اور جس روز کسی کی زبان سے نکل گیا۔ اسی روز درہمی برہمی ہو جائے گی اور تمام تدبیریں بگڑ جائیں گی۔ اگر آپ سے ہو سکے تو للہ روکنے کے کوشش کیجیے۔

مرزا عباس: نہیں تو یہ نہ ہو سکے گا۔ اپنی جان کو خدا کی راہ میں فدا کرتے وقت ہم اپنے عقائد کو نہ چھپائیں گے۔

مصطفےٰ پاشا: خیر میں نے مصلحتاً کہا تھا۔ پھر دوبارہ زبان سے نہ نکالوں گا۔ اور آپ بھی اس امر کو کسی پر ظاہر نہ کیجیے گا۔ کیونکہ اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو آج ہی نا اتفاقی اور باہم قتل وخون کا بازار گرم ہو جائے گا۔

مرزا عباس: میں کسی کے سامنے اس بات کو نہ دہراؤں گا۔

مصطفےٰ پاشا: اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟ یہاں سے کہاں کا قصد کیجیے گا۔

مرزا عباس: میں ابھی شمال کی طرف آگے بڑھنا نہیں مناسب خیال کرتا ہوں۔ ہمارے بہادر ترکوں نے سینٹ نکولس لے لیا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اُن تمام مقامات پر جو ترکی سرحد کے قریب قریب سواحل بحر اسود تک چلے گئے ہیں۔ اُن پر قبضہ کرتا اور بڑھتا چلا جاؤں۔ بلکہ آپ بھی حکم دیجیے کہ ترک لوگ ادھر مشرق کی طرف بڑھیں اور ہم مغرب کی طرف جا رہے ہیں۔ جب تمام شہروں پر قبضہ کر کے ہماری دونوں فوجیں مل جائیں گی تو دورور قیام کر کے ہم آگے بڑھیں گے۔ ایک طرف سے آپ ترکی فوج کو بڑھائیے گا اور ایک طرف سے میں اپنے مجاہدوں کو بڑھاؤں گا۔

مصطفےٰ پاشا: یہ ظاہر یہی رائے مناسب ہے اور حتی الامکان اسی رائے پر میں بھی عمل کروں گا۔ لیکن شاید بعض ضرورتیں مجھے سواحل میں شمال کی طرف بڑھنے پر مجبور کر دیں گے۔ کیونکہ اصل لڑائی عمر پاشا کی رائے پر ہے۔ وہ زیادہ تر دریائی لڑائی پر زور دے رہے ہیں۔ اس وجہ سے کیا عجب ہے کہ ہمیں سواحل کی طرف سے بڑھنا پڑے۔

مرزا عباس: ہاں اگر ایسا ہوا تو مجبوری ہے۔ مگر آپ اپنی فوج کے دو حصے کر کے ایک سیلا دسواحل پر ایک سے وسط ملک گرجستان پر فوج کشی کر سکتے ہیں۔ اور بلا وسواحل کے لیے تو آپ کے جہاز بھی کافی ہیں

مصطفےٰ پاشا: مگر ہاں اُس وقت کیا ہوسکتا ہے۔ جب عمر پاشا وسط گرجستان پر فوج کشی کرنے سے روکیں یا باب عالی سے ممانعت ہو۔ خیر آئندہ دیکھا جائے گا۔ آپ تو اب غالباً شہر کل کلا کی پر جائیں گے۔ کیونکہ اب آپ کے سامنے وہی شہر ہے اور سنا ہے اُس میں روسیوں کی فوج بھی کم ہے۔

مرزا عباس: روسی بڑے ہوشیار ہیں اسکندروپول کی شکست کے بعد انہوں نے اُس کو مضبوط کرلیا ہوگا اور بہت کچھ سامان جنگ فراہم کرلیا ہوگا۔ مگر ہمیں تو مقابلہ کرنا ہے۔ اگر زیادہ فوج ہوگی تو اور کم ہوئی تو۔ مگر اب میں دو تین روز توقف کر کے آگے بڑھوں گا۔ ہم لوگوں حسد فراہم کرنے میں بڑی وقت ہوتی ہے اگر اس بارے میں آپ ہماری اعانت کریں تو بہت مناسب ہو۔

مصطفےٰ پاشا: میں اتنی ہی مدد کرسکتا ہوں کہ یہاں کے والی کے پاس اور تمام ملکی عہدے داروں کے پاس باضابطہ حکم بھیج دوں کہ جس طرح ترکی فوج کے لیے رسد کا سامان کرتے ہیں۔ آپ کے لیے بھی کریں۔

مرزا عباس: بس اسی قدر کافی ہے۔

آں قدح بشکست وآں باقی نہ ماند

اب سر دست اُن لڑائی کے میدانوں کو چھوڑ کر ہم وہاں جاتے ہیں۔ جہاں شہزادہ حسن اور شہزادی انجلینا اپنی عاشقانہ زندگی ایک دوسرے کی محبت اور ناز برداری میں بسر کر رہے ہیں۔ دونوں کا عشق روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا اور بے تابیاں بے اختیاریوں کے نمونے دکھائی جاتی تھیں۔

اب اس وقت آفتاب ڈوب چکا ہے۔ بدر کامل آسمان کے وسط نمایاں ہے۔ نکھری چاندی جو آج کہرے سے بھی محفوظ ہے۔ ہر چہار طرف اپنا اجلا فرش بچھائے ہوئے ہے ایک طرف بحرِ اسود کی لہروں پر چاند کے عکس نے جا بجا روپہلی گلکاریاں بنا دی ہیں۔ اور یہ چاندی پانی پر کامدانی کا جھلکتا ہوا کام بناتی انتہائے حد نظر تک چلی گئی ہے۔ سمندر کی اُس حد تک نقرئی بوٹیاں پھیلی ہوئی ہیں، جہاں آسمان و زمین بے صبر عاشقوں کی طرح ہم آغوش ہو گئے ہیں۔ دوسری طرف ایک روح افزا سبزہ زار کوہ قاف کے سنگستانی سلسلوں میں محدود ہے۔ ادھر بھی ماہ تاباں کی شعاعیں ایک نئی بہار دکھا رہی ہیں کہ سبزہ زار بزم آسمان میں ایک دلہن تصور کر لیا گیا ہے۔ جسے چاند نے اپنی روشنی کا روپہلا زیور پہنا دیا ہے۔ اس تمام میدان میں جدھر نظر جاتی ہے۔ ایک عالم نظر آتا ہے۔ جس نے صحرا کی تمام چیزوں کو دلربا اور دلفریب بنا دیا ہے اور پھر یہ آسمانی مرصع اور نقرئی فرش حدوں سے گزر کر اُن چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی چوٹیوں تک بچھتا چلا گیا ہے۔ ان پہاڑیوں کے پہلو اس نکھری روشنی کے ساتھ جگمگا اُٹھے ہیں کہ ہر پہاڑ بجائے خود کوہ نو بن گیا ہے۔ شہزادی انجلینا کی کوٹھی کے مشرقی پہلو پر جو برآمدہ ہے۔ اس کی چھت پر دو چارکرسیاں بچھی ہیں اور دونوں پاکباز بیٹھے ہوئے اس نکھری چاندی سے اپنے دلوں سے غم کی کدورتیں دفع

کررہے ہیں۔

حسن: پیاری انجلینا: آہ! اب اس کا کیا علاج ہے کہ ہماری محبت جس قدر بڑھتی جاتی ہے۔ اُسی قدر ہماری آرزوئیں ہم سے دُور ہوتی جاتی ہیں۔ افسوس میں کیسا محروم القسمت ہوں۔ جب تقدیر کی طرف رُخ کرتا ہوں۔ وہ منہ پھیر لیتی ہے۔

انجلینا اب وہ زمانہ قریب ہے۔ جب خدا ہماری آرزوئیں بر لائے گا۔ حسن: اس خیال پر تو ساری آرزوئیں تھے مگر افسوس اسی نے دھوکا دیا۔ آہ کچھ نہ ہوگا۔ صرف دھوکا ہی دھوکا ہوگا۔ اتنے دنوں تک خیال کو وہمی میدان آرزو میں پھٹکاتا ہوا خدا جانے کہاں کہاں لے گیا۔ مگر اب میں اس کے فریب میں نہ آؤں گا۔ پیاری انجلینا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ ہوگا اور ہمیشہ یونہی خیال کے صحرا میں وہمی آرزوں کی ٹھوکریں کھایا کروں گا۔

انجلینا: شہزادہ حسن ایسے مایوس نہ ہو۔ اس وقت تک تساہل یا غفلت جو کچھ ہوا اور ہوتا ہے مصلحت سے۔ یہ یاد رکھو کہ تھوڑے دنوں کی تکلیف بہت عُمدگی سے کامیاب کراتی ہے۔ یہ آسان ہے کہ آج ہی میرا تمہارا عقد ہو جائے مگر خیال تو کرو کہ میرے تمام متعلقین پر جن میں اکثر روسی میں کیا اثر پڑے گا اور یہ بات کہاں سے کہاں پہنچے گی اور آخر میں کیا ہوگا۔

حسن: لیکن جب موجودہ مصیبت کا میں کس طرح متحمل ہی نہیں ہوسکتا تو انجام پر کیا خاک نظر ڈالوں گا۔

انجلینا: شہزادہ۔ چند روز صبر کرو۔ لڑائی اب اختتام ہی کو پہنچا چاہتی ہے۔ ترکوں نے اب ثابت کردیا کہ اس کوشش میں گورنمنٹ روس اُن پر غالب نہ آسکے گی اور خصوصاً ان ایرانی مجاہدوں نے یورپ کے خیالات پر ایک تازہ اور جدید

اثر ڈالا ہے۔ کیا عجب ہے کہ کل وول یورپ کی پالیسی بدل جائے اور بے شک بدل جائے گی۔ مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ جب مذہب کا نام آجائے گا۔ اُن کی ضعیف سے ضعیف قوت بھی تک بیک ترقی کر جائے گی۔

حسن: آہ اس پولیٹکس کی دُنیا میں مجھے کیوں لیے جاتی ہو۔ میں جس عالم میں ہوں۔ کچھ وہی عالم مجھے بھلا معلوم ہوتا ہے۔ میرے مذاق ہی کی باتیں کرو، جس میں ذرا سی دلچسپی ہو۔

انجلینا: اب تم عشق میں اس درجہ غرق اور محو ہو رہے ہو کہ کسی قسم کی باتیں بھی تمہیں نہیں معلوم ہوتیں؟ افسوس مجھے اس قسم کی باتیں بھی نہیں آتیں۔ جیسی تم چاہتے ہو۔ خیر تمہیں بتاؤ کہ کیا باتیں کروں؟

حسن: کچھ اپنے حسن عالم افروز کی تعریف کرو۔ بس اس کے سوا اور کسی بات میں نہ دل نہ لگے گا۔

انجلینا: شہزادہ تمہاری بے صبریاں اکثر مجھے بھی بے صبر کر دیتی ہیں۔ اب ہماری کامیابی کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ مگر آج کل تمہیں پہلے سے زیادہ احتیاط کرنا چاہیے۔ متواتر کئی شکستیں ہو جانے سے روسی زیادہ غضبناک ہو رہے ہیں۔ اگر تمہارا کہیں خدانخواستہ ذرا بھی حال معلوم ہو جائے تو جو کریں وہ تھوڑا ہے۔ یہ میں جانتی ہوں کہ تم بہادر ہو اور تمہاری قوم بھر میں آج تک کسی نے روسیوں کا رُعب نہ مانا۔ مگر جب تم ان کے ملک میں ہو اُن فوجوں میں محصور ہو اس وقت تو تمہیں ہر حال میں روسیوں کا دباؤ ماننا چاہیے۔ ان دونوں میں دیکھتی ہوں کہ برابر روسی فوجیں ادھر سے گزرتی ہیں اور ہمارے گرد کا سبزہ اُن کے قدموں اور انکی توپوں سے پامال ہوا جاتا ہے خیال تو کرو کہ ایسے وقت میں اگر کوئی جھوٹوں اُن سے جا کر کہدے کہ یہاں تک ایک ترک روپوش ہے تو اُس کی کوٹھی اور یہاں سے قریب کی تمام عمارتوں

کی اینٹ سے اینٹ بجادیں۔اب تم کوٹھی سے کسی وقت باہر نہ نکلا کرو۔

حسن: یہ سب باتیں مجھے معلوم ہیں اور انہیں آفتوں سے بچنے کے لیے میں نے پہلی ہی کہا تھا کہ آؤ ہم دونوں اپنے ترکی شہروں میں چل کر قیام کریں۔جہاں ہماری عاشقانہ زندگی بڑی راحت سے گزرے گی۔تم دیکھتی ہو میں یہاں کیسا بے کار پڑا ہوا ہوں۔بالکل بے کار۔باب عالی سے میں لڑائی میں ناموری پیدا کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔اگر وہاں ہوتا تو اب تک میری ناموری ہوگئی ہوتی اور شاید تمہاری وجہ سے میرے حوصلے بڑھ جاتے اور میرے نزدیک یہاں سے جانے میں تمہارا بھی کوئی ایسا نقصان نہیں ہوتا۔کیونکہ جو سامان یہاں چھوڑ جاؤ گی۔اُس سے عُمدہ سامان وہاں خدا کے فضل سے موجود ہے۔

انجلینا: مجھے یہ خیال تھا کہ اپنی خاندانی جائداد اور نیز اُس وقعت کو جو گورنمنٹ روس کی نظر میں ہے یک بیک کھو دینا نا مناسب ہے۔لیکن اب تم یہاں کے قیام کو بالکل ناپسند کرتے ہو تو مجبوری ہے۔

حسن: (شہزادی انجلینا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر) افسوس۔تمہیں میرے دل کا حال معلوم نہیں۔تمہاری الفت میں میں دیوانہ ہو رہا ہوں۔یہ تمہاری صورت جو میری ان باتوں سے شرمگیں ہوئی جاتی ہے۔کسی وقت میرے خیال سے نہیں اُترتی۔آہ۔اب دل بالکل بے صبر ہے۔ہجر نہیں انتظار کی اب تاب نہیں۔میری قسمت کا جلدی فیصلہ کرو۔خدا کے لیے جلدی کرو اور بس یہی فیصلہ کہ میرے ساتھ حدود عثمانیہ میں چلی چلو۔

انجلینا: شہزادے مجھے یہ ہرگز گوارا نہ ہوتا کہ ایسے دلچسپ مقام۔ان سبزہ زاروں ان پہاڑوں، ان نہروں اور اس لہراتے ہوئے سمندر کو چھوڑ دوں، مگر یہ سب دلچسپیاں ایک طرف اور تمہارا پیار دلفریب اور سچا خلوص اور سادی محبت ظاہر

کرنے والا نازک چہرہ ایک طرف ۔تم نے میرے دل کو جیت لیا ۔ میں تمہاری ہو چکی ۔ ؛اب میں تمہاری ہوں ۔اب میں تمہارے اختیار میں ہوں ۔ جہاں چاہو لے چلو ۔تم جہاں رہو گے میں تمہارے ساتھ رہوں گی ۔ بلکہ اگر تم میدانِ جنگ میں غنیم کے مقابلہ کو نکلو گے تو میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گی ۔

حسن : میرے محبت کی تم نے قدر کی ۔ بلکہ خود اپنے سے زیادہ کیونکہ اپنے نزدیک میں تمہاری برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور باوجود اس ترجیح کے تم نے اپنی خواہشوں کو صرف میرے لیے چھوڑ دیا ۔ اچھا تو پیاری نورالصباح اب ہم یہاں سے چلنے کا کیا بندوبست کریں ؟

انجلینا : دو ہی صورتیں ہیں ۔ یہاں کسی آدمی کو تو یہ ارادہ معلوم بھی نہ ہونا چاہیے صرف محمود پاشا کو خبر کر دو ۔ وہ مصطفےٰ پاشا کے پاس جائیں اور سینٹ نکولس سے کسی گروہ کو ادھر روانہ کر دیں تا کہ وہ ہمارے قریب پہنچ جائے اور ہم اُسی کے ساتھ حدود ترک میں نکل جائیں ۔ یا اُن کا کوئی جہاز آ کر ہمیں سوار کر لے جائے اور یہ پچھلی تدبیر سب سے زیادہ آسان ہے ۔ کیونکہ بالکل کسی کو خبر نہ ہو گی ۔ ہمارے ہاں دو کشتیاں سیر و تفریح کی موجود ہیں ۔ انہیں کے ذریعے سے جہاز پر پہنچ جائیں گے ، بلکہ اپنے مال و اسباب میں سے جو کچھ چاہیں گے ہمراہ لے لیں گے ۔

حسن : میں بھی اس امر کو ترجیح دیتا ہوں ۔ مگر وقت پہلے سے معین کر دیا جائے تا کہ ہم تیار رہو رہیں اور کوئی حالت منتظر نہ باقی رہے اور وقت بھی رات کا معین کیا جائے تو اچھا ہے ۔ اس لیے کہ اندھیرے میں ہم اپنے ارادوں میں یہ سہولت کامیاب ہو جائیں گے ۔

انجلینا : ہاں ہاں ٹھیک ۔ مگر پہلے محمود پاشا سے مشورہ کر لو ۔ یہاں صرف وہی ایک ہمدرد ہیں ۔

حسن پاشا: اور مریم۔

انجلینا: ہاں مریم کو بھی مجھ سے دلی محبت ہے اور وہ میری بڑی ہمدرد ہے۔ مگر اس قسم کی باتوں میں ابھی اُس کا اعتبار نہیں۔ جب چلنے کا وقت آ جائے گا۔ دیکھا جائے گا۔ ابھی اُس پر نہ ظاہر کرو۔

حسن: اچھا تو میں محمود پاشا کو یہیں بلائے لاتا ہوں۔

انجلینا: میرے سامنے! اچھا خیر جاؤ بلا لاؤ۔

حسن پاشا: اُٹھ کر گیا اور اپنے قدیم بوڑھے دوست محمود پاشا کو بلا لایا۔ محمود پاشا نے بیٹھتے ہی اپنی عادت کے موافق اپنی پرفخر زندگی کا قصہ بیان کرنا شروع کیے۔ کچھ دیر کے بعد حسن پاشا نے کہا۔ محمود پاشا کچھ سمجھے کہ میں نے اس وقت تمہیں کیوں بلایا ہے؟

محمود پاشا: تم جانتے ہو کہ یہاں اس قید کی زندگی میں رہتے رہتے۔ اب ہم اکتا گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسی جگہ جا کر رہیں۔ جہاں ہمیں اپنے ارادوں میں آزادی نصیب ہو۔

محمود پاشا: تو کیا با تماہر عشق تمام ہو گیا۔

حسن پاشا: (برہم ہو کر) ہم ان لوگوں میں نہیں ہیں جو ایسے کم ظرف ہوں پیاری حور وش انجلینا بھی اب اس سرزمین کو چھوڑ دینا چاہتی ہیں۔ ہمارے ساتھ یہ بھی چلیں گی۔ تم سے ایک تو یہ پوچھنا ہے کہ آیا یہاں سے چلنا مناسب ہے یا نہیں۔ دوسرے دریا کے راستے سے جانا مناسب ہے یا خشکی کے راستے، کیونکہ ہم مصطفےٰ پاشا کو لکھ بھیجیں گے کہ وہ ایک فوج سینٹ نکولس سے سواحل ہی سواحل بھیج دیں یا کوئی جہاز بھیج دیں کہ ہم اس پر سوار ہو کر جائیں۔ جو تمہاری رائے وہ ان کو لکھا جائے۔

محمود پاشا: جہاز پر جان زیادہ بہتر ہے۔

حسن پاشا: تو تمہیں کو مصطفٰے پاشا کے پاس جانا پڑے گ ااور کون جا سکتا ہے؟

محمود پاشا: میں تو وعدہ کر کے آتا تھا کہ تمہیں لے کر جاؤں گا۔ خیر اب تو تم بھی چلنے پر آمادہ ہو۔ اچھا میں اسی وقت جاتا ہوں۔ رات کو بہت دُور نکل جاؤں گا۔

حسن پاشا: جاؤ مگر جہاز پر تم کو پھر آنا ہوگا۔

محمود پاشا: خواہ مخواہ آؤں گا۔

انجلینا: دیکھو جلدی آنا اور کسی اور کے کان تک یہ خبر نہ پہنچے۔

محمود پاشا: ان تمام معاملات میں آپ مجھ سے مطمئن رہیں۔ میں نہایت عُمدگی سے اس کام کی تعمیل کروں گا اور کسی کو خبر نہ ہوگی۔ یہ کہہ کر اسی وقت محمود پاشا اُٹھ کھڑا ہوا اور رُخصت ہو کے چلا گیا۔ اب رات زیادہ آچکی تھی۔ حوروش انجلینا اپنے خواب ناز کے کمرے میں گئی اور حسن پاشا اپنے کمرے میں گیا۔ یہ رات نہایت آرام اور خوشی میں گزری۔ کیونکہ دونوں دلوں میں اُمید کی خوشیاں جوش پر تھیں۔ شہزادہ حسن دیر تک مریم سے باتیں کرتا رہا اور آدھی رات کے بعد اُس نے مریم کو رُخصت کر کے عالم خواب کی سیر شروع کی۔ مگر شوق یک بیک اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ تڑکے ہی آنکھ کھل گئی اور پھر آرزو اُمید کے خیالی وکیلوں سے باتیں کرنے لگا۔ ہم کیسے خوش نصیب ہیں اس قید سے نجات پائیں گے آزادی حاصل ہو گی۔ سچی خوشی ہر وقت موجود رکھنے اور ہر غم کو غلط کر دینے کے لیے پہلو میں پیاری پری جمال انجلینا ہو گی۔ ناموری حاصل کرنے کے لیے لڑائی کے بڑے بڑے میدان نظر کے سامنے ہوں گے۔ اور میرے لیے سب سے بڑی خوشی یہ ہے کہ میرے ہی تحریک سے مرزا عباس نے جہاد پر کمر باندھی اور ایسی کامیابی دکھائی۔ ایک طرح اس کی ابتداء بھی مجھ سے ہوئی اور اس جہاد کے ثواب میں مجھے بھی حصہ

ملے گا۔اب تو خدا جلد وہ گھڑی لاوے کہ ترکی جہاز ہمارے سامنے ساحل پر آ کر لنگر ڈالے۔

شہزادہ انہیں خیالات میں تھا کہ سامنے سے مریم آئی۔مگر مریم کے چہرے کا رنگ اُڑا ہوا تھا۔بدحواسی اور غم نے اس کے تمام حرکات وسکنات بدل دیئے تھے۔ مریم آتے ہی خاموش کھڑی وہ گئی اور آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ ٹپکنے لگے۔

حسن:مریم کیوں؟ خدا کے لیے جلدی بتاؤ۔

مریم:شہزادی صاحبہ۔رونے لگی۔

حسن:شہزادی انجلینا اچھی تو ہیں۔خدا کے لیے جلدی کہو۔ورنہ میرا سینہ پھٹ جائے گا۔

مریم خدا جانے کہاں چلی گئیں۔اپنے کمرے میں نہیں ہیں اور سب لوگوں کو حیرت ہے کہ آناً فاناً کہاں غائب ہوگئیں۔

حسن:جائیں گی کہاں۔کہیں اِدھر اُدھر باغ میں ہوں گی۔

مریم:کہیں نہیں۔سب جگہ تلاش کر چکے۔آہ!خدا جانے کیا ہوگئیں۔شہزادہ ہم سبھوں نے تلاش میں کوئی دقیقہ نہیں فروگزاشت کیا۔

حسن:آخر کہاں گئی ہوں گی۔کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔تم ڈھونڈو تو کہیں یہیں ہوں گی۔

مریم:ہائے!آپ کو یقین ہی نہیں آتا۔کہیں پتہ نہیں ہے۔ہائے کوئی زبردستی لے گیا۔یہ کوئی معمولی معاملہ نہیں ہے۔افسوس!

شہزادہ حسن کو جب یقین آ گیا تو اس کا صدموں کا کون اندازی کر سکتا تھا۔ نہایت ہی حسرت سے سر جھکا لیا اور دل میں کہنے لگا آہ۔تقدیر نے یوں دشمنی کی! سب آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔آں قدح بشکست وآں ساقی نہ ماند!اب میں

کیا کروں ۔وہ کہاں ملے گی ۔ یہاں اب اس کے بعد ٹھہرنا بھی دشوار ہے ۔ میں کیونکر بے چین رہ سکتا ہوں، ورنہ ٹھہرتا، کیونکہ گورنمنٹ روس اُس کی جستجو ضرور کرے گی ۔وہ کوہ قاف کی کوئی غریب لڑکی نہیں ہے ۔مگر مجھے کیونکر صبر آئے گا؟ کیا عشق کی دُنیا یہیں پر تمام ہوگئی ہے؟نہیں ۔اس کے لیے میں اپنی زندگی بھی خاک میں ملادوں گا۔ کچھ وہ اکیلی نہیں گئی ہے۔میرا دل،میری آرزوئیں،میری خوشیاں، غرض میری تمام دلچسپیاں اپنے ساتھ لیتی گئی ہے یا تو اُس تک پہنچوں گا۔یا زندگی اُسکی جستجو میں نذر ہوگئی ۔وہ کیونکر گئی؟ کیا مجھے سے جھوٹی بحث تھی؟ اور اپنے کسی دوسرے عاشق کے ساتھ چلی گئی؟ مگر نہیں۔اُس کی نسبت ایسی بدگمانی نہیں ہو سکتی۔ اُسے جیسی محبت مجھ سے تھی۔اس قدر کسی کو کسی کے ساتھ نہیں ہوسکتی ۔ بے شک وہ کسی آفت میں مبتلا ہوگئی۔خدا جانے کس ظالم نے ظلم کیا۔افسوس۔اچھا۔ اب میں اُس کی جستجو پر آمادہ ہوں گا۔

شہزادہ حسن کی جوانمردی

مصطفٰے پاشا نے سینٹ نکولس میں پہنچ کے روسیوں کی نقل وحرکت کا حال دریافت کیا۔معلوم ہوا کہ تمام شہر جو شمال کی جانب سواح بحراسود پر واقع ہیں۔اُن کی خوب مضبوطی کی گئی ہے تا کہ ترکوں کو شمال کی طرف آگے قدم بڑھانے کا موقع نہ مل سکے اور اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ مجاہدوں کی روک کے لیے روسیوں نے دوشہروں میں بڑی مضبوطی سے قلعہ بندیاں کی ہیں۔مرزا عباس کی فوج نے قلعہ اسکندروپول پر قبضہ کر کے چونکہ کئی روز تک وہیں مقام کیا۔اس وجہ سے انہیں موقع مل گیا کہ انہیں دو جانے سے روکیں ایک شمال کی طرف سے اور ایک مغرب کی طرف سے شمال کی طرف، چونکہ اسکندروپول سے طفلیس تک بالکل سنگستانی صحرا گیا تھا۔اس وجہ سے انہوں نے راستہ میں طفلیس سے بیس میل آگے بڑھ کر ایک پہاری پر توپیں لگا دیں۔اور چاروں طرف مورچہ بندی کر کے پوری پچاس ہزار فوج اور ساٹھ توپیں لگا دیں۔اور چاروں طرف مورچہ بندی کر کے پوری پچاس ہزار فوج اور ساٹھ توپوں سے ایرانی مجاہدوں کا راستہ روک دیا تا کہ وہ طفلیس کا قصد نہ کر سکیں اور مغرب کی طرف اسکندروپول سے تقریباً پچاس میل پر شہر اخل کلا کی دوسرا مقام قرار دیا۔جہاں سے ایرانی مجاہدوں کی رفتار کی مزاحمت کی جائے۔شہر اخل کلا کی ایک قدیم شہر تھا۔اگر چہ اس میں کوئی قلعہ نہ تھا۔مگر عُمد گی سے اس کے قلعہ بندی ہو سکتی تھی۔روسیوں نے اس شہر کی وہس بندی کر کے مضبوط کر لیا اور ہر چہار طرف توپیں لگا دیں۔اخل کلا کی میں روسیوں کی بہت فوج تھی۔جس کا شمار تقریباً اسی ہزار سے زیادہ تھا۔کیونکہ اسی طرف سے روسی ترکوں کی سرحد میں بڑھنا چاہتے تھے۔ یہاں توپوں کا شمار بھی سو سے زیادہ تھا۔مصطفٰے پاشا کو جب یہ تمام حالات معلوم

ہوئے تو انہوں نے اپنے تمام افسرانِ فوج کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ اب کیا کاروائی کی جائے۔

ایک افسر: حضور ہماری رائے میں تو آپ بلا دسوا حل کی طرف بڑھیے۔ علاوہ خشکی کی فوجوں کے ان لڑائیوں میں ہمارے جہازوں سے بہت بڑی مدد ملے گی۔

مصطفٰے پاشا: یہ تو ٹھیک ہے مگر مرزا عباس کا ارادہ ہے کہ سرحد ایران سے ساحل بحر اسود تک جتنے روسی شہر ہماری سرحد سے ملتے چلے آئے ہیں۔ پہلے ان پر قبضہ کر لیا جائے اور یوں لڑائی بے اصول ہو گی۔ کیونکہ اگر چہ اُن کی طرف بڑھیں گے تو ان کی فوجیں اخل کلا کی اور اخل زک سے ہو کر ہماری سرحد میں داخل ہو کر خاص ہمارے شہروں میں حملہ کریں گی۔ میرے نزدیک تو مرزا عباس کی رائے صحیح ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ عمر پاشا کیا پاس سے اس کے خلاف کوئی حکم آئے۔

افسر: بہتر تو یہی ہے اور اب ہماری سرحد کے قریب ان کے دو ہی شہر ان کا قبضہ میں رہ گئے ہیں۔ اخل کلا کی اور اخل زک۔ اخل کلا کی پر بڑھ کر مرزا عباس قبضہ کر لیں اور اخل زک پر آپ فوج روانہ کر دیجیے۔ اخل زک مین کچھ فوج زیادہ بھی نہیں ہے۔ وہ آسانی سے ہمارے قبضہ میں آجائے گا۔ مگر اخل زک پر فوج بھیجنے میں آپ کو بڑی دقتیں ہوں گی۔

مصطفٰے پاشا: یہ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے اور اخل زک کے مابین ایک کوہستانی سلسلہ واقع ہے۔ جو باطوم کے قریب سے شروع ہوا ہے اور خاص کوہ قاف سے جا کر مل گیا ہے یہاں شاید قریب کوئی گھاٹی بھی نہیں ہے۔ ہم اپنی فوج کو کدھر سے لے جائیں گے؟

مصطفٰے پاشا: اول تو غالباً کوئی گھاٹی مل ہی جائے گی۔ ورنہ ہم باطوم کی طرف سے تھوڑا سا چکر کھا کر اپنی فوج کو نکال لے جائیں گے۔ علاوہ بریں اب تو وہ جب

ہو گا کہ اس پہاڑ کے راستوں کی جستجو کی جائے، کیونکہ اگر روسیوں کو کوئی عمدہ موقع مل گیا اور انہوں نے قبضہ کر لیا تو ہم کو نہایت وقت پڑے گی۔

افسر: یہ بجا ہے۔

مصطفٰے پاشا نے اسی وقت بیس ہزار فوج جدا کر کے مشرق کی طرف روانہ کی۔ اور ایک نامور افسر رشید پاشا کو اُس پر سردار مقرر کیا۔ رشید پاشا اپنی فوج کے ساتھ ادھر روانہ ہی ہوا تھا کہ مصطفٰے پاشا کے پاس محمود پاشا آیا اور کہنے لگا مجھے آپ سے کچھ پوشیدہ عرض کرنا ہے۔ یہ سن کر مصطفٰے پاشا اُٹھا اور محمود پاشا کو لیے ہوئے اپنے خیمے میں چلا گیا۔

محمود پاشا: آپ کے حکم کے بموجب میں ایک جہاز کو لے کر گیا۔ کہ حسن پاشا کو لے آؤں اُس مقام پر جہاں حسن پاشا تھے جا کر دیکھتا ہوں تو وہاں حسن پاشا کا پتہ ہی نہیں۔ بلکہ روسیوں کی دو توپیں سمندر کی جانب لگی ہوئی ہیں اور اس کوٹھی پر روسیوں کا قبضہ ہے۔ مجھے حیرت ہوئی آخر مجھے وہاں سے ناکام آنا پڑا۔ اپنے جہاز کو میں کنارے کنارے لیے آتا تھا کہ ایک مقام پر دیکھا کوئی ترک کنارے کھڑا رومال کے اشارے سے کہہ رہا ہے کہ جہاز روک لیا جائے۔ ہم لوگوں نے فوراً جہاز کو روک لیا اور کشتی پر بیٹھ کر کنارے گیا۔ دیکھا تو حسن پاشا تھے۔ مگر میں نے انہیں نہایت افسردہ اور ملول پایا۔ ابھی تک تو میں نے ان کا قصہ آپ سے پوشیدہ رکھا تھا۔ اب مجبوراً عرض کرتا ہوں۔ اس کے بعد محمود پاشا نے شہزادہ حسن اور شہزادی انجلینا کی پوری داستان ابتدا سے انتہا تک بیان کی۔

مصطفٰے پاشا: حسن پاشا کی نسبت میں نے بہت سے خیالات قائم کیے تھے مگر میرا دل سب خیالات کو چھوڑ کر اسی بات پر جمتا تھا کہ وہ کسی زلف کا اسیر ہیں۔ خیر تو پھر کیا ہوا؟

محمود پاشا: وہ کہتے تھے کہ میرے آنے کے دوسرے روز انہوں نے صبح کو اُٹھ کر دیکھا تو شہزادی انجلینا غائب تھی۔ ہزار جستجو کی مگر بالکل پتہ نہ لگا۔ اس امر نے انہیں ایسا حزین اور ملول کیا کہ ہوش و حواس جاتے رہے اور میں نے ان کی حالت وہاں ساحل پر مجنونوں کی ایسی پائی۔ نہایت درد اور غم کے لہجے میں کہنے لگے اب کیا کروں۔ میں نے رائے دی کہ یہاں چلے آئیں اور ہم سب لوگ جستجو کریں گے۔ بلکہ میں نے وعدہ کرلیا کہ شہزادی انجلینا کو تم سے لاکر ملادوں گا۔ ان باتوں کا انہیں یقین ہی نہیں آیا تھا اور آپ کے پاس آنے سے بالکل انکار کرتے تھے۔

مصطفٰے پاشا: جب ایک عورت نے اس کے ساتھ وفاداری کا برتاؤ نہ کیا اور خود انہیں چھوڑ کر چلی گئی تو انہیں اُس کے ساتھ کیوں ایسی الفت ہے۔ بے وفا اور غیر پارسا عورت پر جان دینا سب سے بڑی حماقت ہے۔

محمود پاشا: میں نے تو یہ بھی کہا تھا۔ مگر اس پر مجھ سے سخت ناراض ہوئے۔ انہیں یہ گمان ہی نہیں ہے کہ وہ خود چلی گئی۔ اُنکا خیال ہے کہ کسی نے مجبور کرکے اُسے جدا کیا اور یہ تو میں بھی کہتا ہوں کہ شہزادی کبھی اپنی اُلفت میں دغا نہیں دے سکتی۔ مجھے سے تو اُس سے اکثر صحبتیں رہی ہیں۔ وہ ایک سادی اور بھولی لڑی ہے اور وہ ان باتوں کو جانتی ہی نہیں کہ بے وفائی اور دغا کسے کہتے ہیں۔

مصطفٰے پاشا: خیر تو پھر حسن پاشا آئے؟

محمود پاشا: جی ہاں۔ زبردستیاں کرکے لایا ہوں۔ جہاز میں ہیں۔ آپ خود جائیے گا۔ تو یہاں آئیں گے۔

مصطفٰے پاشا: تو کیا آگئے! جہاز میں ہیں؟ میں ابھی جا کر لاتا ہوں۔ اُس کے بعد مصطفٰے پاشا اور محمود پاشا دونوں ساحل پر گئے اور نہایت عزت سے شہزادہ حسن کو اُتار کر لائے۔ مصطفٰے پاشا نے مزاج پرسی کی اور ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ اس کا

نام بھی نہ لیا کہ آپ کہاں تھے یا کیوں اتنے عرصہ تک ہمیں اپنی خبر نہ کی۔صرف اسی خیال سے کہ مبادا تازہ غم فراق ازسرنو جوش کرے۔

محمود پاشا: اب آپ کے لیے خیمہ مقرر کر دیجیے کہ وہاں جا کر آرام کریں اِدھر پچھلے دو تین روز تک ان پر بڑے سخت صدمے رہے۔

مصطفٰے پاشا: بے شک شہزادہ صاحب مجھے آپ کے اس صدمے کا حال سُن کر نہایتے صدمہ ہوا ہے۔مگر گھبرائیے نہیں۔ انشاء اللہ آپ بہت جلد اپنی تمنا میں کامیاب ہوں گے۔ کیوں کہ ہم سب لوگ آپ کے لیے جان لڑا دینے پر آمادہ ہیں۔اتنا سننا تھا کہ شہزادہ حسن کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور ایک آہ سرد کھینچ کر کہنے لگا۔افسوس اب سے ہزار کوشش کریں۔مگر جس چیز کا سراغ ہی نہیں لگتا۔اس میں کسی کا کیا زور چلے گا۔تقدیر نے میرے ساتھ دشمنی کی۔کون ہے، جو تقدیر سے جا کر لڑے۔آہ۔میری زندگی اب بالکل بے مزہ اور دشوار ہے۔

محمود پاشا: آپ اس طرح بے تاب اور بے قرار نہ ہوجئے۔ میں تو وعدہ کرتا ہوں کہ کوئی نہ کوئی تدبیر کر کے آپ کی محبوبہ کو ڈھونڈ لاؤں گا۔اب ہم کوشش کر کے بہت جلد وسط بلکہ انتہائی حدود گرجستان پر قبضہ کر لیں گے اور جب ہمارا قدم اس ملک میں وہاں تک پہنچ جائے گا۔ جہاں شہزادی رہتی تھی پھر پتہ لگانا کچھ دشوار نہ ہوگا۔

مصطفٰے پاشا: میری رائے میں یوں بے کار آپ گھبرائیں گے۔آپ بھی سرگرمی سے مقابلہ کر کے کوشش کیجیے کہ ہم لوگ جہاں تک جلد ہو سکے۔آگے قدم بڑھا کر دامن کوہ قاف تک پہنچ جائیں تا کہ آپ کی اغراض میں جلد کامیاب ہونے کا موقع ملے۔

شہزادہ حسن: اگر چہ لڑائی میں میرا دل نہ لگے گا۔مگر چونکہ پیاری انجلینا سے

ملنے کی اُمید ہے۔حتی الامکان پوری سرگرمی اور جانبازی سے روسیوں کا مقابلہ کروں گا۔

مصطفٰے پاشا:تو آپ ایک کام کیجیے۔میں نے رشید پاشا کو بیس ہزار فوج کے ساتھ شہر اخل زک پر روانہ کیا ہے۔آپ بھی وہاں جائیے۔میں آپ کو پوری فوج کا افسر کر دیتا۔مگر افسوس آپ کا دماغ ان دنوں عشق اور ہجر کے صدمات سے ماؤف ہو رہا ہے۔آپ غنیم پر غالب ہونے کی شاید عمدہ تدابیر نہ سوچ سکیں گے۔اس لیے یہ دس ہزار سوار آپ کے ہمراہ کرتا ہوں۔آپ جائیے اور رشید پاشا سے مل جائیے۔ پوری فوج کا انتظام تو رشید پاشا ہی کے ذمہ رہے گا۔مگر ان دس ہزار سواروں پر آپ حاکم رہیں گے۔اور نیز بطور آنریری اعلےٰ افسر کے کام کریں گے۔رشید پاشا کو بھی لکھ بھیجوں گا کہ بغیر آپ سے مشورہ لیے کوئی کام نہ کریں۔

شہزادہ حسن: میں روانگی کو اس وقت موجود ہوں اور آپ کے حکم سے مخالفت نہیں کرسکتا۔کیونکہ یہاں تمام فوج پر باب عالی کی طرف سے آپ ہی حکمران قرار دیے گئے ہیں۔

مصطفٰے پاشا نے دس ہزار سوار ہمراہ کئے شہزادہ حسن اُسی روز ان پہاڑوں کی طرف روانہ ہوا۔دوسرے روز رشید پاشا سے ملاقات ہوئی اور یہ دونوں پُر جوش افسران فوج عثمانیہ ان پہاڑوں کے دامنوں کے نیچے پہنچے۔وہاں سے اُن کے دامن ہی دامن جنوب کی طرف بڑھے کہ اگر کوئی قریب گھاٹی مل جائے تو خیر ورنہ پورا چکر کھا کر پار نکل جائیں۔پہاڑ کے رہنے والوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ قریب ہی گھاٹی ہے۔مگر اُس میں توپوں کا گزرنا دشوار ہے۔خورشید پاشا نے جا کر اُس گھاٹی کا اندازہ کیا اور واپس آ کر حسن پاشا سے کہا۔اگرچہ راستہ دشوار ہے۔مگر ہم اپنی توپوں کو ضرور نکال لے جائیں گے اور حکم دے دیا کہ فوج اس گھاٹی میں گم ہو

جائے ۔رشید پاشا خود توپ خانوں کے ساتھ گئے اور حکمتِ عملی سے نیز راستہ کو ہموار کر کے توپوں کو پار نکال لے گئے ۔ چوتھے روز یہ فوج شہر اخل زک پر پہنچ اور ہر طرف سے محاصرہ کرلیا ۔

اخل زک میں روسیوں کی چالیس ہزار فوج تھی اور اس شہر میں کسی طرف دہس بندی بھی نہ تھی ۔ روسیوں نے باہر نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کیا اور اپنی توپیں جو شمار ۲۴ سے زیادہ نہ تھیں ۔ تین حصہ کر کے تین طرف لگا دیں اور یہ قرار پایا گیا کہ دوسرے روز مقابلہ ہو ۔

رشید پاشا کے ہمراہ تیس توپیں تھیں ۔ ترکوں کی یہ سب توپیں برابر ایک ہی جگہ رکھی گئیں اور پوری نصف فوج توپوں کے ایک طرف اور نصف ایک طرف ٹھہری ۔ خود رشید پاشا داہنی طرف ٹھہرے اور حسن پاشا نے بائیں طرف قیام کیا ۔

دوسرے تڑکے ہی لڑائی شروع ہوئی ۔ جس کی ابتداء اس سے ہوئی کی روسیوں کا ایک گولہ ترکی توپ خانے پر پھٹا اور بہت سے آدمی گر پڑے ۔ فوراً ترکی توپوں سے جواب دیا گیا ۔ توپوں سے کثیف دھواں میدان میں پھیل گیا اور اسی دھوئیں کے دامن میں دونوں طرف کی توپیں آگے بڑھنے لگیں ۔ دونوں حریفوں کے سوار اور پیادے تیز روی سے بڑھے اور اس قدر نزدیک پہنچ گئے کہ بندوقوں سے مقابلہ کر سکیں ۔ برابر باڑھ چلنے لگی اور جن کا پیانہ لبریز ہو گیا تھا ۔ جھوم جھوم کر گرنے لگے ۔

ینک بیک ترکوں کی وسط فوج میں ایک جھنڈی ہلائی گئی اور ساتھ ہی بگل بجا فوراً ترکی فوج کے دو حصے ہو گئے ۔ ایک حصہ رشید پاشا کے ساتھ داہنی طرف کے میدان میں پھیل کر اور یاک مختصر سا چکر کھا کر روسیوں پر گرا ۔ اور اسی طرح دوسرے حصہ نے حسن پاشا کے ساتھ بائیں طرف سے روسیوں پر حملہ کیا ۔ ترکوں کی اس

کاروائی سے روسیوں کو سوا اس کے اور کچھ نہ بن پڑا کہ انہوں نے اپنی فوج کے تینوں حصوں کو ایک جگہ جمع کرلیا اور ہر طرف ترکوں کی تیز رفتار روکنے کے لیے سختی اور عُجلت سے فائر کرنے لگے۔ مگر ترک آڑے ہو کے اور چکر کھاتے ہوئے اُن پر آ رہے تھے۔ جس کی وجہ سے روسیوں کے افسر جو صف باندھتے تھے۔ دس ہی منٹ میں ترکوں کے رُخ پر نہ رہتے تھے اور اُس کے فائر بے کار ہو جاتے تھے۔

اس وقت لڑائی عجب کیفیت پر تھی۔ ترک دونوں طرف چکر کھاتے ہوئے نہایت تیزی سے قدم اُٹھا اُٹھا کر بڑھ رہے تھے۔ روسی ان کا سیدھ باندھ باندھ کر دونوں جانب صفیں قائم کرتے تھے۔ جو دم بھر میں بے کار ہو جاتی تھے۔ اور زیادہ خرابی یہ تھی کہ ترکوں کی توپیں روسیوں کو اور درہم برہم کر دیتی تھیں۔ اگر چہ روسیوں کی توپیں بھی بہت پھرتی سے فائر کر رہی تھیں۔ مگر ترکوں کے حملہ کا ڈھنگ ایسا واقع ہوا تھا کہ توپوں سے بھی انہیں کم نقصان پہنچتا تھا۔ گھنٹہ بھر تک لڑائی کا یہی رنگ رہا۔ جس کے بعد بالکل دوسری وضع کی لڑائی ہو رہی تھی۔ یعنی ترک روسی صفوں سے مل گئے تھے اور سنگینیں چل رہی تھیں۔

سامنے دو بدو کی لڑائی میں ترک ہمیشہ نامور رہے ہیں۔ ایک دم بھر میں لاشیں زمین پر بچھ گئیں۔ روسیوں نے آخر سوا بھاگنے کے کسی بات پر مفر نہ دیکھا۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ بھاگ کر شہر میں ہو رہیں۔ غرض دو چار توپیں، جو لے جا سکے۔ انہیں لے کر شہر اخل زک میں ہو رہے۔ ترکوں نے تعاقب کر کے شہر کو گھیر لیا۔

اب شام ہو چکی تھی۔ ترکوں نے شہر کے گرد رات بسر کی۔ صبح ہوتے ہی دوسرے روز شہر پر حملہ کر دیا گیا۔ چند روسی جو قضا کے پنجے سے بچ کر شہر میں چھپ رہے تھے۔ وہ کیا مقابلہ کرتے فوراً انہوں نے ہتھیار رکھ دیے اور گرفتار کر لیے گئے۔ گزشتہ روز کی لڑائی میں دس ہزار روسی بھاگ کے شہر سے چلے گئے تھے۔ وہ تو

بچ گئے۔ باقی تیس ہزار میں سے سات ہزار چھ سو باون روسی گرفتار ہوئے اور اس کے سوا سب قتل ہوئے۔ اس لڑائی میں ترکوں کے بھی دس گیارہ ہزار آدمی کام آئے۔ شہر اخل زک پر عثمانی پھریرا اُڑایا گیا اور قیدی دو ہزار ترکوں کے ساتھ سینٹ نکولس میں مصطفےٰ پاشا کے پاس روانہ کئے گئے۔

رشید پاشا اور شہزادہ حسن نے حسب الحکم مصطفےٰ پاشا کے بیس ہزار ترک رضا پاشا کی سرداری میں اخل زک کی حفاظت کے لیے یہیں چھوڑے، جو توپیں روسیوں سے چھین لی گئی تھیں۔ اس شہر کی حفاظت کے لیے وہی کافی سمجھی گئیں اور باقی فوج کو لے کر دونوں افسر مصطفےٰ پاشا سے ملنے کے لیے سینٹ نکولس کو روانہ ہوئے۔

اخل کلا کی

مرزا عباس نے حمید پاشا اور علی پاشا سے مشورہ کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔شہر اخل زک پر رشید پاشا قبضہ کر چکے۔اب ہمارے اور مصطفےٰ پاشا کے درمیان میں صرف شہر اخل کلا کی کا باقی رہ گیا ہے اور میں نے اپنی فوج سے اس شہر پر قبضہ کرنے کا مصطفےٰ پاشا سے وعدہ کیا تھا۔اگرچہ سنتا ہوں۔وہاں اسی ہزار فوج ہے۔مگر کچھ خوف نہیں۔خدا ہمارا مددگار ہے۔اگر آپ سب صاحبوں کی رائے ہو تو ہماری فوجیں اب اسی شہر کی طرف بڑھیں۔سبھوں نے متفق الفاظ کہا کہ یہی رائے مناسب ہے۔دوسرے روز تڑکے ایرانی مجاہدوں نے مغرب کی طرف کوچ کیا۔حمید پاشا اپنی دس ہزار فوج لے کر جنوب کی طرف ہٹ گئے۔کیونکہ ارادہ کیا کہ اخل کلا کی کے اُس طرف جا کر مورچہ بندی کریں اور اخل کلا کی کے جنوبی پہلو پر دریائے کور کے کنارے خیمہ زن ہوں اور مرزا عباس اپنے ہمراہیوں کو لے کر مع علی پاشا کے سامنے مغرب کی طرف چلا۔

تیسرے روز اسلامی فوج نے روسی پھریرے کو دیکھا۔جو اخل کلا کی کے اونچے برج پر اُڑ رہا تھا اور روسیوں نے اسلامی جھنڈے پر ایک خوف کی نظر ڈالی۔کیونکہ اُن لوگوں کی رفتار اب تک کوئی فوج نہ روک سکی تھی اور اس کے گھنٹہ بھر بعد ان کو جنوب کی طرف عثمانی ہلالی جھنڈا نظر آیا۔یہ دونوں نشان شہر سے قریب ہوتے آتے تھے اور روسی سالار فوج پر ایک بے تابی اور بے قراری کی ایسی کیفیت طاری ہوتی جاتی تھی۔اپنی مستعدی دکھانے کے لیے اُس نے حکم دیا کہ بیس ہزار روسی اور تیس توپیں باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔اس حکم کے ساتھ ہی روسی نشان ہوا میں لہراتا ہوا شہر کے مشرقی پھاٹک سے نکلا۔

دونوں فوجوں میں جب تھوڑا سا فاصلہ رہ گیا تو دونوں طرف سے توپوں کے فائر ہونے لگے۔ مرزا عباس کو آج کسی طرح کامیابی نہ ہوسکی۔ کیونکہ اپنے اصول کے موافق جب وہ حملہ کا قصد کر کے اپنے مجاہدوں کو آگے بڑھاتا تھا۔ ان توپوں سے سخت کراہیں پڑنے لگی تھیں جو خاص شہر کے وہسوں پر لگی ہوئی تھیں۔ یہ دن پورا اسی طرح برابر کی لڑائی میں گزرا اور شام کو روسی اپنی توپوں کے لیے ہوئے شہر میں واپس آ گئے۔ رات دونوں حریفوں کے دلوں میں ایک اضطراب اور جوش کو ترقی دلاتی رہی۔

صبح کو پھر روسی فوج شہر سے باہر نکلی اور باہر نکلی اور مقابلہ شروع ہوا۔ آج روسی بھی چاہتے تھے کہ جس طرح ہو سکے۔ بڑھ کر غنیم کو پسپا کر دیں۔ انہوں نے اپنی تمام فوج کو دو بیضوی صفوں میں پھیلا دیا۔ ان صفوں میں جا بجا جگہ چھوڑ دی تھی، تا کہ توپیں بھی فائر کر سکیں۔ یہ صفیں آگے پیچھے برابر باڑھوں کا تار باندھتی ہوئی بڑھیں۔ ایرانیوں نے بھی اپنی صفیں مرتب کیں۔ مگر ان کی صفیں چھوٹی تھیں، کیونکہ پوری فوج کے دو حصے تھے۔ ایک داہنی طرف اور ایک بائیں طرف اور ہر حصہ میں بیس بیس صفیں تھیں۔ یہ لوگ بھی برابر روسیوں پر فائر کر رہے تھے اور روسیوں کی صفیں اسی طرح استقلال سے بڑھی چلی آتی تھیں۔ یہاں تک کہ روسیوں کی صفوں نے حلقہ کی طرح ایرانیوں کو گھیر لیا۔ شاید اس وقت ایرانی پسپا ہو جاتے اور اگر پسپا نہ ہوتے تو سب کے سب کٹ جاتے، مگر ترکی سردار علی پاشا نے اپنی ترکی قواعد کے مطابق بگل بجوا کر فوراً ایرانیوں کے دونوں حصوں کو دو جانب پھروا دیا اور ترکی سردار ایرانیوں کو چکر کھلاتے ہوئے روسیوں کی طرف چلے اور آدھ گھنٹے میں دونوں فوجیں مل گئیں۔ سنگینوں کی لڑائی ہونے لگی۔ ایرانی بڑی بہادری سے روسیوں کو ہٹاتے ہوئے آگے بڑھے اور اُس مقام پر پہنچا دیا، جہاں سے وہ صف بندی کر کے بڑھے

تھے۔ روسیوں کو ان کے شہر اخل زک تک ہٹا کر ایرانیوں نے نعرہ ءیا علی بلند کیا۔ اور یقیناً روسی پسپا ہو جاتے۔ مگر شہر کے وحسوں سے ایسی سخت گرابیں پڑنے لگیں کہ ایرانیوں کو نا کام واپس آنا پڑا اور پھر دُور سے بندوقوں کے فائر ہونے لگے۔ حمید پاشا نے جنوبی پہلو سے شہر پر اس روز بڑی سخت گولہ باری کی۔ شام تک دونوں طرف کے سپاہی برابر لڑتے رہے اور کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ رات نے دونوں فوجوں کو پھر اپنے خیموں میں پہنچا دیا اور کامیابی کی اُمیدیں دوسرے روز پر اُٹھا رکھی گئیں۔

رات کو مرزا عباس نے تمام افسران فوج کو جمع کر کے کہا جس رنگ پر کہ دو۲ روز سے لڑائی ہو رہی ہے اگر یہی رنگ رہا تو ہمیں مدتوں یہاں پڑا رہنا پڑے گا۔ اور کوئی یہ نتیجہ نہ ہوگا۔ آپس سب لوگ کوئی تدبیر نکالیے کہ ہمیں جلدی کامیابی ہو۔ ہم سلطان روم خلد اللہ ملکہ کی سرکاری تنخواہ پانے والے سپاہی نہیں ہیں کہ مدتوں لڑائی کو طول دیں اور روزانہ ازسرنو جانفشانی کی کوشش کریں۔ ہم کو تو جس طرح ہو سکے جلد کوشش کرنا چاہیے کہ خدا کے کام سے بہت جلد سبکدوش ہو جائیں۔

کل افسروں نے متفق الفاظ کہا ایسی تدبیر ہمارے خیال میں کوئی نہیں آسکتی۔ ان باتوں کے لیے خدا نے آپ کو ہی پیدا کیا ہے۔ ہاں آپ کی جو رائے ہو گی اور جس زور پر آپ لڑنا چاہیں گے ہم اُسی طرح لڑیں گے۔ انشاء اللہ آپ ہر موقع اور ہر کام میں ہمیں اپنا مطیع پائیں گے۔

مرزا عباس: میرے نزدیک آج تک ہمارے نہ کامیاب ہونے کی وجہ اصل یہ ہے کہ روسیوں کی فوجیں شہر سے باہر نکل کر ہمارا مقابلہ کرتی ہیں۔ باہر والی فوجیں جب اپنی حد سے قدم بڑھاتی ہیں۔ اُس وقت تو ہم انہیں پسپا کر دیتے ہیں۔ مگر جس مقام پر ٹھہرتے ہیں۔ وہاں ہمارا کچھ زور نہیں چل سکتا۔ کیونکہ ہم پر دوسری مار پڑتی ہے۔ ایک تو خود وہ لوگ جنگ کرتے ہیں دوسرے شہر کے وحسوں سے سخت گرابیں

پڑنے لگتی ہیں۔

سب لوگ: بے شک یہی سبب ہے کہ ہم کو کامیابی نہیں حاصل ہوتی پھر اس کی کیا تدبیر ہے؟

مرزا عباس: بہت آسان کل ہم لوگ تڑکے سے بندوبست کر لیں اور روسیوں کے باہر نکلنے سے پہلے ان کے وہسوں کے قریب پہنچ کے صف بندی کر لیں اور اُن کو جگہ ہی نہ دیں کہ میدان میں نکل کر ہمارے سامنے صف بندی کریں۔ روسی خواہ مخواہ مجبور ہوں گے کہ شہر کے اندر ہمارا مقابلہ کریں اور اس صورت میں انشاء اللہ ہم کل ہی کامیاب ہو جائیں گے۔

سب افسر: بات یہ ہے کہ اخل کلا کی میں روسیوں کی بے انتہا فوج ہے اور ہمارے پاس اُن سے آدھی فوج بھی نہیں ہے۔ لیکن چونکہ ہم صرف خدا پر بھروسہ کر کے مقابلہ کرتے ہیں وہ ہمیں کامیاب بھی کرے گا۔

مرزا عباس: روسیوں کی زیادتی کو تو مجھے بالکل اندیشہ نہیں ہے۔ کم من فیئتہ غلبت فیئتہ کثیرہ اور دیکھ لینا کل ہی اس شہر پر ہمارا قبضہ ہوگا۔ اس وقت سب لوگ رُخصت ہو کر چلے گئے اور صبح کو تڑکے ہی بہادر اور چالاک اہل عجم نے جا کر شہر کے پھاٹک اور تمام راستے روک دیے اور روسیوں کو مرزا عباس کی خواہش کے موافق شہر کے وہسوں ہی سے لڑنا پڑا۔ چاروں طرف سے مجاہدوں کی توپیں فائر کرنے لگیں۔ ایرانی اپنی رفتار میں تیز اور لڑائی کا ذوق وشوق دکھاتے ہوئے بڑھے اور قلعہ کے وہسوں پر جا پڑے۔ توپیں اور بندوقیں ان کے روکنے کی ہزار ہا کوشش کرتی ہے مگر وہ کٹ کٹ کر گرتے رہے اور پھر بھی بڑھتے چلے جاتے تھے۔ روسیوں کو دھوکا دے کر آخر ان کی وہسوں کے نیچے پہنچ گئے۔ ایرانی آج انتہا سے زیادہ جرات دکھا کر اور بغیر اس کے کہ اپنی حفاظت کا ذرا بھی خیال کریں۔ روسیوں کے وہسوں کے

نیچے گئے تھے۔ روسیوں نے ہجوم کر کے بڑی سخت باڑھیں مارنا شروع کیں۔ ایرانی مجاہدوں نے بڑی بہادری سے جانیں دیں۔ ہزارہا مجاہدین وہسوں کے نیچے ڈھیر ہو گئے۔ مگر ان کے دینی جوش نے انہیں پسپا ہونے نہ دیا۔ جوں جوں کٹے جاتے تھے اور بڑھتے جاتے تھے آخر انہوں نے جانیں ہتھیلیوں پر لے کر اور اپنی بہت سے قیمتی جانیں تلف کر کے وہسوں کے اوپر پہنچ کر تلواروں اور سنگینوں سے روسیوں کا ایسا سخت مقابلہ کیا کہ شدہ رکے اس پہلو پر بندوقوں کے فائر موقوف ہو گئے۔ چونکہ شہر کا یہ پہلو اب گولیوں سے محفوظ ہو گیا تھا۔ اس لیے تمام ایرانی س طرف سے سمٹ کر اوپر ہی آ گئے اور مرزا عباس نے روز سے نعرہ ءعلی بلند کر کے ادھر ہی حملہ کر دیا۔ ایک ہی حملہ اوعر ریلے میں سب کے سب قلعہ پر جا پڑے اور ایک ترکی افسر نے جو ادھر اپنے ایرانی سپاہیوں کے ساتھ وہسوں پر چڑھ گیا تھا۔ اُس نے زور سے جھنڈی ہلا دی۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام ایرانی اور ترک اسی طرف جُھک رہے۔ سوا سواروں کے کل پیادہ فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ شہر میں ایسی سخت تلوار چلی اور کسی گزشتہ لڑائی میں اُس کا نمونہ نظر نہیں آیا تھا۔ بیس ہزار روسی قتل ہوئے اور آخر انہوں نے شہر کے مختلف دروازوں سے نکل کر طفلیس کی راہ لی اس شدید یورش اور حملہ اور شہر کی رعایا بھی بہت قتل ہوئی۔ روسی اگر چہ اپنی بہت سے لاشیں چھوڑ کر اور پوری زک اٹھا کر گئے تھے۔ مگر اپنے تیسن توپیں نکال لے گئے۔ اس شہر میں روسیوں کی بے انتہا فوج تھی۔ اسی ہزار روسیوں میں سے باوجود اس کے کہ بیس تیس ہزار قتل ہو گئے تھے، مگر پھر بھی بھاگنے والوں کا اتنا گروہ تھا کہ اطمینان سے اور پورا گروہ باندھ کر جا سکے اور اسی وجہ سے انہیں اپنی توپیں نکال لے جانے کا بخوبی موقع مل گیا۔

ایرانیوں نے بڑی خوشی سے نعرہ ءفتح بلند کیا اور ترکی ہلالہ پھریرا شہر اخل کلا کی کے بُرج پر اُڑا دیا۔ اُسی وقت مصطفٰے پاشا کو مبارک باد لکھی گئی کہ اپنی تمام حدود پر ہم

کامیاب ہو گئے۔اب روسیوں کا کوئی شہر ہماری سرحد کے قریب اُن کا قبضہ میں نہیں رہا۔اس کے بعد مرزا عباس نے اپنے ساتھیوں سے کہا اُس خط کو لے کر میں خود مصطفٰے پاشا کے پاس جاؤں گا۔ایک تو مجھے دیکھنا ہے کہ مصطفٰے پاشا کیا کاروائی کر رہے ہیں اور یہ بھی طے کرنا ہے کہ اب ہم کو کیا کرنا چاہیے۔سبھوں نے نہاتے غمگینی سے اپنے ہر دل عزیز بہادر افسر کو رخصت کیا اور مرزا عباس اپنی فوج کے چُنے ہوئے دس ہزار سواروں کو ہمراہ لے کر خوشی خوشی نکولس کو رانہ ہوا۔کوہستانی راستہ اب جاری ہو گیا تھا۔پھر پہاڑ کے آگے دروں میں داخل ہو کر اب اس پہاڑ کے متعدد درے معلوم ہو گئے تھے اور فوج کی آمد و رفت بخوبی جاری ہو گئی تھی۔پانچویں روز مرزا عباس مصطفٰے پاشا سے ملا۔جنہوں نے نہایت جوش و خروش سے استقبال کیا۔تمام ترکی افسر جو مرزا عباس کی بہادریوں اور جانبازیوں کا حال تعجب اور حیرت سے سُنا کرتے تھے نہایت ذوق و شوق سے ملے۔

مصطفٰے پاشا: فرمائیے اب آپ کی فوج کہاں مقیم ہے؟

مرزا عباس: اخل کلا کی میں۔

مصطفٰے پاشا: اخل کلا کی میں روسیوں کی بہت فوج تھی۔آس سے کوئی مقابلہ ہوا؟

مرزا عباس: الحمد اللہ اب وہ شہر آپ کے قبضہ میں ہے اور اُس پر ہلالی جھنڈا لہرا رہا ہے۔ہم سے تین دن لڑائی رہی اور تیسرے روز ہم نے فتح کر لیا۔تقریباً پینتیس ہزار روسی قتل ہوئے اور باقی اپنی تیس توپیں لے کر بھاگ گئے۔

مصطفٰے پاشا: الحمد اللہ خدا نے آپ کو عجب بے مثل بہادری عطا کی ہے۔روسیوں کی کوئی فوج آپ کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکی۔آپ اور آپ کے ہمراہی سب کے سب بڑی جان بازی سے خدا کی راہ میں دُشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔

مرزا عباس: یہ سب کاروائیاں صرف اس وجہ سے ہیں کہ ہم خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور وہ ہماری مدد کرتا ہے۔

مصطفٰے پاشا: اب تو ہماری سب حدود محفوظ ہو گئیں اور روسی ہماری سرحد سے سینکڑوں کوس علیحدہ ہو گئے۔

مرزا عباس: اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟ ہامری فوجیں بے کار پڑی ہوئی ہیں۔آپ کی فوج لیس یہ ممکن ہے کہ چاہے برسوں مقابلہ میں پڑی رہے اور موجودہ یورپین اصول سے پالیسی اور تدبیروں پر غور کیا کرے۔مگر ہمارے مجاہد اتنا صبر نہیں کر سکتے۔وہ کوئی تنخواہ نہیں پاتے ہیں۔ملک کے لیے نہیں لڑتے ہیں۔ایک صرف دینی جوش لڑا رہا ہے اگر زیادہ زمانہ انتظار میں گزرا تو ان کا جوش پھیکا پڑ جائے گا اور اُن کے حوصلے پست ہونے لگیں گے۔یہ صرف فتح مندی اور کامیابی کی رفتار ہے، جوان کو جوش دلا دلا کر بڑھا لیے جاتی ہے۔

مصطفٰے پاشا: یہ صبح ہے میں اس وقت عمر پاشا کو اطلاع کرتا ہوں اور انہیں کی ہدایت کے موافق آئندہ کاروائی ہو گی۔ممکن ہے کہ میں ادھر بلا دسواحل کی طرف بڑھوں اور آپ ادھر سے بڑھیے۔ ہماری دونوں فوجیں بڑھ کر ایک مقام پر مل جائیں۔

مرزا عباس: میرا ارادہ تو طفلیس کی طرف بڑھنے کا ہے اگرچہ راستے میں ایک پہاڑ کی گھاٹیوں پر قبضہ کر کے روسیوں نے راستہ روک دیا ہے اور وہاں ہماری فوجوں کو بڑی مصیبت پیش آئے گی۔کیونکہ پہاڑوں اور گھاٹیوں پر جابجا اُن کا قبضہ ہے اور انہوں نے ایسے مقاموں پر توپیں لگا دی ہوں گی کہ مقابلہ کرنا یا گزرنا، بلکہ اُن پہاڑوں پر قبضہ کرنے کے لیے بڑھنا سب باتیں دشوار ہوں گی۔مگر بیٹھ رہنے سے بہتر ہے کہ میں اُدھر جا کر اُن کا مقابلہ کروں۔

مصطفٰے پاشا: بہتر مگر عمر پاشا کا حکم نامہ آ لینے دیجیے۔ بغیر اس کے کام نہ بنے گا۔ جب تک وہاں سے حکم آئے۔ آپ یہیں قیام کریں اور میں اسی وقت ان کو خط لکھتا ہوں۔ ہمارا ایک جنگی جہاز جا کر جواب لے آئے گا۔

مرزا عباس: بہت مگر میرا یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا بھی نا مناسب ہے کیونکہ ایرانی لوگ صرف میری وجہ سے مجتمع ہو گئے ہیں۔ ورنہ آپ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ترکوں کی مدد کو آنا اُس سے کس قدر بعید ہے۔ مجھے ہر وقت خوف رہتا ہے کہ میری عدم موجودگی میں کوئی فتنہ نہ اُٹھ کھڑا ہو۔

مصطفٰے پاشا: بے شک آپ کی کارگزاریاں ہر حیثیت سے قیمتی ہیں۔ مگر سر دست تو اپ ایک ہفتہ قیام کریں۔

یہ کہہ کر مصطفٰے پاشا نے خود اپنے ہاتھ سے خط لکھا اور مُہر کر کے ایک معتبر کے سُپرد کیا اور حکم دیا کہ فوراً جا کر جواب لائے۔ ایک جنگی جہاز کو بھی حکم دیا کہ اس وقت نامہ کو لے کر یمیا کی طرف روانہ ہو۔

کئی روز کے بعد مصطفٰے پاشا کے پاس ایک پوشیدہ خط آیا۔ جس کو پڑھ کر مصطفٰے پاشا متفکر ہو گئے اور مرزا عباس کو الگ لے جا کر وہ خط دکھایا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

از خل کلا کی

تاریخ؛ ماہ سنہ ہجری

بحضور مصطفٰے پاشا سپہ سالارِ افواج دولت عثمانیہ متعینہ آرمینہ و گرجستان دام اقبالہ،

جناب عالی خدا نے ہم کو ہمارے مجاہدوں کو جو کامیابی اور فتح مرحمت فرمائی اس کے ہم ممنون و مشکور ہیں۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اپنے مسلمان بندوں کو

کامیاب کرتا جات ہے ۔ اب ہامری تمام حدود دُشمنوں سے محفوظ ہوگئیں اور ہم نہایت امن وامان کی حالت میں ہیں ۔ ہمارے شمال کی طرف طفلیس سے دس میل ادھر روسیوں نے پہاڑوں پر قلعہ بندی کی ہے اور طفلیس کی جانب بڑھنے سے ہمیں روکا ہے ۔ روز ہمارے پاس خبریں آتی ہیں کہ روس فوجیں وہاں سے بڑھ کر ہمارے مقابلے کو آنے والی ہیں مگر ابھی تک اُن کی کوئی فوج روانہ نہیں ہوئی اور غالباً وہ منتظر ہیں کہ ہم خود ان کی طرف بڑھ کر جائیں ۔

یہاں ہماری فوج میں ایک نیا فساد پیدا ہوا چاہتا ہے ۔ جس کا ہم کو نہایت خوف ہے ۔ دیکھیے خدا کیا کرتا ہے ۔ یہ بڑی خرابی ہے اور اس کا دُور کرنا نا صرف آپ کے اور مرزا عباس کے اختیار میں ہے ۔ ایرانی مجاہدوں کی افواج میں روز اذان دی جاتی ہے اور اُس میں یہ جملہ علانیہ پکار کر کہا جاتا ہے ۔ اشہدان علیاً ولی اللہ وصی اللہ وخلیفہ بلافصل ۔ ہمارے ترکی سپاہی اس جملہ کے سننے کے ہرگز متفق نہیں ہو سکتے ۔ وہ بگڑتے ہیں اور کئی دفعہ فساد کر دینے پر آمادہ ہو گئے ۔ مگر میں نے اور ترکی افسروں سے مشورہ کر کے اس وقت روکا ہے ۔ مگر ہو نہیں مانتے اور کوئی تعجب نہیں کہ کس روز ہماری فوج میں باہم تلوار چل جائے ۔ میں نے اپنے ہمراہیوں کو بہت سمجھایا کہ جب ایرانی لوگ اس کوشش اور جانبازی سے ہماری ہمدردی کر رہے ہیں کہ تو ہمیں ان کی دینی اور مذہبی باتوں میں نہ دخل دینا چاہیے ۔ مگر خدا جانے عقلیں کیسی ہوگئی ہیں کہ کس طرح فساد سے باز نہیں آتے ۔

شاید ایک بار کسی ترکی افسر نے ایرانی موذن کو بلا کر جھمائش کی تھی اور کہا تھا کہ تم ہی چند روز کے لیے اس جملہ کو چھوڑ دو ۔ مگر اُس نے سخت متعصّبانہ حملے کیے ۔ اور کسی طرح راضی نہ ہوا ۔ بلکہ اپنی فوج والوں کو اطلاع کر دی ۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ چھیڑنے کے واسطے اُٹھتے بیٹھتے وہ ہر وقت یہی جملہ کہتے ہیں ۔ لہذا ہم سب ترکی

افسر بکمال ادب عرض کرتے کہ حضور مرزا عباس سے مشورہ کر کے جس قدر جلد ہو سکے اس فساد کے رفع کرنے کی کوشش کریں۔

والسلام

ہم ہیں جاں نثاران دولت عثمانیہ

حمید پاشا۔علی پاشاو دیگر افسران ترک

مرزا عباس یہ خط پڑھ کر دیر تک سکوت میں رہا اور اُس کے بعد کہنے لگا۔ افسوس! آپ نے آپ کے ہم وطنوں نے ہماری جاں نثاریوں کی کچھ قدر نہ کی۔ہم نے آپ سے کوئی مدد بھی نہ مانگی۔آپ کی فتوحات کو بہت ترقی دلا دی۔روسیوں کے بہت شہروں پر آپ کا قبضہ کرا دیا۔اس کا صلہ یہ ملا کہ ہم سے کہا جاتا ہے ہم اپنے مذہبی شعار اور دینی اصول میں آپ کا دباؤ مانیں۔جب ایسے ہی خیال ہیں میں تو سُنیوں اور شیعوں میں کیا خاک اتفاق ہوگا۔آہ! ابھی تک مسلمانوں کا کوئی گروہ اتفاق کے اصول کو نہیں سمجھا ہے۔بے شک ایسے وقت میں اگر کوئی اتفاق کی کوشش کرے تو وہ خود نقصان اُٹھائے گا۔اگر خاص میری ذات کے متعلق کوئی بات ہوتی تو میں تسلیم کر لیتا۔مگر یہاں تو تمام پُر جوش مجاہدوں کو دبانا ہے۔اس بارے میں وہ کسی کی اطاعت نہ کریں گے۔اور میں اس بارے میں خاص ایک حرف بھی ان کے سامنے نہیں کہہ سکتا ہوں۔میرا بھی اثر جاتا رہے گا اور وہ خود میرے دُشمن ہو جائیں گے۔

جائینگے دیکھے اس فساد کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔میں آخر میں صاف صاف کہتا ہوں۔کہ ایرانی دین کے معاملات میں آپ کا ہرگز دباؤ نہ مانیں گے اور ان کی اذان بعینہ یوں ہی جاری رہے گی۔

مصطفےٰ پاشا: آپ ناراض نہ ہو جائیے۔مصلحتاً آپ سے رائے لی جاتی ہے

اورصرف اسی خیال سے کہ بغیر آپ کے اعانت کے اس معاملہ میں کوئی کاروائی نہیں ہوسکتی۔

مرزا عباس: جب آپ خودصریحاً دیکھ رہے ہیں کہ ترکوں کی طرف سے زیادتی ہے اور ہم پر خواہ مخواہ دباؤ ڈالا جات اہے تو آپ ہم سے کیون مشورہ کرتے ہیں۔اپنے لوگوں کو سمجھائیے اور دبائیے کہ اس قسم کی زیادتیاں نہ کریں۔میں اگر کچھ کرسکتا ہوں تو اسی قدر کہ لوگوں میں جوش کی جو ترقی ہوگئی ہے۔اُس کو روک دوں گا۔مگر اس کے سوا میں کوئی کاروائی نہیں کرسکتا۔۔

مصطفےٰ پاشا: یہ نہیں ہوسکتا کہ اپنے مجاہد سپاہیوں کو آپ تقیہ پر راضی کرلیں۔

مرزا عباس: اگر چہ تقیہ ہمارے یہاں جائز ہے اور ہمارا فخر ہے۔مگر یہ موقع نہیں ہے۔جہاد کرنا شیعوں کے نزدیک غیبت امام میں نہیں جائز ہے۔خدا جانے کیونکر وہ راضی کرکے دُشمنوں کے سامنے کھڑے کردیے گئے۔لیکن تقیہ اس مقام پر کوئی نہ کرے گا۔جب سب کی پُر جوش طبیعتوں میں آزادی بھر ہوئی ہے اور ابھری پڑتی ہے۔

مصطفےٰ پاشا: گر یہی ہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ فساد نہ ہوجائے۔

مرزا عباس: ہم فساد سے نہیں ڈرتے ہیں۔مگر ہاں اسلام کی حالت زار پر ترس آتا ہے۔کیا آپ سے نہیں ہوسکتا کہ ترکوں کو سمجھا بجھا کر راضی کرلیجیے۔

مصطفےٰ پاشا: کوشش تو کروں گا۔مگر اُمید نہیں کہ راضی ہوں۔کیونکہ ترکوں میں ہمیشہ سے اس قسم کے معاملات میں زیادہ آزادی ہے۔

مرزا عباس: ایرانی جوسنیوں کے دباؤ میں کبھی نہیں رہے۔ان میں بھی کچھ آزادی کن نہیں ہے۔

مصطفےٰ پاشا: اچھا آپ بھی موافقت کی کوشش کیجیے اور میں بھی کوشش کروں گا

۔میں سر دست یہ انتظام کرتا ہوں کہ ترکوں کی فوجوں کو وہاں سے بلوائے لیتا ہوں۔ اب مصلحت اسی میں ہے کہ دونوں گروہ الگ الگ رہیں۔ نہ ایک جگہ جمع ہوں گے اور نہ اس قسم کا فساد ہوگا۔ مگر کب تک جب دونوں ہی کام کر رہے ہیں اور ایک دوسرے کے مدد و معاون ہیں تو خواہ مخواہ کسی نہ کسی موقع پر یکجائی ہو ہی جائے گی۔ میں ہزار غور کرتا ہوں مگر کچھ نہیں بنتا۔ کیا افسوس کی بات ہے کہ خدا نے آپ کے دل میں ایسا جوش اسلامی پیدا کر دیا اور آپ نے اپنے قوی بازوؤں سے ایسی کوشش کی اور اتنی فوجیں فراہم کر کے ایسا جوش دکھلایا۔ آپ نے تو یہ کیا اور تقدیر یہ کر رہی ہے۔ افسوس۔

مرزا عباس: میرے دل میں یہ خیال عجب طرح پیدا ہوا۔ میں سفر کرتا ہوا طفلیس گیا تھا۔ وہاں سے باطوم کا ارادہ تھا۔ راستہ میں روسیوں نے لوٹ لیا۔ میں پا پیادہ اور خائف رات کو روسیوں کے ہاتھ سے جان بچا کر بھاگا۔ تو اتفاقاً شہزادہ حسن سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے مجھے پناہ دی اور ترکوں کی اعانت پر آمادہ کیا اور یہاں سے یہ خیال لے کر میں آذربائیجان گیا اور لوگوں کو لڑنے پر برانگیختہ کرنے لگا۔

مصطفےٰ پاشا: تو آپ کو شہزادہ حسن نے ہماری مدد کو بھیجا آپ کی اُن سے ملاقات ہے! اب پھر اُن سے ملنا چاہتے ہیں؟

مرزا عباس: بے شک اُن سے ملنے کا اشتیاق ہے۔ کیا یہاں آ گئے؟

مصطفےٰ پاشا: ہاں اب وہ ہمارے ہی پاس ہیں اور آپ کو شاید نہ معلوم ہوگا اخل زک کی لڑائی میں شریک تھے اور انہیں کی جرات اور کوشش سے وہ شہر فتح ہوا۔

مرزا عباس: تو ابھی وہ اخل زک میں ہی ہوں گے۔ میں اُن سے ملتا جاؤں گا۔

مصطفےٰ پاشا: انہیں وہاں سے فتح کے بعد وہ یہاں چلے آئے اور اب ہمارے ہی پاس ہیں۔

مرزا عباس: تو بلوایئے۔ ان سے ملنے کی مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ اگر چلے جانے کے بعد معلوم ہوتا کہ وہ یہاں موجود تھے اور نہ مل سکا۔ تو مجھے بڑا افسوس ہوتا الحمدللہ کہ ان سے ملاقات ہوئی۔

مصطفےٰ پاشا: نے حکم دیا کہ حسن پاشا کو اطلاع کی جائے مرزا عباس یہاں اُن کے مشتاق بیٹھے ہیں ایک سپاہی تھوڑی دیر کے بعد آیا اور کہنے لگا۔ حضور اُن کا تو پتہ ہی نہیں۔ ان کا خیمہ میں دیکھا اور محمود پاشا سے پوچھا مگر نہیں معلوم کہاں گئے ہیں۔

محمود پاشا: حضور مجھے بالکل خبر نہیں میں تو خود حیران ہوں۔

مصطفےٰ پاشا: کچھ تمہاری سمجھ میں آتا ہے کہ کہاں گئے ہوں گے؟

محمود پاشا: ان کی اس وحشت کا سبب آپ کو بھی معلوم ہے؟

مرزا عباس: کیا میں سن سکتا ہوں؟ اگر اُن کے عشق سے متعلق ہو تو چھپانا بے کار ہے۔ کیونکہ میں بھی اُن کا ہمراز ہوں، بلکہ اُن کی ملک فریب اور پاکدامن محبوبہ کے جمال جہاں آرا کی زیارت بھی کر چکا ہوں۔

مصطفےٰ پاشا: آپ تو جانتے ہی ہیں۔ پھر آپ سے مخفی رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ بالفصل مع اپنی محبوبہ کے انہوں نے یہاں آنے کا قصد کیا تھا اور سنا ہے وہ نازنین بھی راضی ہوگئی تھی۔ اسی غرض سے محمود پاشا یہاں آئے کہ ایک جہاز لے جا کر سوار کرا لائیں۔ یہ جہاز لے کر گئے۔ وہاں جا کر دیکھا تو اُس کوٹھی پر روسیوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔ اور توپیں لگی ہوئی تھیں۔ محمود پاشا مجبوراً۔ جہاز کو واپس لائے۔ راستہ میں ساحل پر حسن پاشا مل گئے۔ محمود پاشا سمجھا بجھا کر یہاں لے آئے۔ اب ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ان کی پری جمال محبوبہ خود بخود اپنی کوٹھی سے غائب ہوگئی اور وہ

پریشان ہو کر کوٹھی سے چلے آئے۔ ان کے بعد روسیوں نے قبضہ کرلیا میں نے بہت اطمینان دلایا کہ جہاں ملے جس طرح ملے تمہاری محبوبہ کو میں لا کر تم سے ملا دوں گا مگر اُن کے سر میں تو جنون عشق تھا۔ ظاہر میں ہاں میں ہاں کر دی۔ مجھے بھی یقین ہو گیا کہ یہ اب کہیں نہ جائیں گے۔ مگر اس وقت معلوم ہوا کہ خدا جانے کہان غائب ہو گئے۔

مرزا عباس: یہ تو بُری ہوئی۔ میں اُن کا احسان مند ہوں۔ مجھے اُن کے لیے اپنی جان دے دینے میں بھی دریغ نہ ہوگا۔ اب آپ مجھے جلد آگے بڑھنے کا حکم دیجیے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر زندہ ہوں تو اُن کو معہ اُن کی محبوبہ کے ڈھونڈھ لاؤں گا۔

مصطفٰے پاشا: مجھے آپ کی کسی رائے میں مخالفت نہ ہوگی۔ آپ کو جو کاروائی چاہیے، کیجیے اور جدھر چاہیے سبقت کیجئے۔ عمر پاشا کے پاس سے حکم آنے کے بعد میں سواحل گرجستان میں قدم بڑھاؤں گا۔ وہ کوٹھی شہزادی انجلینا کی عین دامن کوہ قاف میں واقع ہے آپ اپنی فوج لے کر شمال و جنوب کی طرف بڑھیے اور ادھر سے سیدھا شمال کی طرف ساحل ہی ساحل بڑھوں گا۔ اُس کوٹھی کے قریب ہماری اور آپ کی دونوں فوجیں باہم مل جائیں۔

مرزا عباس: بہتر تو اب جا کر طفلیس کی طرف بڑھوں گا۔ اور اس کے علاوہ شہزادہ حسن کے لیے مجھے بہت کچھ بندوبست کرنا ہے۔

اس کے بعد دونوں رُخصت ہوئے اور مرزا عباس نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اخل کلا کی کا راستہ لیا۔ مرزا عباس کو راستہ بھر دو فکریں پریشان کرتی رہیں۔ ایک تو وہ مخالفت اور عداوت جو شیعوں اور سُنیوں میں پیدا ہو گئی تھی۔ دوسرے شہزادہ حسن کی مفقو الخبر ی خود بخود دل میں خیال پیدا ہوتا تھا کہ سنی اس قابل نہیں ہیں کہ

انکی مدد کی جائے۔مگر پھر آپ ہی کہتا تھا کہ اگر چہ ترکی متعصب ہیں تو مجھے اسلام کی حالت پر خیال کے ان کی مدد سے دست بردار ہونا نہ چاہیے۔پھر کہتا تھا مگر میں اس کو کیا کروں کہ میری فوج کے سب شیعہ میرے ہم خیال نہیں۔اُن کو سُنیوں سے سخت تعصب ہے۔کیا کروں؟ اور وہاں حسن پاشا کی اعانت بالفصل میرا سب سے بڑا فرض ہے آخر اُس نے فیصلہ کرلیا کہ حسن پاشا کی ضرورت سے میں ابھی اُسی سرگرمی سے روسیوں کا مقابلہ کیے جاؤں گا اور حتی الامکان ایرانیوں اور ترکوں کو ایک جگہ جمع نہ ہونے دوں گا۔یہ چند ترکی افسر ہیں۔مگر یہ سمجھدار ہیں۔ان کی ذات سے فساد کی اُمید نہیں ہے۔مرزا عباس نے اب حسن پاشا کا پتہ لگانے کے لیے یہ ترکیب کی اور اپنے چند راز دار سپاہیوں کو حکم دیا کہ فقیرانہ لباس پہن کر گرجستان اور خصوصاً ان مقامات کی جہاں روسی فوجوں کا لشکر لگاہ ہو سیر کرتے پھریں اور یوں ہی چھپے چھپے لگائیں۔شہزادہ حسن پاشا اور شہزدی انجلینا کا جہاں سراغ لگے۔فوراً آکر اطلاع دیں۔علاوہ بریں اپنے معمولی جاسوسوں کو بھی انعام کی بہت کچھ طمع دلائی اور خاص فرودگار اخل کلا کی کی راہ لی۔اب اُس کے لڑائی کے ولولے اور جوش کو شہزادہ کے اخلاق اور شہزادی انجلینا کی پیری صورت دونوں باتیں یاد آکر اور اُبھار رہی تھیں۔

پھر وہی جہاد

مرزا عباس نے اخل کلا کی پہنچتے ہی فوج کو حکم دے دیا کہ کل ہم طفلیس کی طرف بڑھیں گے۔کل سپاہی اور تمام ایرانی مجاہد رات ہی سے کوچ کا سامان کرنے لگے۔تڑکے نماز سے فارغ ہوکر مرزا عباس نے بگل کا حکم دیا۔ایرانی مجاہد جن کے لیے نہ کوئی وردی تھی اور نہ شائستہ روسی فوجوں کی طرح ان میں دولتمندی کی دھوم دھام تھی۔ہاں دینی جوش کے ایک رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔سب اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوکر آئے اور میدان میں صفیں باندھ کر کھڑے ہوگئے۔آگے آگے توپیں روانہ ہوئیں اور ان کے بعد سواروں کی قطاریں تھیں اور ان کے پیچھے پیادے تھے، جو جوش وخروش سے آپس میں باتیں کرتے چلے جاتے تھے۔آگے آگے ترکی ہلالی جھنڈا تھا اور وہ جھنڈا بھی لہرا رہا تھا جو مجاہدوں نے خاص اپنی فوج کے لیے تجویز کیا تھا۔مرزا عباس اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور سب کے آگے پر جوش کلمات سے لوگوں کو جوش دلاتا جاتا تھا۔

آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے اُن کو وہ پہاڑیاں نظر آنے لگیں۔جن پر روسیوں نے مورچہ بندی کی تھی۔اور جہاں دور سے روسیوں کا جھنڈا لہراتا نظر آتا تھا۔ابھی یہ پہاڑیاں دور تھیں۔مگر بلندی کے باعث کوسوں سے نظر آتی تھیں۔روسی پھریرا دیکھتے ہی ایرانیوں نے نعرہ یا علی بلند کیا اور اس پُر جوش آواز سے معلوم ہوتا تھا۔کہ پہاڑیوں میں لرزہ پڑ گیا۔کیونکہ یہ آواز تمام صحرا میں گونجتی ہوئی پہاڑیوں سے جا کر اس زور سے ٹکرائی کہ تمام کوہستانی سلسلے نے جواب میں یہی جملہ مکرر ادا کر دیا۔مرزا عباس اپنی فوجوں کو بڑھائے چلا گیا۔یہاں تک کہ جب صرف دو۲ تین میل کا فاصلہ رہ گیا۔ایرانیوں کی اگلی صف نے برابر برابر ایک قطار میں اپنے نیزے

گاڑ دیے اور افسران فوج مجاہدوں کی فوج کو لڑائی کے اصول پر ادھر ادھر قائم کرنے لگے۔ مختلف مقامات پر مورچہ بندیان کر کے مرزا عباس نے علی پاشا سے کہا یہاں روسیوں سے مقابلہ کرنا مشکل ہے۔

علی پاشا: بہت مشکل ہے۔ روسی پہاڑیوں پر قابض ہیں اور آپ غور سے دیکھیے تو معلوم ہوگا۔ انہوں نے پہاڑیوں کے نیچے میدان میں بھی مورچہ بندی کی ہوگی۔ یہاں کئی قسم کی دقتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کے مورچے پہاڑیوں پر ہیں اور دوسرے سب سے زیادہ مشکل یہ بات ہے کہ روسیوں کے مورچے آگے پیچھے دور تک چلے گئے ہیں۔ اگر ہم بڑھ کر اور جان پر کھیل کر ایک مورچے پر قبضہ بھی کر لیں گے تو ہم پر اُن کے بعد والے مورچوں سے مار پڑنا شروع ہو جائے گی۔ یہاں تو روسی ہر طرح ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

مرزا عباس: اب یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ہم ان کا سامنا کر کے واپس چلے جائیں۔ اگرچہ آج کل کی لڑائیوں میں جو اُصول اختیار کیے گئے ہیں۔ ان کی بنا پر ہٹ جانا کوئی معیوب بات نہیں ہے۔ لیکن ہمارے ہمراہی صرف پُر جوش طبیعت کے لوگ ہیں وہ واپس جانا ہرگز گوارا نہ کریں گے۔ غلطی سے یا کسی طرح ہم یہاں آ گئے اب بغیر مقابلہ کیے نہ ہٹیں گے۔

علی پاشا: اچھا میں اپنے ہاں کے چند تجربہ کار افسروں کو بھیجتا ہوں۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھیں گے کہ یہاں روسیوں کا مقابلہ کرنے میں ہمیں کس کس طرف سے حملہ کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ اچھا دیکھو میں خود جا کر دریافت کرتا ہوں۔ اگر گولہ اندازی کے لیے ہمیں بھی کوئی عمدہ موقع مل جائے۔ تو کیا خوب ہو۔ لیکن روسیوں نے ہمارے لیے کوئی ایسا موقع کاہے کو چھوڑا ہوگا۔ بڑی مشکل ہے اور میں تو یہ ہرگز رائے نہ دوں گا کہ اپنے پُر جوش مسلمانوں کو بے سوچے سمجھے حملہ کر کے آپ کٹوا

دیجیے۔

مرزا عباس: تو پھر جلد کوشش کیجیے۔ ہم یہاں روسیوں کو اپنی صورتیں دکھانے اور اُن کی صورتیں دیکھنے نہیں آئے ہیں۔

علی پاشا فوراً گھوڑے سے اُترا اور بائیں طرف مُڑ کر پہاڑیوں کی راہ لی۔ دیر تک اِدھر اُدھر کی پہاڑیوں کو غور سے دیکھتا رہا۔ مگر جس قسم کا مقام وہ چاہتا تھا۔ کہیں نظر نہ آتا۔ علاوہ بریں معلوم ہوا کہ اب آگے بڑھنے کا موقع نہیں ہے۔ روسی توپخانوں نے کل کوہستانی مقامات اپنے قبضہ میں کر لیے ہیں۔ الغرض انہیں مجبوریوں سے علی پاشا کو واپس آنا پڑا۔ علی پاشا جب افسردگی کے ساتھ واپس آیا تو مرزا عباس نے پوچھا کہ آپ کو کوئی ایسا مقام ملا۔ جہاں سے ہم مقابلہ کرسکیں۔

علی پاشا: میری رائے میں تو اب کوئی جگہ نہیں مل سکتی۔ روسیوں نے بڑی مضبوطی سے ان پہاڑوں پر قبضہ کیا ہے۔

مرزا عباس: آخر آپ کو کوئی جگہ بھی ایسی نظر آئی جدھر سے ہم بڑھ کر ان تک پہنچ سکیں؟ دو باتوں کی ضرورت ہے ایک تو یہ کہ ہم کسی طرف سے موقع پا کر ان کے سر پر پہنچ سکیں۔ دوسرے یہ کہ ہماری توپیں روسیوں پر دو ایک بلند مقاموں سے گولہ باری کرسکیں۔ اور کہیں آڑ بھی ہو۔ اس کھلے میدان میں تو ہمیں پسپا ہی ہونا پڑے گا۔

علی پاشا: اصل میں تو ایسی کوئی جگہ نہیں ہے۔ لیکن اِدھر اُدھر دو ایک ٹیلے ہیں۔ جن کی آڑ پکڑ کر مقابلہ کرسکیں گے۔ آپ جو دیکھتے ہیں کہ روسیوں کی توپیں بلندیوں پر ہیں۔ ان کے مورچوں کا مدار نہیں پر ہے۔ ان پہاڑیوں کے آگے میدان میں بھی انہوں نے مورچہ بندیاں کیں ہیں۔ وہ جو سامنے ایک ٹیلہ سا نظر آتا ہے۔ وہ اصل میں ٹیلہ نہیں ہے۔ یہ بالو کے بھرے ہوئے بورے ہیں۔ ان کی آڑ

میں ہزاروں روسی ہوں گے اور توپیں لگی ہوئی ہوں گی۔ ابھی نہیں معلوم ہوتا۔ مگر جس وقت وہ آتش بازی کریں گے۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ ان کی فوج نے کس قدر پھیل کر اُن پہاڑیوں پر قبضہ کیا ہے اور ادھر ادھر دونوں طرف پہاڑیوں پر بھی توپیں لگی ہوئی ہیں۔ اگر آپ ذرا بھی بڑھے تو آپ پر تین طرف سے مار پڑے گی۔ اور اگر پہاڑیوں پر چڑھنا چاہیں تو ہمارے سپاہیوں کو چڑھتے چڑھتے دیر لگے گی اور اتنی دیر میں ان کی گرابیں سب کا کام تمام کر دیں گی۔ بڑی مشکل کا مقام ہے۔

مرزا عباس: (کچھ دیر سوچ کر) اچھا میں ایک تدبیر کرتا ہوں۔ آپ نصف فوج لیے سامنے پڑے رہیں اور میں نصف فوج کو لے کر داہنی جانب کو بڑھا جاتا ہوں۔ اُدھر روسیوں کے اور سب مورچے تو آڑ میں ہوں گے۔ صرف یہی داہنی طرف والے مورچے کا سامنا ہوگا۔ میں وہاں سے اس سے گولہ باری کروں گا۔ اگر موقع مل تو حملہ کر کے انشاءاللہ اس پر قبضہ کرلوں گا۔ مگر اتنا خیال رہے کہ جس وقت میں گولہ اندازی شروع کروں۔ آپ بھی اُدھر سے اُسی پہاڑی پر آگ برسانے لگئے گا۔ دیکھیے میں بہت جلد اس پہاڑی پر قبضہ کرلوں گا۔ پھر تو کوئی دقت نہ رہے گی۔

علی پاشا: ہاں ایسا ہو جائے تو کیا کہنے۔ لیکن اگر یہی ارادہ ہے تو آپ بائیں طرف جائیے۔ ادھر کا مورچہ نہایت عُمدہ موقع پر واقع ہے۔ اگر ہم نے اس پر قبضہ کرلیا تو روسیوں کے سب مورچے دب جائیں گے اور ہماری توپیں اُن کے ہر مورچے پر با آسانی گولے اتار سکیں گے۔

مرزا عباس: بے شک آپ بجا فرماتے ہیں۔ میں اسی طرف جاتا ہوں۔ دیکھیے دم بھر میں کیا کر دیتا ہوں۔

علی پاشا: انشاءاللہ۔

مرزا عباس نے اپنے ہمراہیوں کا ایک بہت بڑا گروہ لے کر بائیں طرف کا

رُخ کیا۔ وہ برابر بڑھتا گیا اور اتنی دُور نکل گیا کہ جہاں سے سوا اس خاص پہاڑی کے جس پر اس طرف روسیوں کا انتہائی مورچہ تھا اور کسی روسی فوج کا سامنا نہ تھا۔ وہاں ایرانی بہادروں نے اپنی فوج کا پھیلا دیا تھا اور قرینہ او موقع سے جا بجا توپیں لگا دیں۔ ایرانیوں ہی کی طرف سے پہلے لڑائی کی جھنڈی اڑائی گئی اور پہلا فائر ہوا۔ ایرانیوں کی بہادری میں کسی کو کوئی شک نہیں۔ انہوں نے فوراً گولے اُتارنا شروع کیے۔ روسیوں کی طرف سے بھی بڑی سرگرمی سے جواب دیا جانے لگا۔ مگر زمین آسمان کا فرق تھا۔ روسی پہاڑی پر مورچہ بندی کیے ہوئے تھے۔ اور ایرانی دامن کوہ اور بالکل بے پناہ جگہ میں تھے۔ اُن کے پاس ایسا سامان بھی نہ تھا کہ کھلے میدن میں اپنی آڑ کے لیے کوئی چیز جا کر قائم کر سکتے ہوں۔ وہ بالکل تن بہ تقدیر میں موت ہوتی تھی۔ روسیوں کے گولوں سے اُڑ جاتا تا تھا اور پھر زیادہ خرابی کی یہ بات تھی کہ ان غریبوں کے پاس گولہ باروت بھی اس کثرت سے نہ تھا کہ مہینوں مقبلہ کر سکتے۔ ایرانیوں نے اس وقت تک بہت سی لڑائیں فتح کی تھیں۔ مگر جس مصیبت کا سامنا انہیں اس لڑائی میں کرنا پڑا اس کی نوبت اور کہیں نہیں ئی تھی۔ خود مرزا عباس جو انتہا درجہ کا بہادر مجاہدانہ جانبازیوں میں فرد تھا۔ اس کا بھی یہ عالم تھا کہ جب اس لڑائی کی اس انتہا پر غور کرتا تھا۔ اسے ایک نہ ختم ہونے والا طور عمل نظر آتا تھا اور پریشان کر دیتا تھا۔ برابر کامل آٹھ گھنٹہ تک توپیں چلائیں اور ساعت بساعت روسیوں ہی کی آتش بازی ترقی کرتی جاتی تھی۔ اس امر نے عباس کو پریشان کر دیا۔ آخر اس نے پہاڑی اور روسی مورچے کو دُور بین سے خوب غور کر کے دیکھا۔ اور اس پر بھی غور کیا کہ پہاڑی کا کون پہلو ایسا ہے کہ سپاہی بسولت چڑھ سکیں۔ سوچتے سوچتے اسے معلوم ہوا کہ ایک طرف روسیوں کا مورچہ ضعیف ہے اور ہی پہلو ایسا ہے کہ لوگ کسی قدر چکر کھا کر باسآسانی چڑھ سکیں۔ یہ سوچ کر اس نے اپنے گولہ اندازوں کو حکم دیا کہ

اسی طرف بہت کثرت سے گولہ برسائیں اور روسی مورچے کو جہاں تک ہو سکے مسمار کریں۔

اسی رائے پر عمل کیا گیا۔ اب وہ وقت آخر ہو گیا اور شام ہوا چاہتی تھی۔ آفتاب مغربی گھاٹیوں میں ڈوبنے لگا تھا اور شفق کی سنہری شعاعوں نے توپوں کے دھوئیں کو سنہرا بان کر پہاڑیوں پر اپنا طلائی فرش بچھا دیا تھا۔ اس کے پہلے تاریکی کسی قدر غالب آ گئی تھی کہ اب شفق نے اس کو دفع کر کے یک بیک ہر چہار طرف کے سین کو ایسا چمکا دیا تھا۔ لڑنے والے سپاہی غنیم کا مقابلہ کرتے کرتے ان قدرتی کیفیتوں کا تماشا دیکھنے لگتے تھے۔ طیور درختوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں سے اُڑ اُڑ کر اپنے آشیانوں کا قصد کرتے تھے۔ مگر توپوں کی وحشت ناک آوازیں جو ہر چہار طرف کے کوہسار میں گونج گونج اُٹھتی تھیں۔ انہیں ایسا خائف بنا دیتی تھیں کہ پھر پلٹ کر گھبراہٹ کے ساتھ ہوا میں چکر لگانے لگتے تھے۔

اگرچہ ایرانیوں کے پاس اس قدر سامان نہ تھا۔ مگر انہوں نے بڑی کوشش سے گولہ باری کی اور آخر تین چار گھنٹہ میں روسی توپوں کا مُنہ بند کر دیا اور مورچہ بالکل منہدم کر دیا۔ اب رات کا اندھیرا غالب ہو گیا۔ چونکہ قمری مہینے کی آخری تاریخ تھی۔ اس وجہ سے طلوع مہتاب کو بہت عرصہ باقی تھا۔ رات کا تاریک برقع ایرانیوں کا بڑا اچھا رہبر ہوا اور اگرچہ ان کی توپیں اب تک برابر فائر کرتی تھیں۔ مگر اُن کے سپاہی پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ اونچے اونچے ٹیلوں کی آڑ پکڑتے ہوئے برابر بڑھتے چلے جاتے تھے۔ روسیوں کو ایرانیوں کے حملہ کی بالکل خبر نہ تھی۔ دوسرے مورچے سے روسی اس طرف آ جاتے۔ مگر اُدھر علی پاشا برابر فائر کر رہا تھا اور اس سے ان کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ ایرانیوں نے اُس پہاڑی پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ الغرض کامل ایک گھنٹہ کے بعد ایرانی بلندی پر پہنچ گئے اور جس وقت اُن کی بندوقوں

کی باڑہ روسیوں پر پڑی اس وقت اُن کی توپیں پہروں پر سے گر پڑی تھیں اور پریشان ہو رہے تھے کہ اس باڑہ نے اور مضطرب کر دیا۔ ایرانی برابر باڑھیں مارتے ہوئے توپوں پر پہنچ گئے اور عین روسی مورچے پر ایک ایرانی نے ترکی جھنڈا اُڑا کر ثابت کر دیا کہ ہم نے قبضہ کر لیا۔ گولہ اندازی موقوف ہو گئی اور بہادر مسلمان سپاہی سنگینیں لیے ہوئے روسیوں پر چڑھ گئے۔ روسیوں کے افسر نے جب دیکھا کہ ہمارا انتظام بگڑ گیا ہے۔ اور اب ہم کاروائی نہیں کر سکتے۔ اس نے فوراً حکم دے دیا کہ روسی سپاہی مورچہ چھوڑ کر چلے جائیں۔ مگر اب ان کو بھاگتے بھی نہیں بنتا تھا۔ ایرانی سنگینیں اور تلواریں ان پر اپنا کام کر رہی تھیں۔

آخر کار اس پہاڑی پر ایرانیوں کا بخوب قبضہ ہو گیا اور مرزا عباس نے اپنی بہت سے فوج اوپر چڑھا کر اپنی خاص مورچہ بندی کر لی۔ رات بھر ایرانی فوجیں اس پہاڑی کو اپنی مضبوط گڑھی بناتی رہیں۔ مقابلہ اور گولہ اندازی بارہ بجے رات تک جاری رہی۔ اس کے بعد صبح پر اُٹھا رکھی گئی۔ آدھی رات کو علی پاشا بھی اس پہاڑی پر آتا اور اُس نے بلندی پر چڑھ کر ہر طرف ان پہاڑیوں کو دیکھا۔ جن پر روسیوں نے قلعہ بندی کی تھی۔ تمام روسی مورچوں کو غور سے دیکھ کر وہ مرزا عباس کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔ آپ کی کوششیں بے شک ایسی ہیں، جو ہماری تدابیر اور ہمارے حوصلوں سے بڑھ جایا کرتی تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پہاڑی پر قبضہ کرنے سے گویا فتح کی کنجی ہمارے ہاتھ لگ گئی۔ اب روسیوں کے مقابلے میں ہمارا قدم جم گیا اور اُن کے افسر ہزار کوشش کریں۔ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

مرزا عباس: آپ دیکھ لیجیے گا۔ اس لڑائی میں ہم بہت جلد روسیوں کو پسپا کر دیں گے۔

علی پاشا: یہ سب ٹھیک ہے، لیکن اگر اس پہاڑی پر بھی قبضہ ہو جانا۔ جن پر

روسیوں نے اُدھر داہنی طرف مورچہ بندی کی ہے تو بہت اچھا ہوتا ہم دونوں طرف سے اُن پر گولہ باری کر سکتے اور یہاں ہمارا تو صرف ایک ہی مورچہ ہے اور ان کے بہت سے مورچے ہیں۔ ہم کس کس کا جواب دیں گے۔

مرزا عباس: میری رائے تو یہ ہے کہ اب ہم اس کے برابر والی دوسری پہاڑی پر بڑھ کر قبضہ کریں۔ اُدھر دُور بڑھ کر ہم جائیں گے تو روسی یہ مورچہ بڑھ کر پھر ہم سے چھین لیں گے۔

علی پاشا: نہیں یہ نہیں ٹھیک ہے۔ کل آپ معمولی طور پر مقابلہ کیجیے۔ بلکہ بڑھنے کا قصد نہ کیجیے۔ آپ سے قریب جتنے روسی مورچے ہیں اُن میں کل روسی فوج بہت ہو جائے گی اور خاص آپ کے مقابلے کے لیے وہ اپنی پوری قوت صرف کر دینے کی کوشش کریں گے۔ میں اُس فوج کے ساتھ جو ابھی نیچے ہے۔ اور میدان میں پڑی ہوئی ہے۔ ادھر کی پہاڑی پر جس کو میں نے کہا ہے حملہ کروں گا اور انشاء اللہ آپ کی طرح کل رات تک اس پر بڑھ کر قبضہ کر لوں گا۔ ان دو پہاڑیوں پر ہمارا قدم جم گیا۔ تو روسیوں کے بنائے کچھ نہ بنے گا اور ہم ان کے سب مورچے توڑ کر مسمار کر دیں گے۔ خبردار آپ اپنے مورچے سے آگے بڑھنے کا قصد نہ کیجیے گا۔

مرزا عباس: بہتر آپ کی رائے بہت ٹھیک ہے۔ میں یہیں سے گولہ باری کروں گا۔ آپ تشریف لے جائیے اور خدا آپ کو کامیاب کرے۔

علی پاشا: کچھ تر کی فوج بھی آجاتی تو بہت اچھا تھا۔ ان کی باضابطگی اور آپ کی شجاعت دونوں سے ملکر بہت عُمدہ نتیجہ نکلتا۔

علی پاشا: کیونکر بلوائیں۔ ہماری بدبختی سے مذہبی جھگڑا ایسا پیدا ہو گیا ہے کہ اُن کے آنے کی صورت میں فتح کے بدلے مجھے شکست کا اندیشہ ہے۔

مرزا عباس: اچھا کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ دونوں الگ الگ

مورچوں میں رکھے جائیں۔

علی پاشا: بہتر تو چالیس ہزار ترک بلوائے لیتا ہوں۔ اس لڑائی میں بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں گی۔ ترکی فوج کا بہت زیادہ حصہ ہونا چاہیے۔

مرزا عباس: فوراً بلوایئے۔

بعد صاحبِ سلامت کے علی پاشا پہاڑی سے اُتر کر ان ایرانی جان باز سپاہیوں میں آیا، جو میدان میں پڑے ہوئے تھے اور جنہوں نے گزشتہ لڑائی میں باوجود ایک بے امنی کے مقام میں ہونے کی بڑی بہادری دکھائی تھی۔ فوراً ایک نامہ بر مصطفےٰ پاشا کی طرف سے گیا اور ترکی فوج طلب کی گئی۔

یہ رات تیاریوں اور لڑائی کے سامان میں گزر گئی۔ صبح ہوئی اور پھر وہی توپوں کی آوزیں اس کوہسار کے سنگستانی سین کو متوحش اور ہولناک بنانے لگیں۔ پہاڑی لوگ جو روز صبح کو اپنے مویشی چراتے اُدھر ان سبزہ زاروں اور گھاٹیوں میں آتا کرتے تھے کچھ رات رہے سے وہ دوسری طرف نکل گئے اور تقدیر نے صرف ان لوگوں کو رہنے دیا جو جان دینے پر آمادہ تھے۔ صبح سے پہلے ہی علی پاشا اپنے ہمراہیوں کا ایک چھوٹا گروہ چھوڑ کر باقی لوگوں کو داہنی طرف اُس پہاڑی کے مشرقی پہلو پر نکال لے گیا، جس پر حملہ کرنا تھا۔

صبح ہوئی آفتاب کی روشنی کے بعد کرنیں اور کرنوں کے بعد وہ خود مشرقی پہاڑیوں کے دامن سے نمودار ہوا۔ مگر جس وقت آفتاب نے اپنا نورانی چہرہ پردہء مشرق سے نکال کر دیکھا ہے۔ اس وقت ترکی اور روسی توپیں سرگرمی سے اپنا کام کر رہی تھیں۔ اور ان کا دھواں اُن کی شعاعوں کو مغرب کی انتہائی حدود تک پہنچنے سے روک رہا تھا۔ اس مورچے پر بھی ایرانیوں نے سخت آتش بازی کی۔ گولے برابر بلندی پر چڑھ کر جاتے تھے اور سروں پر پھٹتے تھے۔ اسی طرح ایرانیوں کے سروں پر

وہ گولے آ آ کر پھٹتے تھے اور ہو بڑے بڑے مضبوط دلوں کو ہلا دیتے تھے۔ دن بھر برابر یونہی گولہ چلا اور آفتاب کو تمام دن بھی سیر کرتے گزر گیا۔ اگر چہ لڑائی نہیں موقوف ہوئی۔ مگر شام کے سیاہ پردے نے نظروں کو اِدھر اُدھر جانے اور اُدھر سے اِدھر آنے سے بالکل روک دیا۔ ہاں توپوں کی آگ اور گولیوں اور گولوں کی چمک آتش بازی کا ایک عُمدہ تماشا دکھانے لگی۔ تارے تو مغربی رفتار میں یہ ادا دکھایا کرتے ہیں کہ جب قدم آگے بڑھاتے ہیں آنکھیں بچا کر۔ مگر یہ زمین کے تارے نہایت سرعت اور صفائی کے ساتھ اِدھر اُدھر آتے جاتے تھے اور اپنی رفتار میں آسمان کے ٹوٹنے والے تاروں سے زیادہ صفائی دکھا رہے تھے۔

رات کا بھی زیادہ حصہ گزر گیا اور لڑائی اس طرح قیامت بپا کئے ہوئے تھی۔ ہر چہار طرف فوجی اصول کی لالٹینیں روشن تھیں اور انہیں کے ذریعے سے برابر فوجی افسروں کے احکام اجرا پاتے تھے۔ رات کے گیارہ بجے ہوں گے کہ علی پاشا نے رسی مورچے کی طرف غور سے دیکھا اور دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ اب ادھر روسیوں کے پاس سامانِ جنگ کم رہ گیا ہے۔ اپنی فوج کے دس ہزار آدمی اُس نے چُن لیے اور ان کو لیے ہوئے پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ اب وہ زیادہ امن کے مقام میں تھا، کیونکہ میدان سے روسیوں کا سامنا تھا اور اب بڑی بڑی چٹانیں اور جا بجا کے نشیب اُسے اور اُس کے ہمراہیوں کو اپنے دامن میں چھپائے ہوئے تھے۔ علی پاشا کی روانگی کے بعد اُس کے حکم کے بموجب اس ایرانی فوج نے جو میدان میں تھی۔ روسی مورچے پر سخت گولہ باری شروع کر دی اور ایسی سخت کہ روسیوں کی سامنے والی فوج کو غنیم کے سوا اور کسی طرف متوجہ ہونے کی مہلت نہ ملتی تھی اور اسی وجہ سے بالکل نا سمجھ سکے کہ ایرانی فوج اُن پر حملہ کر غرض سے اوپر چڑھتی آتی تھی۔ ان ایرانیوں نے جو اوپر چڑھ رہے تھے سخت تکلیفیں اٹھائیں کیونکہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ اور

اندھیرے میں پتھروں سے ٹکر ٹکرا کر گر پڑتے تھے۔ مگر حوصلہ ایسا بڑھا ہوا تھا اور نیز علی پاشا آہستہ آہستہ اس عمدگی اور جوش کے کلمات سے اُن کے حوصلے بڑھاتا جاتا تاھ کہ ان تمام مصائب کو وہ بالکل دھیان میں نہ لاتے تھے اور اُن چٹانوں کو نہیں بلکہ گویا ناکامیابیوں کو ٹھوکریں مار مار کر اوپر کا رُخ کئے ہوئے چلے جاتے تھے۔ جب تک یہ اوپر پہنچیں ایرانی میدان کی فوج نے روسیوں کی توپوں کا منہ بند کر دیا تھا اور بعض بعض توپیں بھی پھڑوں پر سے گرا دی تھیں۔ علاوہ بریں وہ مطمئن تھے کہ اب رات کو تو کوئی حملہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے دوسرے مورچوں سے مدد منگوانا انہوں نے صبح پر موقوف رکھا تھا۔ مگر ان کو اپنی غلطی اس وقت معلوم ہوئی جب ادھر اُن کے مورچے کی گھڑیال نے دو بجائے اور ادھر ناگہان ایرنی بندوقوں سے ان پر باڑھیں پڑنا شروع ہوئیں اور یک بیک ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ روسی بڑی حیرت اور بڑی اضطراب کے ساتھ اپنی غلطی اور احمقانہ اطمینان کا نتیجہ دیکھ دیکھ کر گھبرا رہے تھے اور ایرانی باڑھیں مارتے ہوئے اور چڑھتے آتے تھے یہاں تک کہ ایرانی خاص روسی وہسوں پر چڑھ آئے اور ان کی توپوں پر قبضہ کر لیا۔ دو گھڑی کامل تک سخت مقابلہ ہوا اور نہات سختی سے سنگینیں چلیں۔ مگر علی پاشا نے خود اُن کے اُونچے وہس پر چڑھ کر اپنا جھنڈا گاڑ دیا باوجود اس کے کہ ایرانیوں نے اس قدر غلبہ حاصل کر لیا تھا روسی بڑی جرات سے مقابلہ کر رہے تھے اور گویا اس پر آمادہ تھے کہ جان دے کر مورچہ چھوڑیں گے۔

لیکن علی پاشا کی تدبیر کارگر ہوگئی۔ اس تدبرے کو پہلے کوئی نہیں سمجھتا تھا۔ اب معلوم ہوئی جب روسیوں کو سوا بھاگنے کے کسی بات میں مضر نہ تھا۔ اس نے اپنی فوج کے دو حصے کے دیے تھے۔ ایک حصہ تو اُس کے ہمراہ پہلے روسی وہسوں پر چڑھ گیا تھا۔ اور دوسرے حصے نے دو گھڑی انتظار کے بعد یک بیک نعرہ ءیا علی بلند کیا اور

مرگ عام کی طرح روسیوں پر آپڑا۔ اس جلالی اور پُر ہیبت جملے سے سارا کوہسار گونج اُٹھا اور روسی قبل اس کے کہ مقابلہ کی نوبت آئے بدحواسی کے ساتھ بھاگنے لگے۔ روسی اس مرتبہ اس بدحواسی کے عالم میں بھاگے تھے کہ ان کو راست نہ ملتا تھا اور شراب کے نشے میں اکثر اونچی چٹانوں سے پھاند پھاند پڑے اور گویا خودکشی کر کے جان دینے لگے شاید تھوڑے ہ روسی بچے ہوں ورنہ اکثروں نے تو خودکشی میں اپنی ہڈیاں پسلیاں آپ ہی توڑ کر جان دے دی اور باقی ایرانی سنگینوں اور تلواروں کی نذر ہوئے۔

علی پاشا نے کامیابی کے ساتھ اپنا قبضہ کرلیا اور لالٹین کے اشارے سے نیچے والے ایرانیوں کو خبر کی کہ ہم نے مورچہ فتح کرلیا اب گولہ باری موقوف کرو اور دُور کے مقامات تک خبر ہوگئی کہ ادھر اسلامی فوج نے قبضہ کرلیا۔ مرزا عباس کو بھی معلوم ہوا اور اپنے دوستوں کی اس کامیابی پر اُس نے سجدہ شکر ادا کیا۔

علی پاشا نے ارادہ کیا کہ اس مورچے کو رات بھر میں ایسا درست اور مضبوط کرے کہ صبح کو روسی حملہ نہ کرسکیں اور اگر وہ قصد بھی کریں تو پورے طور پر پسپا کر دے جاسکیں۔ ایرانیوں نے ہر طرف اپنی توپیں لگائیں اور جا بجا اپنی فوج کو معین کیا اور لالٹین ہی کے اشارے سے نیچے سے تین ہزار فوج اور اُوپر بلائی گئی اور اس مورچے میں اب کُل چالیس ہزار سپاہی تھے اور کوئی معمولی سپاہی نہیں۔ ہر سپاہی میں ایسا جوش بھرا ہوا تھا کہ وہ اکیلا روسیوں کی تمام فوج پر حملہ کرنے کا دعویٰ رکھتا تھا۔ الغرض صبح سے پہلے یہ پوری طرح سے درست کردیا گیا تھا اور صبح کو روسیوں کے دُور دُور کے مورچوں نے اس پہاڑی پر مسلمانوں کا پھریرا اُڑتا ہوا دیکھا اور غور کیا تو اب ان میں ہرگز اتنی قوت نہ تھی کہ مسلمانوں کو وہاں سے ہٹاسکیں۔ روسیوں کو اس امر کا بہت بڑا صدمہ ہوا اور خائف کہ اب دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ کیونکہ جن دو پہاڑیوں

پر مسلمان قبضہ کر چکے تھے۔ وہ گویا فتح اور کامیابی کی کنجیاں تھیں۔

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

بے بسی اور دیدار

اس لڑائی کے سین کو تو ہم چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر اس سے ذرا شمال کی طرف ایک سبزہ زار کی سیر کرتے ہیں۔ جو زیادہ دلچسپی کا مقام معلوم ہوتا ہے۔ آخر وقت ہے اور آفتاب اپنے مشتاقوں سے رخصت ہو رہا ہے۔ جدھر نظر جاتی ہے کوسوں تک ہرا بھرا سبزہ زار چلا گیا ہے اور اُس زمین کا جوبن خوب نکھار کے دکھا رہا ہے۔ جس کی خاک سے جو پتلا بنا ہو گا۔ خوبصورت بنا ہو گا۔ لڑائی کے مقامات سے جو چرواہے اپنے مویشیوں کو بھگا لائے ہیں۔ وہ یہاں چاروں طرف اپنے گلوں کو چرا رہے تھے اور اب آخر روز کے خیال سے مع اپنے مویشیوں کے اِدھر اُدھر فاصلے پر جاتے جاتے پہاڑیوں کے دروں اور دامنوں میں غائب ہو جاتے ہیں اور گویا آفتاب کی کرنیں انہیں ہر چہار طرف بھگا بھگا کے نظر سے چھپا دیتی ہیں۔ اس سین میں ناگہاں ایک سوار مغرب کی طرف سے آتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ گھوڑا بڑھائے چلا آتا ہے اور خدا جانے کون سے ضروری کام کے لیے آتا ہے کہ نہ سنگستانی زمین کے نشیب و فراز اُس کی رفتار میں سستی پیدا کرتے ہیں اور یہ رات کا ابتدائی وقت اور یہ کوہستانی ہولناک وادیاں اس کے حوصلے کو پست کرتی ہیں۔ وہ سوار آتے آتے اس سبزہ زار کے عین وسط میں پہنچتا ہے اور ایک راستے کو دیکھ کر جو جنوب کی پہاڑیوں کو قطع کرتا ہوا نکل گیا ہے۔ ٹھہر جاتا ہے اور خود بخود کہنے لگتا ہے۔ بس یہی راستہ ہے اس کے سوا اور کدھر سے جا سکتے ہیں۔ میں یہیں ٹھہرتا ہوں۔ افسوس انتظار ستائے گا۔ مگر کیسا انتظار! اور انتظار بھی ہے تو کس مزے کا۔ میں بڑے شوق سے منتظر رہوں گا۔ خدا کرے جلد آجائیں۔ وہ لوگ آج آئیں گے ضرور مجھے تحقیق طور پر معلوم ہوا ہے۔ اُن سے مجھے کیا غرض۔ چاہیں ہوں یا نہ ہوں۔ خدا کرے وہ بھی ہو۔ جس کے انتظار میں

یہاں آیا ہوں۔لیکن ہاں اس تنہائی میں اُن لوگوں کا کیا بنا سکوں گا۔ میں تنہا اور ادھر فوج کی فوج۔ اوہ۔ اس کی کچھ پرواہ نہیں اپنی جان تو دے سکتا ہوں۔ خیر اب تو یہاں ٹھہرنا ہی ہے اطمینان سے اور احتیاط سے ٹھہرنا چاہیے۔

اتنا کہہ کہ یہ سوار گھوڑے سے اُتر پڑتا ہے اپنے گھوڑے کا دہانہ پکڑ کر پہلے ہر چہار طرف نظر دوڑاتا ہے۔اور آخر گویا کسی امر مستقل ارادہ کر کے ایک طرف بڑھتا ہے اور چند قدم بڑھ کر ٹیلے کی آڑ میں غائب ہو جاتا ہے۔

اس سوار کی وضع کچھ ایسی ملی جلی تھی کہ صورت دیکھ کر دُور سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ روسی تھا یا ترک۔ اگر چہ لباس کا زیادہ حصہ ترکی سپاہیوں سے ملتا ہوا تھا۔مگر ترکی ٹوپی جو خاص ترکوں کی قومی نشان ہے۔اس کے سر پر نہ تھی۔تاریکی میں زیادہ نہیں معلوم ہو سکا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ایک نوجواب ہے۔نہایت ہی حسین اور خوش رو نوجوان تھا۔

یکا یک سامنے کے سین میں ایک نوعمر عورت پیدا ہوتی ہے جو اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار نہایت تیزی سے دوڑتی چلی آتی ہے۔کاکلیں دونوں طرف شانوں پر بکھری ہوئی ہیں اور ایک نہایت ہی خوشنما پھول دار ٹوپی سر پر ہے۔ یہ عورت قریب آ کر ٹھہر جاتی ہے اور گویا کسی کو ڈھونڈھنے لگتی ہے۔یہ نازنین عورت ادھر ادھر پھرتے پھرتے جب تھکنے کے قریب پہنچتی ہے اور مایوس ہونے لگتی ہے تو وہی سوار دامن کوہ سے نکل کر اُس کی گھوڑے کی باگ پکڑ لیتا ہے اور وہ فوراً اُتر کر اُس کے گلے سے لپٹ جاتی ہے۔

عورت: آہ! کیلئے مزاج اچھا ہے۔کن مصیبتوں کے بعد زیارت نصیب ہوئی ہے۔

نوجوان: بس اس سے زیادہ میں نہیں کہہ سکتا کہ جیتا ہوں۔تم یہاں کیوں کر

آئیں۔

عورت: مجھے ابھی معلوم ہوا کہ آپ یہاں تشریف رکھتے ہیں۔

نوجواب: کیوں بتاؤں کسی نے کہا۔ مجھے ہی نہیں۔شہزادی صاحب کو بھی معلوم ہے کہ آپ یہاں اُن کے منتظر ہیں اور اسی لیے میں دوڑتی ہوئی آئی ہوں کہ سمجھا کر آپ کو یہاں سے ہٹالے جاؤں۔

نوجوان: کیا تمہیں یقین ہے کہ میں تمہارے کہنے سے چلا جاؤں گا۔ ہرگز نہیں۔مریم پھر یہ جملہ زبان سے نہ نکالنا۔

مریم: تو اب کیا آپ جان ہی دینے پر آمادہ ہیں؟ ہماری شہزدی کو بھی ہلاک کیجیے گا؟ آپ کے بعد اُن کا کیا حال ہوگا یہ بھی آپ جانتے ہیں۔

نوجوان: ہاں جانتا ہوں مگر اس کو کیا کروں کہ مجھ میں صبر کی تاب نہیں ہے اور مریم بے صبری کا حال تم خوب جانتی ہو۔اچھا خیر یہ تو بتاؤ کہ شہزادی صاحبہ اتنے دونوں کہاں رہیں اور اپنی کوٹھی سے کیونکر غائب ہوگئی تھیں اور پھر تم ان کے پاس کیوں کر پہنچیں۔یہ سب باتیں اب کہانی معلوم ہوتی ہیں۔مگر افسوس کبھی یہ واقعات ہماری صحبت میں گزر رہے تھے۔مریم جلدی بیان کرو۔ ایسا نہ ہو کہ روسی سوار آجائیں۔

مریم: اچھا یہ داستان سُننا ہے تو کسی طرف پوشیدہ مقام میں چل کر بیٹھو۔تا کہ میں اطمینان سے بیان کرسکوں اور یہاں بیچ میدان میں تو خوف لگا ہوا ہے کہ کسی طرف سے روسی فوج نہ آجائے اور آپ خود جانتے ہیں کہ ان دنوں یہ مقام روسی فوجوں کی گزرگاہ ہے۔خصوصی جس وقت سے پہاڑوں میں روسیوں نے مورچہ بندی کی ہے اور ترکوں کی متواتر فتوحات کا اثر خود شہر طفلیس پر پڑ گیا ہے۔اس وجہ سے کہ کوہ قاف کے اُس طرف سے جو فوجیں آتی ہیں وہ طفلیس میں ایک شب قیام

کر کے اسی راہ سے میدانِ جنگ کو جاتی ہیں۔ اچھا اب دیر نہ کرو۔ چلو اُس پہاڑی کی آڑ میں چھپ کر بیٹھیں۔

یہ نوجوان اور مریم دونوں یہاں سے اُٹھتے ہیں اور اس مقام پر جا کر پوشیدہ بیٹھ رہتے ہیں جدھر مریم نے انگلی سے اشارہ کر کے بتایا تھا اور مریم اب اپنی شہزادی کی داستان بنان کرنا شروع کرتی ہے۔

مریم: شہزادے صاحب کیا کہوں کہ آپ کی شہزادی انجلینا نے آپ سے جُدا ہو کر کیسی کیسی مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ آپ کو اور ان کو کسی کو خبر نہ تھی مگر تقدیر در پردہ آپ دونوں کے ساتھ دُشمنی کر رہی تھی۔ روسی گورنر طفلیس کو کسی نے خفیہ اطلاع دی کہ شہزادی انجلینا کے ذریعہ سے کسی نہ کسی قسم کا نقصان کا خوف ہے۔ غنیمت ہوا کہ اس نے اور کچھ نہیں بیان کیا تھا ورنہ آپ کے دشمن بھی گرفتار ہو جاتے۔ یہ خبر سُن ک گورنر صاحب نے فوجی لوگوں سے مشورہ لیا۔ انہوں نے کہا اگر شہزادی انجلینا کا چال چلن مشتبہ ہے تو احتیاط لازم ہے۔ کیونکہ ان کا مکان ایسے موقع پر واقع ہے کہ پوشیدہ طور پر اگر وہ چاہیں۔ بلکہ غفلت کریں تو بہت سی ترکی فوج ہماری سرحد میں داخل ہو سکتی ہے۔ شہزادی انجلینا پر چونکہ ہمیشہ سے شہنشاہ روس کو اعتبار تھا۔ اس لیے گورنر صاحب کو یہ جرات نہ ہوئی کہ بغیر صریحی جرم قائم کیے۔ گرفتار کر لیں۔ لہذا انہوں نے افواج متعینہ سواح بحر اسود کے افسر کو لکھا کہ تم کوئی ایسی تدبیر کرو شہزادی انجلینا اپنی کوٹھی سے باہر نکل آئیں۔ بس ایسا موقع پاتے ہی تم انہیں حراست میں کر کے میرے پاس بھیج دو۔ اس حکم کی تعمیل عجب طرح سے ہوئی۔ ایک رسالہ کا کرنل آدھی رات کو چند سواروں کو لے کر ہماری کوٹھی کے قریب گیا۔ اور خود کوٹھی کے برآمدہ کے قریب ٹہلنے لگا۔ اتفاقاً شہزادی صاحبہ جات رہی تھیں۔ آہٹ پا کر تنہا نکل آئیں۔ اور اس روسی شخص سے پوچھنے لگیں کہ تم یہاں کیوں ٹہل رہے ہو۔ وہ کہنے لگا میں ایک

سرکاری کام پر جارہاہوں آپ کے باغ کے قریب ایک ترک نظر آیا اُس سے خوف زدہ ہوکر میں آپ کے یہاں آیا کہ آپ کی مدد سے اُسے گرفتار کرلوں، ورنہ احتیاط سے نکل جاؤں اتنا سنتے ہی شہزادی صاحبہ کو آپ کا خیال گزرا اور دل میں سمجھ کر کہ اسے سمجھا بجھا کر کسی حکمت سے ٹال دیں۔ بے سوچے سمجھے خود چل کھڑی ہوئیں۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ اس میں دھوکا ہے اور چونکہ آپ کا رازوہ کسی اپنے آدمی پر بھی ظاہر نہیں ہونے دیتی تھیں۔ اس لیے کسی کو ساتھ نہ لیا۔ اکیلی اس کے ساتھ چلی گئیں۔ شہزادے صاحب! آپ کی محبت نے انہیں دھوکا دیا۔

باہر جاتے ہی شہزادی صاحبہ سمجھیں کہ انہیں فریب دیا گیا ہے۔ مگر اس وقت کیا کرسکتی تھیں۔ روسیوں نے اپنی حراست میں کرلیا اور اسی دم طفلیس کی طرف روانہ کی گئیں۔ راتوں رات سفر کرکے وہاں پہنچیں اور گورنر طفلیس کا سامنا ہوا۔ اس ظالم نے بہت دھمکا دھمکا کر پوچھا کہ تم سے ترکوں کا کسی قسم کا تعلق ہے۔ مگر نہ انہوں نے اعتراف کیا اور نہ کسی اور طریقے سے ثبوت پہنچ سکا۔ لیکن باوجود اس سے کہ کوئی جرم نہیں ثابت ہوا۔ بلحاظ احتیاط حکم دیا گیا کہ ایک فوجی افسر کامروف کے زیر حراست رہیں۔ کامروف خاصی روسی شخص ہے۔ ابتداءتو وہ طفلیس ہی میں رہتا تھا۔ مگر اب اسے معہ اپنے ماتحت سپاہیوں کے لڑائی پر جانے کا حکم ہوا اور تاکید کردی گئی کہ تین دن کے اندران پہاڑوں پر جانے کا حکم ہوا ہے اور تاکید کردی گئی ہے کہ تین دن کے اندران پہاڑوں میں پہنچ جائے، جن روسیوں نے مورچہ بندی کی ہے۔ یہ افسر ایک خوش رو اور شاعرانہ مزاج کا آدمی ہے۔ اُس کی طبیعت کو سپہ گری سے بہت کم لگاؤ ہے اور اُس کی زندگی بالکل شاعرانہ خیالات میں گزر گئی ہے۔ کامروف نے شہزادی انجلینا کی صورت دیکھی تو اُس کے حسن داد اکے جذبات اُس روسی افسر کے دل پر پورا اثر کر گئے۔ پہلے تو اُسکے شوق کو عشق سے بدل دیا۔ افسوس

انجلینا اپنے دل میں ٹھہرا چکی تھی کہ سوا آپ کے وہ کسی کے لیے نہیں ہے۔ مگر بے چاری اُسکو کیا کرے کہ اب تمہارے رقیب کے بس میں تھی۔ کامروف نے پہلے تو انجلینا کی ناز برداری ہی کی۔ لیکن جب یوں کام نہ چلا تو جبر و تشدد کرنے لگا۔

اسی زمانہ میں مجھے شہزادی کے ایک روسی ملازم کی زبانی شہزادی کا یہ حال معلوم ہوا تو دنیا میری آنکھوں میں اندھیر ہوگئی۔ میں نے اپنے تمام متعلقین کو چھوڑ دیا، اور طفلیس کی راہ لی، شہزادی میری صورت دیکھ کر بہت روئی، اپنی بے کسی کی داستان اول سے آخر تک مجھے سنائی، تمہارا حال دریافت کیا، کامروف نے جب دیکھا کہ شہزادی انجلینا مجھ سے مانوس ہے تو مجھے ہر وقت پاس رہنے کی اجازت دی اور خوشامد کرنے لگا کہ میں شہزادی کو راضی کر دوں، مگر کیا کروں، شہزادے میرے دل میں بھی تم سے زیادہ اس کی محبت تھی، ظاہرداری کے لئے تو اس سے وعدہ کرتی رہی، مگر باطن میں، میں نے انجلینا کو اس کے خلاف کر ہی دیا، الغرض ایک زمانہ انہیں مصیبتوں میں گزر گیا، سب سے زیادہ خرابی یہ ہوئی کہ کامروف کو اب لڑائی پر جانے کا حکم ہوا۔ اور وہ گورنر طفلیس کے حکم سے یا اس سے اجازت لے کر شہزادی انجلینا کو بھی اپنے ہمراہ لیے جاتا تھا۔ تھوڑی دیر میں ادھر سے آتا ہوگا، شہزادے صاحب اب آپ یہاں نہ ٹھہریے، کوئی آن میں وہ لوگ آیا ہی چاہتے ہیں۔ اس کامروف کے ہمراہ اس کے ماتحت ایک ہزار سواروں کے علاوہ، گیارہ ہزار اور روسی فوجی بھی ہیں۔ اس فوج میں آپ کیا کر سکتے ہیں، ابھی صبر کیجیے، جب خدا چاہے گا، آپ کی آرزو بھی بر آئے گی۔

شہزادہ: انجلینا کی محبت ایسی نہیں ہے کہ اس کے جمال جہاں آرا کی امید ہو اور یہاں سے ہٹ کر چلا جاؤں،

مریم آپ اگر یہاں رہے، تو یقین جانیے تین جانیں اس مقام پر تلف

ہونگی۔آپ شہزادی صاحبہ۔اور پھر آپ کے بعد میں زندہ رہ کر کیا کرونگی۔

شہزادہ حسن خیر دیکھا جائے گا۔ خدا کرے اس وقت میرا دل صبر کرے،اگر دل مان گیا تو دور ہی سے دیکھ کر اپنا جی خوش کرلوں گا،مگر مریم یہ تو بتاو کہ تمہیں کس نے بتایا کہ میں یہاں بیٹھا ہوں،تمہارے یہاں آنے کا مجھے بڑا تعجب ہے۔

مریم مجھ سے تو خود شہزادی صاحبہ نے کہا تھا،مگر اسے اسی شخص نے کہا،جس نے آپ سے کہا تھا،کہ آج رات کو شہزادی صاحبہ روسی فوج کے ساتھ ادھر سے گزریں گی۔

شہزادہ حسن نے کہا،مجھ سے کس نے کہا تھا،ہاں وہی روسی جو مجھے طفلیس سے کئی کوس ایک گاؤں میں ملا تھا،مگر وہ میری انجلینا کے پاس کیوں کر گیا،وہ تو ایک بازاری سوداگر سا معلوم ہوتا تھا۔اتفاقاً وہاں کی سرائے میں میرا،اس کا ساتھ ہوگیا،اور کئی روز تک صحبت رہی۔خود اس نے شہزادی کا حال بیان کیا،کہ طفلیس میں کامروف کی زیر حراست ہیں

اتنا سنتے ہی میں چونک پڑا۔چونکہ اسی جستجو میں میں مصطفےٰ کو دوبارہ دھوکا دے کر آیا تھا،اس سے زیادہ حال دریافت کرنے لگا تب اس نے بیان کیا کہ فلاں تاریخ شہزادی انجلینا ان پہاڑیوں کی طرف روانہ ہونگی،جہاں ترکوں کے مقابلے میں مورچہ بندیاں کی گئی ہیں۔میرا زیادہ شوق دیکھ کر اسے قدرے بدگمانی بھی ہوئی،اور اس کی بدگمانی سے میں بھی خوف زدہ ہوگیا،کیونکہ وہ روسیوں کا طرف دار اور اسلام کا دشمن تھا،باوجود اس کے مجھ سے پھر بھی ضبط نہ ہوسکا،اور میں نے صاف،صاف کہہ دیا،کہ اس تاریخ شہزادی کی زیارت کو ضرور جاؤں گا،اور اگر کچھ نہ ہوسکا تو ظالم اور جابر کامروف کو ضرور قتل کر ڈالوں گا،شاید اس سے اسے یہ

معلوم ہوگیا ہو، کہ میں اس وقت یہاں پہاڑی پر ملوں گا،

مریم: شاید کا لفظ آپ نے خوب موقع پر استعمال کیا، آپ نے صاف، صاف بیان ہی کر دیا۔ پھر اسے نہ معلوم ہونے کی کیا وجہ تھی، مگر یہ بہت غنیمت ہوا کہ وہ شخص کوئی غیر نہ تھا، خود شہزادی صاحبہ نے آپ کی تلاش میں بھیجا تھا، مگر اس سے یہ کہہ دیا تھا کہ اپنا تعلق ان کے ساتھ ظاہر نہ کرے۔ اس وجہ سے اس نے آپ سے زیادہ نہیں کہا۔ بلکہ آپ سے رخصت ہو کر سیدھا شہزادی صاحبہ کے پاس آیا، اور یہ سب داستان بیان کر دی، شہزادی صاحبہ آپ کی طبیعت سے واقف تھیں، انہیں خوف ہوا کہ کہیں آپ سچ، مچ جان پر نہ کھیل جائیں۔ اسی وجہ سے مجھے روانہ کیا، کامروف سے

یہ حیلہ کر کے آئی ہوں کہ اپنے گھر سے ہو کر راستے میں یا خود آپ کی فرودگاہ پر آ کر ملوں گی۔

شہزادہ حسن تو کیا اس شخص کو میری نورالصباح نے بھیجا تھا۔

مریم ہاں، ہاں خود انہیں نے بھیجا تھا۔

شہزادہ حسن پھر کیونکر ہو سکتا ہے، کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ مجھے ان کی زیارت کرنا ہے۔ مریم تم انہیں کیونکر دیکھ سکتے ہو۔ ان کے گرد مسلح روسی سپاہیوں کا ہجوم ہوگا۔ آپ اگر تنہا ان کا سامنا کریں گے تو آہ غضب ہو جائے گا۔ شہزادہ حسن خیر وقت پر دیکھا جائے گا۔ اگر موقع نہ ہوا تو میں سامنا نہ کروں گا۔

مریم لیکن جب آپ دیکھیں گے کہ شہزادی صاحبہ روسیوں کے ہاتھ گرفتار جا رہی ہے۔ اس وقت آپ سے صبر نہ ہوگا۔ اور مجھے خوف ہے کہ آپ ان کے مقابلے پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ اور خود شہزادی صاحبہ نے بھی مجھے اسی خوف سے یہاں بھیجا ہے،

شہزادہ حسن نہیں میں تحمل کروں گا، اور خاموش بیٹھا رہوں گا، اب تو رات زیادہ آئی ہوگی، چاندنی پھیل گئی ہے۔ میں جانتا ہوں، دو بج گئے ہونگے۔ مریم دو میں کیا شک ہے،

شہزادہ حسن ابھی تک وہ لوگ نہیں آئے کیا صبح کو آئیں گے۔

مریم ہاں اب تو صبح ہی کو سمجھے تھوڑی رات اور رہی ہے۔ یہ بھی انتظار ہی میں گزر جائے گی۔ مگر توپوں کی گھڑ گھڑاہٹ سنائی دے رہی ہے۔ شاید روسی فوج آن پہنچی ہے۔ ہاں، ہاں بے شک آن پہنچی ہے۔ دیکھیے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں بھی آرہی ہیں۔ میرا کلیجہ بھی دھڑکنے لگا ہے۔ شہزادے صاحب چلیے۔ ہم یہاں سے زیادہ دور ہٹ چلیں۔

شہزادہ حسن ہٹنے کی کون سی جگہ ہے۔ جس مقام پر ہم بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ آڑ کی جگہ ہے۔

مریم نہیں میں چاہتی ہوں کہ ایسی جگہ چلیے، جہاں سے آپ بھی انہیں نہ دیکھ سکیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو طیش آجائے، اور خدانخواستہ نکل کھڑے ہوں۔ شہزادہ حسن نہیں میں یہیں ٹھہرا رہوں گا، میری جانب سے تم مطمئن رہو۔

اب روسیوں کے سپاہی گزرنے لگے۔ برابر کئی رسالے اور توپ خانے گزر گئے، چاندنی میں ان کی سنگینیں چمک رہی تھیں۔ اور ہر سوار کی صورت سے ایک رعب ظاہر ہو رہا تھا۔ افسر اپنی فوجوں کو اطمینان سے بڑھائے لیے چلے جاتے تھے۔ اور تمام کوہساروں میں توپوں کے چلنے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ شہزادہ حسن اور مریم دونوں اس شوق کی محویت میں تھے کہ گویا وہ نہ تھے۔ ان کی تصویریں تھیں۔ ایک رسالے کے آگے افسر کے برابر ایک نازنین عورت گھوڑے پر سوار چلی جاتی تھی۔ اور ادھر ادھر کے کوہسار کو نہایت مایوسیت کی نظر سے دیکھ رہی تھی، گویا اس

کی آنکھیں ان دروں میں کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔اس کی صورت دیکھتے ہی شہزادے میں ایک بے تابی پیدا ہوگئی۔اور کچھ اس بے کسی سے چاروں طرف دیکھنے لگا کہ صاف آواز آئی آہ کیا کروں،کوئی مددگار نہیں۔یہ عورت حوروش اور ملائک فریب نور الصباح یا انجلینا تھی۔چونکہ اسے خبر پہنچ چکی تھی کہ شہزادہ حسن ان پہاڑیوں میں موجود ہے۔لہٰذا وہ چہار طرف کے سین کو نہایت ذوق وشوق اور مسرت کی نگاہ سے دیکھتی چلی جاتی تھی۔

شہزادہ حسن پر اس کی صورت کا کچھ ایسا اثر پڑا کہ روسی فوج نکل گئی،اور وہ اسی طرح بے خود اور بدحواس کھڑا ہوا تھا۔مریم کو جب اطمینان ہوا کہ آواز اب روسیوں کے کان تک نہ پہنچے گی۔شہزادے کی طرف متوجہ ہوئی،اور کہنے لگی شہزادے صاحب۔بس اب تو شہزادی صاحبہ جا چکیں،یہاں سے کب چلے گا اور ہاں آپ کا کیا ارادہ ہے،کہاں جائیے گا۔شہزادہ حسن کیا بتاؤں کہ کہاں جاؤں گا۔مریم تمہارے نزدیک کیا تدبیر کی جائے کہ شہزادی نورالصباح کو آزادی ملے۔لڑائی میں ہزار کوشش کی جائے مگر یہ محال ہے،کہ لڑ جھگڑ کر شہزادی کو روسیوں سے چھین لیں۔اگر روسیوں کو زک بھی ملے گی تو وہ ہماری انجلینا کو پہلے ہی ہٹالے جائیں گے۔میرے ذہن مین تو کوئی بات نہیں آتی کیا کروں،مگر مریم میں دو تین دن ہی میں کچھ نہ کچھ بندوبست کرلوں گا۔

مریم اب آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔فرمائیے تو آپ کے ہمراہ رہوں۔اور یا کہیے کہ شہزادی صاحبہ کے پاس چلی جاؤں،

شہزادہ میرا کون اعتبار۔خدا جانے کہاں جاؤں یا کہاں رہوں۔تم وہیں رہو، دو چار دن کے بعد انشاءاللہ ملاقات ہوگی،

مریم اچھا اب اس وقت تو آپ ہی کے ہمراہ چلتی ہوں۔صبح کو روسی کیمپ میں

چلی جاؤں گی۔اس وقت اگر گئی تو روسی افسروں کو بدگمانی ہوگی۔اور کیا عجب ہے کہ شہزادی صاحبہ پر زیادہ سختی کریں۔

شہزادہ حسن بہتر چلو مگر میرے ہمراہ رہنے میں بھی تو اندیشہ ہے۔اچھا صبح تڑکے چلی جانا۔لیکن،ہاں مریم۔دیکھو اتنا کام کرنا،کہ کسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ شہزادی صاحبہ وہاں میدان جنگ میں کس مورچے میں ہیں۔روسی مورچے تو وہاں دور،دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔اگر مجھے وہ خاص مقام نہ معلوم ہوا۔جہاں میری پیاری نورالصباح فروکش ہونگی۔تو مین کچھ نہ کرسکوں گا۔کسی نہ کسی طرح تم مجھے اس بات کی اطلاع ضرور دینا۔

مریم مین خود تو نہیں آسکتی،ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ایک گمنام خط آپ کے پاس بھیج دوں۔اگر ترکی سپاہی کو خط دے دیا جائے تو آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔شہزادہ حسن ہاں،ہاں فوراً پہنچ جائے گا۔بس اب چلو۔مجھے رات کے اندھیرے اور خاموشی ہی میں روسی سرحد سے نکل جانا چاہیے۔دونوں گھوڑے پر سوار ہوکر روانہ ہوتے ہیں۔اور اس صحرا کے جنوبی حدود کی طرف جاتے،جاتے پہاڑیوں کے دروں میں غائب ہوجاتے ہیں۔

(۱۵)

دہری کامیابی اور پھر افسوس

علی پاشا اور مرزا عباس کو دس روز گزر گئے ہیں۔اور روسی مورچے برابر سرگرمی کے ساتھ لڑ رہے ہیں۔انہوں نے اس عرصے میں جرات اور بہادری دکھانے میں، اور نیز فنون جنگ کی تدابیر عمل میں لانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔مگر کسی طرح کامیابی کی امید ظہور میں نہیں آتی۔چالیس ہزار ترکی فوج کمک کے لئے آگئی ہے۔اور وہ بھی بری جوانمردی سے روسیوں کا مقابلہ کر رہی ہے۔روسیوں کے دو مورچوں پر ایرانیوں نے قبضہ کرلیا تھا، وہ اب تک عساکر اسلامیہ کے قبضے میں ہیں۔داہنی طرف کے مورچوں پر ترکوں کی توپیں لگی ہین۔اور علی پاشا کے زیر کمان وہاں سے مقابلہ کر رہے ہیں۔اور باہیں طرف کی پہاڑی پر مرزا عباس اپنے ایرانی مجاہدوں کو لڑا رہا ہے۔دونوں طرف کے سپاہی اگر چہ روسیوں کو پسپا نہیں کر سکے، ۔مگر اس میں شک نہیں کہ روسی ان کے مقابلے میں عاجز آ گئے ہیں۔

آج ترکوں نے مضبوط ارادہ کرلیا کہ جس طرح ہو سکے، بڑھ کر ایک اور روسی مورچے پر قبضہ کرلیں۔جو ان کے پہاڑوں سے اتر کر ایک ٹیلے پر تھا۔

ترکوں کو یہ خبر نہ تھی کہ روسیوں کا وہ مورچہ اگر چہ ظاہر میں زیادہ مضبوط نہیں ہے۔مگر ہر چہار طرف قریب، قریب اور بہت سے مورچوں نے اسے ایسا قوی بنا دیا ہے کہ اس پر حملہ کرنے میں سوائے ضرر کے کامیابی کی کوئی امید نہیں ہوسکتی، لیکن حملہ کرنے سے پہلے علی پاشا نے اپنی قوت بڑھانے اور اپنا حملہ مضبوط کرنے کے لئے کئی تدابیر کیں تھیں۔اول تو دس ہزار بہادر ترکوں پر افسری کا چارج دے کر شہزادہ حسن کو حکم دیا کہ ان کے حملہ کے گھنٹہ بھر کے بعد وہ اپنی فوج لے کر ٹوٹ

پڑیں، دوسرے حسن پاشا کو یہ بھی حکم تھا کہ وہ اپنے حملے سے جھنڈی کے اشارے سے مرزا عباس کو بھی خبر کر دیں، کہ انہیں بھی اولاً اسی مورچے سے گولہ باری کرنی چاہیے۔ پھر دس ہزار ایرانیوں کو بڑھانا چاہیے، کہ ترکوں کو اپنے حملے میں بھی کامیابی ہو۔

اس انتظام کے بعد علی پاشا نے پہلے پورے پانچ گھنٹہ تک گولہ باری کی، پھر حملے کی جھنڈی اڑا کر اپنے سپاہیوں کو بڑھایا۔ ترکی سپاہی بندوقوں سے فائر کرتے ہوئے، پہاری کے شمالی دامن سے اترنے لگے۔ روسی افسر کو یقین تھا کہ ترک اگر ہمارے مورچے پر آ گئے تو ہم اور باقی قرب و جوار کے مورچے آناً فاناً ان کا کام تمام کر دیں گے۔ اس لیے اس نے ترکوں کی رفتار روکنے کی زیادہ مزاحمت نہ کی۔ معمولی طور پر اس کے سپاہی فائر کرتے رہے۔ ترک ایک گھنٹہ میں اتر کر روسیوں کے سروں پر پہنچ گئے۔ مورچہ والوں نے تو بہت سختی سے مقابلہ کیا، مگر ترک جب ان کے دھسوں پر پہنچ گئے تو روسی افسر نے واپسی کی جھنڈی ہلائی۔ اور اپنے سپاہیوں کو نکال لیا گیا۔ ترک اس مورچہ پر قبضہ کرنے کے بندوبست میں تھے۔ کہ ان کے سر پر چاروں طرف سے گولے برسنے لگے۔ اور ایسی سخت مار پڑنے لگی کہ ترکوں سے یہ بھی نہ بنتا تھا کہ اپنی توپوں کو جواب دینے کے لئے قرینے سے نکل سکیں، ایک ہی گھنٹہ میں چار، پانچ ہزار ترک اڑ گئے۔ علی پاشا نہایت ہی بے تاب ہوا۔ اور خود دوڑ کر اپنی توپیں روسی مورچوں کے رخ پر لگانے لگا۔ ناگہاں شہزادہ حسن اپنی فوج کے ساتھ حملہ کر کے آ گیا۔ مگر شہزادہ حسن کے ہمراہی بھی آ کر اسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔ جس میں علی پاشا اور اس کے سپاہی مبتلا تھے۔ مگر شہزادہ حسن اور علی پاشا نے مل کر جلد، جلد اپنا مورچہ درست کیا۔ اور بڑی مستعدی سے روسی فوجوں کو جواب دینے لگے۔ کامل تین گھنٹے تک خوب گولہ اندازی ہو چکنے کے

بعد ترکوں کو یقین آ گیا کہ اب پورے استقلال سے اس مورچہ پر ہمارا قبضہ ہو گیا۔اور روسیوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ اب وہ ترکوں کے قدم نہ ہٹا سکیں گے۔مرزا عباس نے اپنے ہمراہی مجاہدوں میں سے دس ہزار ایرانی بھی اس طرف کمک کے لئے بھیج دیے تھے

مرزا حیدر نامی ایک جری شخص اس گروہ کا سردار تھا۔یہ لوگ حسب معمول اپنا نعرہ یا علی بلند کرتے ہوئے بڑھے،اور جس وقت اس مورچے پر پہنچے،جس پر ابھی،ابھی ترکوں نے قبضہ کیا تھا۔ان کے ایک سپاہی نے جوش میں آ کر با آواز بلند کہا،"اشھد ان امیر المومنین علی ولی اللہ وصیہ وخلیفتہ بلا فصل"۔۔افسوس اس جملے نے ترکوں میں سخت اشتعال طبع پیدا کیا۔کسی ترک نے برھ کر اس ایرانی پر ایک بندوق فائر کر دی۔اور گولی کھا کر وہ بے جان گر پڑا۔اس واقعہ نے ایرانیوں کو بھی غضبناک کر دیا۔مگر علی پاشا اور شہزادہ حسن کی کوششوں سے ایرانی اپنے قدیم مورچے پر واپس آ گئے۔اور دونوں طرف طبائع میں ایسی آگ بھڑکی کہ لائق اور تجربہ کار افسروں کو بلوہ کا اندیشہ ہو گیا۔

شہزادہ حسن فوراً مرزا عباس کے پاس گیا،اور کہنے لگا افسوس ہم لوگوں کی بد نصیبی سے بڑا غضب ہو گیا،اس نازک وقت میں اتنے بڑے اختلاف کا پیدا ہونا ہماری اور عموماً اسلام کی بدنصیبی نہیں ہے تو پھر کیا ہے۔

مرزا عباس اس میں ہماری کیا خطا ہے؟ خود آپ ہی کے لوگوں کو جب اتفاق نہیں منظور،تو میں کیا کروں گا اور کوئی کیا کرے گا۔آپ ہی نے ہمارا ایک سپاہی مار ڈالا۔اور آپ ہی ہم سے نا اتفاقی کی شکایت کرتے ہیں۔بے شک اب ایرانیوں میں جوش پیدا ہو گیا ہے۔اب وہ میرے اختیار میں نہیں ہیں۔میں کچھ نہیں کر سکتا۔

شہزادہ حسن کچھ دشوار نہ تھا،اگر آپ جب تک ہمارا ساتھ تھا۔اس کلمہ کو چھوڑ

دیتے، جس سے ہمارے عام سپاہیوں میں جوش پیدا ہو جاتا ہے

مرزا عباس یہ تو ایسی بات ہے کہ آپ فرمائیں، جب تک تم ہمارے ساتھ رہو ۔سنی بنے رہو۔ یہ کیونکر ممکن ہے

شہزادہ: نہیں نہیں یہ کوئی نہیں کہہ سکتا مگر کیا آپ یہ جملہ نہ کہیں گے تو شیعہ نہ رہیں گے۔

مرزا عباس اول تو ہمارا اعتقاد اسی پر ہے۔دوسرے ہمارے لوگ یہی خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم یہ جملہ نہ کہیں گے تو سنی ہو جائیں گے۔

شہزادہ حسن آپ کو شاید یاد ہوگا۔سب سے پہلے میں نے ہی آپ کو جہاد پر آمادہ کیا تھا۔لہذا اگر میں اپنے تئیں آپ کے ناموریوں کا بانی خیال کروں تو نا زیبا نہ ہوگا۔اور شاید آپ بھی اس کو تسلیم کرلیں گے۔

مرزا عباس، بے شک میں آپ کے احسانات کو مانتا ہوں۔

شہزادہ حسن نہیں احسان نہیں، ٹھیک رائے دینا یا خیر خواہی، بہر حال تھوڑا بہت آپ پر میرا حق ہے، اور اس حق کی بنا پر ابھی میں آپ سے بہت کچھ مدد لوں گا۔

مرزا عباس: آپ کی ہر خدمت بجا لانے کو بسر و چشم موجود ہوں، آپ جو فرمایئے وہی کیا جائے گا، الحمدللہ کہ آپ خود تشریف لے آئے۔ورنہ آپ کی جستجو میں میں اپنی جان سے بھی دریغ نہ کرتا، اور اسی طرح آپ کے احکام کو بھی حتی الامکان جان پر کھیل کر بجالاؤں گا۔

شہزادہ حسن: سر دست تو میری یہی عرض ہے کہ جہاں تک ہو سکے، اس امر کے فرو کرنے کی کوشش کیجیے، افسوس کیا ان جان بازیوں اور اس جوش خروش کے جہاد کا الٹا اثر ہوگا۔

مرزا عباس کیا عرض کروں، یہ ایسا نازک معاملہ ہے، کہ میرے بنائے کچھ نہیں

بنتی ۔آپ ہی فرمایئے کہ ان عام لوگوں کے دلوں میں کیونکر ڈال دوں، کہ اس تشدد سے باز آئیں، اور کچھ بھی میں زبان سے نکالوں گا تو الٹی خود میری بے وقعتی ہو جائے گی۔

شہزادہ حسن اچھا اس وقت تک رکیے، جب تک کہ اس لڑائی کا کچھ انجام ظاہر ہو جائے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں اس لڑائی میں پھوٹ نہ پیدا ہو، اور ہم لوگوں کو بڑی بے عزتی کے ساتھ پسپا ہو کر نہ واپس جانا پڑے

مرزا عباس: آپ کے کہنے کی ضرورت نہیں، جہاں تک ممکن ہوگا میں خود اس کی کوشش کرونگا۔ اپنی ان فتوحات کو ہاتھ سے کھو دینا خود مجھے نہ گوارہ ہوگا۔

شہزادہ حسن: میں آپ سے ایک درخواست کرنے آیا ہوں، جس میں میری ایک عرض ہے۔ مرزا عباس: فرمایئے۔

شہزادہ حسن: آہ اب آپ سے کہنا ہی پڑا۔ جس وجہ سے میں اتنے دنوں غائب رہا، اور جس کی وجہ سے اب تک مجھے یہاں موجود رہنے بلکہ دنیا میں موجود رہنے کا یقین نہیں، وہ نسل ترک کی پری جمال لڑکی ہے۔ افسوس اس پر روسیوں نے ظلم کیا۔ وہ گرفتار کر لی گئی۔ ہائے مجھ سے جدا کی گئی، مجھے آج ایک معتبر ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ وہ نازنین اس (انگلی سے اشارہ کر کے) روسی مورچہ میں ایک روسی افسر کے زیر حراست ہے۔ اگر چہ اس مورچہ تک پہنچنا دشواری سے خالی نہیں۔ بیچ میں کئی اور روسی مورچے پڑتے ہیں۔ جن سے بچ کر نیز ان کی زد پر ہو کر جانا پڑے گا۔ علاوہ بریں جب تک ہم وہاں پہنچیں، سب روسی فوجیں سمٹ کر وہاں پہنچ جائیں گی۔ یہ سب باتیں ہیں، مگر کل صبح میں اس مورچہ پر حملہ کروں گا، زیادہ سے زیادہ بیس ہزار ترک میرے ہمراہ ہونگے، اور زیادہ تقویت مجھے آپ کی مدد پر ہے۔ اگر آپ خود تکلیف کر کے اس حملہ میں میری مدد کریں، تو میں آپ کا نہایت ممنون ہو

نگا۔

مرزا عباس اس میں شک نہیں کہ اتنی بڑی جرات کرنا گویا اپنی جان سے ہاتھ دھونا ہے۔مگر میں وعدہ کرتا ہوں، کہ آپ کی مدد میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کروں گا۔آپ انشا اللہ اس مورچے تک پہنچ کر اپنی محبوبہ پر قبضہ کرلیں گے

شہزادہ حسن: آہ، اسی کی تو امید نہیں۔روسی ج بد یکھیں گے کہ انہیں زک ہوا چاہتی ہے تو اس مورچہ سے ہٹ جائیں گے، اور افسوس میری محبوبہ کو بھی مجبوراً ان کے ساتھ جانا پڑے گا۔

مرزا عباس: روسیوں کی اتنی مجال نہیں، کہ ہم انہیں بھاگنے کا موقع دیں، اور وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں۔آپ مطمئن رہیے۔

شہزادہ حسن خدا کرے ایسا ہی ہو، مگر اس کا خیال رہے کہ جیسے ہی میں حملہ کروں آپ بھی حملہ کر دیجیے گا،

مرزا عباس انشا اللہ آپ جھنڈی کے ذریعے سے مجھے اپنا ارادہ بتاتے رہیے گا

شہزادہ حسن اس گفتگو کے بعد واپس آیا، اور اپنے مورچے پر آ کر علی پاشا سے ملا، اور ان کو پہلے تو مرزا عباس کی طرف سے اطمینان دلایا، پھر اپنا حملہ کا ارادہ ظاہر کیا،

علی پاشا آپ ابھی ناتجربہ کار ہیں، کہیں ایسا غضب نہ کر دیجیے گا۔یہ نہ ہوگا کہ ہم اپنے سپاہیوں کو بے نتیجہ کٹوا دیں۔اس مورچہ تک تو آپ پہنچ ہی نہیں سکتے، ابھی ان مورچوں کو تو فتح کیجیے جو درمیان میں پڑتے ہیں۔

شہزادہ حسن اس کے بعد ہم ان کو بھی فتح کرلیں گے، اور نہایت آسانی سے، اگر آپ کو میری اعانت نہیں منظور ہے تو نہ سہی۔مرزا عباس نے مجھ سے مضبوط وعدہ

کیا ہے، میں تو کل ضرور ادھر بڑھوں گا۔علی پاشا، افسوس انکار تو میں بھی نہیں کر سکتا، مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ غلط اصول ہے۔

شہزادہ حسن جو کچھ ہو۔

دوسرے روز آفتاب کی کرنیں مشرقی قلعوں سے نمایاں ہی ہوئی تھیں، کہ حسن پاشا کے ہمراہیوں نے اس مورچے پر گولے اتارنا شروع کیے، اس وقت شہزادہ حسن کی بہادری نے ایک نیا پہلو اختیار کیا تھا۔عثمانی توپوں سے جو گولہ جاتا تھا۔وہ اسے خوف دلاتا ہوا جاتا تھا، کہ خدانخواستہ کہیں اس نازنین کے چھپٹ نہ آجائے، مگر اس کا مداوا اس کے امکان میں نہیں تھا۔وہ جانت اتھا کہ اس نازنین کو قید سے نجات دلانے کا ذریعہ صرف یہی آتش بازی ہے۔بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میرا وہاں تک گزر ہو سکے

ترکوں نے کئی گھنٹہ تک گولہ باری کر کے حملہ کر دیا، حسن پاشا اپنے سپاہیوں کو حوصلہ دلاتا ہوا بڑھا اور عشق کے جوش میں ایک اڑتے اور فراٹے بھرتے ہوئے تیر کی طرح اس پہاڑی کی طرف روانہ ہوا۔جہاں اس کے خیال میں اس کی حوروش اور پری جمال نازنین انجلینا تھی۔کبھی، کبھی دل میں یہ خیال بھی آجاتا تھا کہ وہ مجھے دیکھ رہی ہوگی۔لہذا جہاں تک ہو سکے، اپنی شجاعت اور جان بازی کا امتحان دینا چاہیے۔میری اولعزمی دیکھ، دیکھ کر وہ خوش ہوتی ہوگی، اور وہ خود نہیں تو مریم ضرور دیکھتی ہوگی۔

اگر چہ شہزادہ حسن نے یہ بڑا نا تجربہ کا کام کیا، کہ ایسی دشوار مہم پر اپنی فوج کو لے کر چلا ہے، مگر اس میں بھی شک نہیں کہ وہ بڑی ہوشیاری اور سپاہیانہ چالاکی کے ساتھ بڑھ رہا ہے، روسی مورچے جو درمیان میں پڑتے ہیں، ان کو وہ نہایت شائستگی بچا جاتا ہے۔اور غور سے دیکھیے تو وہ ہر وقت آڑ میں ہوتا ہے، یہ ممکن نہیں کہ روسیوں

کے زیادہ فائر اس کے ساتھیوں پر پڑ سکیں۔ اگر چہ علی پاشا دل سے شہزادہ حسن کی اعانت پر مستعد نہ تھا۔ مگر جب اس نے حملہ کر دیا، اس وقت علی پاشا ہی نہیں بلکہ ہر شخص جس کی رگوں میں ترکی خون تھا، جان دینے پر آمادہ ہو گیا۔

حسن پاشا خاص شاہی نسل سے تھا، اور اس کو اس طرح جان پر کھیل جاتے دیکھ کر کون تھا، جس کے دل میں جوش نہ پیدا ہو جاتا۔ جس قدر ترک تھے، سب کے سب اس کا ساتھ دینے پر امادہ ہو گئے۔ مورچوں کی حفاظت کے لیے جو باقی رہ گئے، وہ تو رہ گئے۔ باقی سبھوں نے اس جرات اور شجاعت سے حملہ کر دیا، جس طرح خود شہزادہ حسن نے کیا تھا۔ علی پاشا بھی اپنی فوج کو جمع کر کے روانہ ہوا۔ اور ادھر مرزا عباس جسے شہزادہ حسن سے دلی انس تھا، وہ اپنے مجاہدوں کو لے کر پہاڑی سے اترا، اور چل اکہ اس مورچہ پر خون کا سیلاب بہا دے، جس طرف شہزادہ حسن حملہ کر کے گیا ہے۔ روسی تو ابتدا حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ کہ شہزادہ حسن کدھر جاتا ہے اور کس مجنونانہ جوش میں ہے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ ایرانی اور ترکی فوجیں امڈی چلی آتی ہیں، تو بڑی سرگرمی اور مستعدی سے گولے برسانے لگے۔ روسیوں کے کل مورچے زیادہ پھرتی سے کام کرنے لگے۔ اگر چہ ان کی مستعدی نے بہت سے مسلمانوں کو راستہ ہی میں تمام کر دیا۔ مگر شہزادہ حسن آخر ان بوروں پر جا پہنچا جن کی آڑ میں روسی رسالے اور پلٹنیں آمادہ کارزار کھڑی ہوئی تھیں۔ وہاں روس کی پچاس ہزار فوج تھی۔ ترکوں کے پہنچتے ہی توپ اور بندوق کی لڑائی موقوف ہو گئی۔ اور سنگینیں چلنے لگیں۔ افسر تلواریں چمکا، چمکا کر سپاہیوں کا دل بڑھانے لگے۔ اور بازار موت گرم ہو گیا۔ سنگینیں برابر سینوں کو توڑ توڑ کر خون کے فوارے بہا رہی تھیں۔ اور بہادری کے امتحان میں بڑے، بڑے بہادروں کے قدم لغزش کھا جاتے ہیں۔ اگر چہ روسی اپنے بوروں سے ادھر نکل کر مقابلہ کر رہے تھے، مگر ترک اپنی

جرات دکھا کر ان کو ہٹا دیتے تھے۔اور بوروں پر چڑھ، چڑھ کر روسیوں پر سنگینوں کے وار کرتے تھے۔قطع نظر ان باتوں کے یہ اور قیامت تھی کہ روسی اور اسلامی دونوں مورچوں سے گولے آکر بہادروں کے سروں پر پھٹتے تھے،اور چاہے ان کے بہادر دلوں کو جنبش نہ ہوتی ہو مگر زمین کو لرزا لرزا دیتے تھے۔

ترک لوگ تو میدان میں پہنچ گئے تھے،مگر ایرانی جو مرزا عباس کے ساتھ تھے،ابھی ان کے پہنچنے میں دیر تھی ،اس مقام کی لڑائی جب زیادہ طول پکڑ گئی تو شہزادہ حسن نے جھنڈی کے ذریعے سے مرزا عباس کو تاکید کی کہ جس طرح ہو سکے یہاں جلدی پہنچو۔ورنہ قیامت ہو جائے گی۔مرزا عباس نے فوراً حملے کا حکم دیا مگر ایرانیوں نے بڑھنے میں تامل کیا۔

مرزا عباس تعجب سے اے بہادران عجم کیا تم روسیوں سے ڈر گئے؟ کیا خدا کی رحمت سے مایوسی ہو گئی۔

ایک ایرانی افسر :نہیں ہم نہیں ڈرتے ،اور نہ ہم خدا کے فضل سے مایوس ہیں۔مگر ان لوگوں کی مدد کرنا ہمارے نزدیک گناہ ہے،جو امر حق ظاہر کرنے پر ہمارے دشمن ہو جاتے ہیں۔سنیوں کی ہم مدد کریں جنہوں نے ابھی تھوڑی ہی مدت ہوئی ہے۔ہمارے ایک بہادر افسر کو بے گناہ مار ڈالا ہے۔

مرزا عباس ہاں ،ہاں اپنے اس بے گناہ شہید کا بدلہ ضرور لینا۔مگر اس کا یہ وقت نہیں ہے۔کیا روسیوں کے مقابل تم ترکوں سے ہمدردی نہ کرو گے؟ روسی تو ہمارے اور ترکوں دونوں کے دشمن ہیں، پہلے اس دشمن کی تو بیخ کنی کرو۔جو اسلام ہی کو مٹا دے گا۔

دو چار ایرانی آپ کی وجہ سے ہم نے ان لوگوں کا ساتھ دیا،ورنہ یہ ہرگز اس قابل نہیں ہیں۔کہ ہم ان کی ذرا بھی مدد کریں۔

مرزا عباس: اچھا اب اس وقت تو چلو۔ ایسے خیالوں کے لئے یہ وقت نہیں ہے

افسوس اور اس مرتبہ تو عام ترکوں سے غرض نہیں، خاص شہزادہ حسن کی مدد کرنا ہے۔ جس کا سا غیر متعصب کوئی ڈھونڈے گا بھی تو نہیں پائے گا۔ اس وقت جس کام کے لئے میں تمہیں لیے چلتا ہوں وہ خاص شہزادے کا کام ہے۔ ترکوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ہوتا تو میں پھر نہ چلتا۔

مگر اس وقت تم ضرور چلے چلو۔ افسوس دیکھو روسی فوجیں چاروں طرف کے مورچوں سے چلی آتی ہیں، آہ کیا غضب کرتے ہو۔ دیکھو ساری کرائی محنت غارت جاتی ہے۔ اگر ترکوں کو مدد نہ پہنچی تو غضب ہو جائے گا۔

یہی دیکھو کس بہادری سے لڑ رہے ہین۔ اور کس استقلال اور کس شجاعت سے روسیوں پر پلے پڑتے ہیں۔ سب باتیں جانے دو۔ بہادر چاہے کسی قوم کا ہو اس کی بہادری کی داد دینی چاہیے۔ اس وقت ترکوں کی شجاعت کی یہی داد ہے کہ ان کی مدد کو پہنچو، اور خیر اگر تم نہیں چلتے تو میں تنہا جاتا ہوں۔ اب مجھے زیادہ سمجھانے کی بھی مہلت نہیں۔ شہزادہ حسن کی ہمدردی مجھے کھینچ رہی ہے۔ وہ میرا پہلا دوست اور پہلا مشیر ہے۔

یہ کہہ کر مرزا عباس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی، اور دو قدم چل کر گھوڑے سے اتر پڑا، اور جوش کے کلمات کہتا ہوا آگے بڑھا۔ ایرانیوں کے دل ترکوں سے ہٹ گئے تھے، مگر یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ مرزا عباس کے ایسے بہادر اور مدبر افسر کو ہاتھ سے کھودیں۔ سبھوں نے حملہ کر دیا۔ اور اناً فاناً اس مقام پر جا پہنچے جہاں قضا عمروں کا بہت جلد فیصلہ کر رہی تھی۔ ایرانیوں کے ہاتھوں میں اکثر تلواریں تھیں، اور مرزا عباس کے نقش قدم پر جا رہے تھے۔ مرزا عباس کو جب یہ معلوم ہوا کہ ایرانی میرے

ساتھ آ رہے ہیں تو اس نے وہ مقام چھوڑ دیا، جدھر سے ترک بوروں پر چڑھ، چڑھ کر روسیوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ وہ بائیں طرف جھکتا ہوا گیا اور بوروں کے اس طرف نکل کر یکا یک روسیوں پر جا پڑا، چالیس ہزار ایرانی اس کے ہمراہ تھے۔ ان کی صورت دیکھتے ہی روسی گھبرا اٹھے۔ اور انہیں مجبوراً یک بیک اس جانب متوجہ ہونا پڑا۔ اور ایرانی تلواریں جھنکار کی آواز کے ساتھ ان کی سنگین پر پڑنے لگی۔ ترکوں کو عمدہ موقع ملا۔ ایک ہی حملہ میں انہوں نے تھوڑے ہی روسیوں کو جو سامنے تھے مار کر ہٹا دیا، اور بڑی سہولت سے ادھر اتر گئے۔

روسیوں کی بھی بہت فوجیں آ گئی تھیں۔ اور انصاف سے پوچھیے تو وہ کسی طرح ضعیف نہ تھے۔ مگر وہ جوش کہاں سے لاتے جو شہزادہ حسن کو اس جوانمردی سے لڑا رہا تھا۔

پانچ گھنٹے کامل تلواروں اور سنگینوں کی لڑائی رہی۔ اس مدت کے بعد ترکوں نے روسیوں کو پسپا کر دیا۔ اور شہزادہ حسن اس مورچہ کی طرف بڑھا جس پر حملہ کرنا مقصود تھا۔ روسیوں کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ ترک لوگ اس مورچہ پر جائیں گے۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے زیادہ سامان نہیں کیا تھا۔ جس وقت ترک ادھر بڑھنے لگے۔ اور اطراف کے مورچوں نے گولہ باری کر کے بہت کوشش کی کہ ترک رکیں، مگر وہ کیونکر رک سکتے تھے۔ ان کا بہادر شہزادہ تو نہایت بے تابی اور اضطراب کے ساتھ قدم بڑھائے چلا جا رہا تھا۔

شہزادہ حسن وہ اسیر زلف گرہ گیر: وہ بے تاب عاشق، وہ پیاری انجلینا کا دلدادہ، شاید اپنے خیال میں لڑائی کی منزلیں طے کر گیا تھا۔ کیونکہ اس کے دل میں صرف یہی خیال تھا کہ میری انجلینا مجھے ضرور دیکھ رہی ہوگی۔ میری مداح ہوگی کیونکہ اس کے لئے میں نے بڑی جانبازی کا کام کیا ہے۔ آہ: ان جان بازیوں کی

اس کی اداؤں کے مقابلے میں کچھ قدر نہیں۔وہ خود نہ مانتی ہوگی،وہ میری جرات کو چاہے مانے یا نہ مانے مگر اس کے دل میں میری محبت ضرور ہے،۔خدا کرے میں جیسے ہی اس کے مورچے میں قدم رکھوں ،وہ دوڑ کر میرے سینے سے لپٹ جائے۔ان خیالات نے اس کا سر جھکا دیا تھا۔اب نظر اٹھا کر دیکھا تو ترکی سپاہی مورچہ پر پہنچ چکے تھے،بلکہ ایک بہادر ادنیٰ درجہ کا افسر فخر کے ساتھ وہس پر کھڑا ہوا،ہلالی پھریرا اڑا رہا تھا۔اتنا دیکھتے ہی پھر حسن پاشا میں تاب کہاں تھی،ایک ہی حملہ میں پہنچ گیا،اور اگر چہ پیچھے رہ گیا تھا۔مگر سب سے پہلے روسیوں کے اس مورچہمیں شمشیر خون آلود لئے ہوئے کود پڑا،روسی اس مورچہ سے ہٹ نہیں سکتے تھے۔اس لئے کہ اس کی پشت کی طرف نہایت نشیب وفراز ہونے کے علاوہ ایک نہر بھی جاری تھی۔

جو راستہ روکے ہوئے تھی،اس پہاڑی پر آمد و رفت سامنے سے ہی ہوسکتی تھی۔اور چونکہ روسیوں کے کئی مورچوں کے آخر میں واقع ہوئی تھی،اس لئے انہوں نے اس کا چنداں خیال نہیں کیا تھا۔روسیوں پر شکست سے زیادہ یہ مصیبت پڑی کہ ان کے سپاہی نکل کر کہیں نہیں جا سکتے تھے۔جو راستہ تھا اس طرف سے ترک آرہے تھے۔

ترکوں نے مورچہ میں اتر کر قتل عام شروع کر دیا۔کچھ دیر تو روسیوں نے مقابلہ کیا،مگر وہ کتنے تھے،جو کچھ دیر ٹھہر سکتے تھے۔کامروف روسی افسر،انجلینا کے فدائی اور شہزادہ حسن کے رقیب نے یہ ماجرہ دیکھا تو دنیا اس کی نظروں میں سیاہ ہو گئی،جان دینے کے طیش سے وہ اٹھا اور شہزادہ حسن کو ترک افواج کا سردار خیال کر کے اسی کی طرف جھکا۔شہزادہ حسن بھی استقبال کے لئے آگے بڑھا،اور دونوں میں لڑائی ہونے لگی۔ان کی لڑائی میں کچھ ایسا لطف تھا کہ تمام روسی اور ترک بھی لڑائی

سے ہاتھ روک کر ان دونوں کی لڑائی کی سیر دیکھنے لگے۔

واقعی یہ لڑائی دیکھنے کے قابل تھی، دونوں جانب پورا جوش تھا، صرف بہادری ہی کا جوش نہیں، بلکہ عشق کی آگ دونوں کے سینوں میں بھڑک رہی تھی۔ ہاں اس کا فیصلہ بعد میں ہوگا کہ کس کا جوش عشق بڑھا ہوا تھا۔ روسی افسر کام روف نے ارادہ کیا کہ شہزادہ حسن کو ایک ہی حملے میں تمام کر دے، کیونکہ اس کے ذہن میں اس کے خیال کی دیوی اور اس کی دل ربا پیاری انجلینا، اسی شہزادے کے ہاتھوں اس کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ یہ خیال اس کو اور ابھار رہا تھا۔ کہ افسوس میری پیاری محبوبہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا ہوتی ہے۔ اگر چہ یہ خبر نہ تھی کہ شہزادہ حسن اس کا قومی دشمن ہی نہیں، رقیب بھی ہے۔ الغرض وہ بڑی بہادری اور بڑی تیزی سے بجلی کی طرح ترکی شہزادے پر آیا، اور ادھر سے بھی ایسی چالاکی اور پھرتی دکھائی گئی کہ اسے ندامت کا ایک اور صدمہ اٹھانا پڑا۔

شہزادہ حسن،، بہتر ہے کہ تم اور تمہارے ہمراہی اب ہتھیار رکھ دیں۔ ہم انشا اللہ تم لوگوں سے صلاحیت پیش آئیں گے۔ ورنہ تم جانتے ہو کہ اس مقام سے اب تم لوگ زندہ نہیں جا سکتے۔

کامروف،، (نہایت طیش سے) ہم لوگ ایسے ذلیل نہیں ہیں کہ تاریخ میں اپنے نام کے ساتھ یہ بے وقعتی لکھوائیں، یہ کہہ کر کامروف نے دوسرا حملہ کیا اور تلوار ماری، جس سے شہزادہ حسن کی ران میں زخم آیا۔ اس کے جوش کو یک بیک بدر جہا زیادہ بڑھا دینے کے لئے یہ زخم کافی تھا، غضب آلود نگاہ سے اس نے کامروف کی صورت دیکھی اور تلوار لے کر بڑھا۔ دونوں افسروں میں دیر تک تلوار چلتی رہی۔ دونوں میں سے ہر ایک اس خیال سے اور زیادہ اپنی مشق سپاہ گری دکھا رہا تھا کہ وہ ملائک فریب نازنین دیکھ رہی ہوگی۔ بے شک شہزادہ حسن کا جوش بڑھا

ہوا تھا۔ کیونکہ عرصہ تک کی لڑائی کے بعد ایک بار جوتر کی شہزادے نے جو روسی افسر کی تلوار خالی کر دی تو وہ اپنے زور میں آپ آ رہا، اور گھوڑے کی گردن پر گر کر عیال پکڑ لیے۔ ورنہ نیچے آ رہتا، اتنا موقع کافی تھا۔ شہزادہ حسن نے بڑھ کر وار کا ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا، کہ کامروف کو پھر سر اٹھانا نہ نصیب ہوا۔ اس کی گردن نصف کے قریب کٹ گئی تھی۔ اور خون نے بہتے، بہتے یہاں تک ناتواں کیا کہ وہ ہاتھ جو مضبوطی سے گھورے کے عیال پکڑے ہوئے تھے، سست ہو گئے اور گھوڑے سے گر پڑا۔ افسوس حسن و عشق کی دنیا کامروف کی نظروں میں تاریک ہو گئی۔ اور چند منٹ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ ناتوانی جس نے اسے گھوڑے سے گرایا، موت کی ناتوانی تھی، مرتے وقت تک کامروف کو انجلینا کا خیال تھا۔ کیونکہ یہی نام کئی بار اس کی ناتواں آواز سے سنا گیا، اور روح پرواز کر گئی

شہزادہ حسن پر بھی اس نام نے بڑا اثر کیا، وہ ایک سناٹے میں آ گیا۔ اور خود بخود ہمدردانہ خیال پیدا ہوا، کہ افسوس یہ بھی پیاری انجلینا کا دلدادہ تھا۔ مگر ایشائی شریفانہ غیرت نے یہ خیال اڑا دیا۔ جس کی جگہ اس کی نظر کے سامنے اب انجلینا کھڑی اپنی پیاری اور دل ربا ادائیں دکھا رہی تھی۔

تمام سامان جنگ، اپنے سپاہیوں کی ترتیب، گڑھی پر قبضہ کرنا، روسیوں کا خوف، سب چیزیں اس کے دل سے نکل گیں، وہ صرف حوروش نورالصباح کے خیال مین محو ہے۔ دیکھ رہا ہے کہ خود انجلینا اور اس کی قدیم رفیق مریم دونوں مسکراتی ہوئی چلی آتی ہیں۔ اور لپٹ گئی ہیں۔ اور انجلینا خوشی کے آنسو بہا، بہا کر پوچھ رہی ہے۔

شہزادے صاحب، آپ خاموش کیوں ہیں؟ خوب آئے جان پر کھیل کر آئے۔ میرے لئے بڑی تکلیف گوارہ کی، اور اس ظالم روسی کو بھی بڑی بہادری اور شجاعت

سے قتل کیا۔

اس خیالی تصویر کی باتیں اگر چہ آتش عشق پر ہوائے تند کا کام دے رہی تھیں۔مگر وہ اس کے سوا اور کیا جواب میں کہہ سکتا تھا، کہ پیاری نور الصباح تیرا خیال کسی وقت میرا ساتھ نہیں چھوڑتا تھا۔وہ دیکھتا ہے کہ مریم آگے بڑھ کر کہتی ہے شہزادے صاحب ہوش میں آیئے۔آپ کس خیال میں ہیں۔

اب آنکھیں کھول کر دیکھتا ہے، اور متحیر ہو جاتا ہے کہ آہ یہ خیال کی کرشمہ گری نہیں، یہ ذہنی صورتیں نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقت میں شہزادہ انجلینا اور اس کی خادمہ کھڑی ہین۔شوق کی بے خودی یک بیک اس کے تمام حواس پر چھا جاتی ہے اور وہ دوڑ کر انجلینا سے لپٹ جاتا ہے۔

انجلینا ہائیں، ہائیں یہ کیا ہے، ابھی، ابھی تو میں تم سے مل چکی ہوں۔یہ دوبارہ کی بے تابی کیسی؟

انجلینا پہچانا نہ تھا: آہ تم مجھے اس قدر جلد بھول گئے۔میری محبت اور بے تابیوں کا یہی معاوضہ تھا۔افسوس میں نے تو تمہاری محبت کی ناقدری نہیں کی تھی۔

شہزادہ حسن نہیں نہیں، یہ نہیں، مجھے معاف کیجیے۔اپنا مطلب ظاہر کرنے کے لئے مجھے الفاظ نہیں ملے،شہزادی صاحبہ میں جس وقت اپنے مقام سے چلا تھا، اس وقت سے اب تک آپ کی خیالی تصویر میری نظر کے سامنے رہی۔آپ کو دیکھ کر بھی میں نے یہی خیال کیا کہ آپ نہیں ہیں، بلکہ آپ کی وہی تصویر ہے، جو فراق میں میری ساتھی رہی تھی۔بڑا دھوکا ہوا۔میری دل ربا آپ مجھے معاف فرمایئے۔

مریم مسکرا کر شہزادے صاحب آپ تو ہماری شہزادی کی خیالی تصویر سے دل بہلاتے رہے۔مگر کیا کہوں۔ان کے پاس تو وہ تصویر بھی نہ تھی۔اچھا اب آپ اپنے

فوجی کام مین مصروف ہو جایئے ۔خدا نے اُپ کو کامیاب کیا ہے ۔اگر اس وقت غفلت کی گئی تو روسی بڑھ کر آپ کو یہاں سے ہٹا دیں گے ۔

شہزادہ حسن اب تو یہ کام مجھ سے نہ ہوگا ۔مرزا عباس اور علی پاشا آ کر خود اس کا انتظام کرلیں گے ۔

مریم ہاں انتظام ہو جائے گا ۔مگر میری رائے میں ترکوں کے لئے یہ امن کی جگہ نہیں ہے اُپ شہزادی صاحبہ کو یہاں سے نکال کر اپنے اس دور کے مورچہ میں پہنچا دیجیے ۔جہاں ہر طرف آپ ہی کے مورچے ہیں ۔

شہزادہ حسن ہان ،ہاں میں خود اسی تدبیر میں ہوں ۔مگر علی پاشا آلیں تو اس کا بندوبست کیا جائے ۔

اب ترک اس مورچہ پر قبضہ کر چکے تھے ،اور کام روف کے مر جانے کے بعد پانچ ہزار روسیوں نے جو اس مورچہ پر تھے ،ہتھیار رکھ دیے تھے اور اپنے تئیں ترکوں کے سپرد کر دیا تھا ،ترکی نشان نصب کر دیا گیا اور ترکوں نے فتح کا باجا بجا کر خوشی کی جھنڈیاں اڑائیں ۔علی پاشا اور مرزا عباس بھی تھوڑی دیر میں یہاں پہنچ گئے ،شہزادہ حسن نے انجلینا اور مریم کو کام روف کے خیمے میں بٹھایا ،اور خود مرزا عباس سے جا کر ملا ،علی پاشا اس امر کا انتظام کرنے لگے ،کہ مورچہ مضبوط کیا جائے ۔اور اپنی توپیں اور نیز وہ روسی توپیں جو اس مورچہ میں لگی تھیں اور ترکوں کے قبضہ میں آ گئی تھیں ۔ہر طرف لگا دی گئیں ۔اور مرزا عباس شہزادہ حسن سے باتیں کرنے لگا ،

مرزا عباس فرمایئے آپ اپنی اغراض میں تو کامیاب ہوئے ،اس وقت مجھے بڑی دقت اٹھانا پڑی ،

شہزادہ حسن بے شک آپ نے بڑا کام کیا ،میں ترکوں اور ایرانیوں دونوں کا

مشکور ہوں۔جو جان پر کھیل کر یا کفن پہن کر یہاں تک پہنچے۔انصاف سے پوچھیے تو یہ آسان کام نہ تھا۔

مرزا عباس نہیں مجھے اس قسم کی کوئی دقت نہیں آئی۔ بلکہ صرف اپنے ہمراہیوں کی طرف سے صدمہ اٹھانا پڑا۔آہ

ہر کس ازدست غیر نالہ کند
بندہ از دست خویشتن فریاد

ایرانیوں نے مجھے جواب دے دیا تھا،اور ترکوں کی اعانت پر کسی طرح قدم نہیں بڑھاتے تھے۔حتیٰ کہ میں سمجھانے سے تھک گیا۔اور اپنے تمام ہمراہیوں کو چھوڑ کر صرف وعدے کے خیال سے میں نے گھوڑا بڑھا دیا۔مگر مجھے آتے دیکھ کر خدا نے ان کے دل میں بھی محبت ڈال دی،اور فقط میری وجہ سے اور میری ہمدردی کے لئے وہ یہاں تک آئے اور لڑے۔

حسن افسوس یہ تو بڑی خرابی ہوئی۔

مرزا عباس کیا کہوں کہنے کو تو چلا آیا ہوں۔مگر ڈرتا ہوں کہ کہیں ترکوں اور ایرانیوں میں تلوار نہ چل جائے۔دونوں جانب عام طبائع میں تعصب کی آگ بھڑک رہی ہے۔

حسن کیا اب اس امر کا انسداد کسی طرح نہیں ہوسکتا

مرزا عباس:میری رائے میں تو یہ ناممکن ہے۔نہ وہ ما بہ النزاع جملہ ان سے چھوٹے گا،نہ ان کو اس کا سننا گوارہ ہوگا۔

حسن کیا یہ نہیں ہوسکتا،کہ آپ کے ساتھی جس جوش خروش سے اور جتنی بار وہ یہ جملہ کہنا چاہتے ہیں۔مجھے اپنے سامنے بٹھا کر کہہ لیں

میں بخوشی خاطر سنوں گا۔لیکن ان جاہلوں کو نہ سنائیں۔جو بگڑ کھڑے ہوتے

ہیں، اور جنہیں تعصب کا بخار آجاتا ہے۔

مرزا عباس آہ،، اگر ہماری طرف کے جہلا ایسے ہی ہوتے تو کیا خوف تھا، وہ کہنا ہی کیا ضرور خیال کرتے، اعتقاد ہے تو اسے دل میں رکھنا چاہیے۔ پکارتے پھرنے سے کیا فائدہ،؟ مگر کوئی کسے سمجھائے،،

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ یکا یک ایک ترکی افسر بدحواس دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا۔ شہزادے صاحب غضب ہوگیا،

حسن گھبرا کر کیا ہوا؟

افسر ایرانیوں اور ترکوں میں کشت وخون ہوگیا۔ روسی گولے برابر آرہے ہیں ،اور کوئی ان کی طرف توجہ نہیں کرتا آپس میں لڑ رہے ہیں۔ اور سنگینوں نے بہتوں کو تمام کردیا ہے۔

شہزادہ حسن نے اضطراب اور مایوسی کی نظر سے مرزا عباس کو دیکھا اور مرزا عباس نے شہزادہ حسن کو،

مرزا عباس (افسر سے) آخر وجہ کیا ہوئی؟

افسر میں تو خود اس مقام پر موجود نہیں تھا مگر مشہور ہے کہ کئی ترکوں کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ کسی ایرانی نے شاید تبرا کہا تھا۔ بس اسی پر ترکی سپاہی بگڑ گئے۔

حسن شاید تبرے سے وہی جملہ مراد ہوگا ورنہ ایرانی مجنوں نہیں ہیں کہ عام طور پر سنیوں کے سامنے کوئی تبرے کا لفظ کہتے

مرزا عباس میں بھی ایسا خیال کرتا ہوں۔

افسر اب آپ دونوں صاحب جلدی تشریف لے چلیں ورنہ ہماری فوج سب کٹ جائے گی اور روسی حملہ کردیں گے۔

حسن علی پاشا کیا کر رہے ہیں؟

افسر حضور وہ تو وہاں پہنچ گئے تھے مگر ان کے بنائے کچھ نہ بنی۔ بلکہ مشہور ہے کہ وہ زخمی ہو گئے

حسن اوہو: نوبت یہاں تک پہنچ گئی بے شک چلنا چاہیے۔

یہ کہہ کر دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں پہنچ کر دیکھا تو پورا جنگی سامان جو اسلام کے دشمنوں پر صرف کرنے کے لئے فراہم کیا گیا تھا، باہمی خانہ جنگی میں صرف ہو رہا تھا۔ اور دونوں طرف کے بہت پر جوش سپاہی نذر اجل ہو چکے تھے۔ شہزادہ حسن نے بڑھ کر ترکوں کو روکا، دیکھو: دیکھو کیا غضب کرتے ہو۔ وہ روسی تمہارے سر پر آ گئے ہیں، اب تم دونوں کو وہ اپنی سنگینوں سے چھید کر ڈال دیں گے۔ اس لڑائی کو اس وقت اٹھا رکھو۔ اپنے اصلی مورچون پر جا کر سمجھ لینا، میں بھی وہاں تمہارے ساتھ بلکہ آگے ہوں گا۔

دوسری طرف مرزا عباس نے بھی اسی قسم کے کلمات کہہ کر بہادر ایرانیوں کے جوش کو فرو کیا۔ اصل میں شہزادہ حسن ہی کی تقریر نے دونوں کو روکا تھا۔ کیونکہ انہیں روسیوں کے آ جانے کا یقین ہو گیا تھا۔ اور آمادہ ہو گئے تھے کہ سر دست روسیوں کو روکیں۔ اتنی مہلت نے دونوں مصلحین قوم کو نہایت عمدہ موقع دے دیا تھا۔ اور اپنے، اپنے فریق کو سمجھانے لگے۔ اور خدا کا ہزار ہزار شکر کہ یہ فتنہ تھوڑی دیر کے لئے فرو ہو گیا۔

نا اتفاقی اور شکست

شہزادہ حسن نے اگر چہ صرف فتنہ فرد کرنے کی غرض سے اپنی طرف سے بنا کر کہہ دیا تھا کہ روسی آ گئے ۔مگر دیکھا تو اصل میں روسی فوجیں مورچہ کے قریب آ گئی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب روسی توپوں کا ادھر سے جواب نہ دیا گیا تو وہ سمجھے کہ شاید ترکوں کے پاس اب گولہ بارود اور دیگر سامان جنگ باقی نہیں رہا۔

انہیں اس کی خبر نہ تھی ۔۔۔کہ آپس میں تلوار چل رہی ہے ۔ورنہ بہت تیزی سے سر پر پہنچ جاتے غنیمت ہوا کہ اس کے گمان میں اسی قدر تھا کہ سامانِ جنگ کی کمی ہے اور اسی خیال سے وہ با ضابطہ آہستہ آہستہ بڑھے۔شہزادہ حسن کے دل میں یہ بات خدا نے ڈال دی اور اس نے تمام مسلمانوں سے پکار کر کہہ دیا اور وہ بھی فوراً مستعد ہو گئے ۔روسی اب گولی کی زد پر آ گئے تھے۔ترکوں اور ایرانیوں نے جلد جلد صفیں باندھ کر روسیوں پر باڑ میں مارنا شروع کر دیں اور ترکی اور ایرانی توپوں سے تابڑ توڑ گرائیں بھی پڑنے لگیں ۔

شہزادہ حسن نے جب اپنا کام پورا کر لیا ۔یعنی عساکر اسلامیہ کو روسیوں کے مقابل میں قائم کر دی تو اس نے ایک بلند مقام پر چڑھ کر دوربین لگائی اور روسی فوجوں کو دیکھا ۔افسوس اس نے دشمن کی طرف ایسا سامان دیکھا کہ اپنی کامیابی کی بہت کم امید نظر آئی ۔خصوصاً اس حالت میں طبائع آپس میں ایک دوسرے کی طرف سے برافروختہ ہو رہی ہیں ۔اس کے دل میں فکر پیدا ہوئی کہ شہزادی انجلینا کو کسی ترکیب سے نکال لینا چاہیے ۔اس مورچہ پر قبضہ باقی رہنا بہت دشوار نظر آتا ہے ۔وہ تمام دقتیں بھی پیش نظر ہو گئیں ۔جن کی وجہ سے اپنی پیاری دل رُبا نور الصباح اور اس کی خادمہ مریم کا نکال کر لے جانا دشوار تھا بہت غور کیا ،مگر کوئی بات

ذہن میں نہ آئی۔ آخر لپک کر شہزادی کے خیمہ میں گیا، مگر افسوس اس ملاقات اور اس وصلت کو بہت ہی ناپائیداری ہے۔"

اتنا سنتے ہی حور وش اور پری جمال انجلینا کے گلابی رخسار کملا کر زرد ہو گئے اور مایوسی کے لہجے میں پوچھنے لگی۔ "کیا ابھی تک تقدیر برسرِ عداوت ہے۔"

شہزادہ حسن: "معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس مورچہ کے قریب ہمارا مورچہ نہیں کہ ہم کو مدد پہنچ سکے۔ تمھارے عشق کے جوش میں میں اپنے سپاہیوں کو یہاں تک بڑھا لایا۔ اب روسیوں نے راستہ روک دیا ہے اور ان کی بے شمار فوجیں اس مورچہ پر یورش کرتی ہوئی چلی آتی ہیں۔ ترک اور ایرانی بھی آپس میں لڑ پڑے تھے۔ مگر میں غیرت دلا کر انھیں روسیوں کی طرف متوجہ کر آیا ہوں اگر چہ ہماری فوجیں برابر باڑھیں اور گرابیں مور رہی ہیں مگر آہ! پیاری انجلینا۔ مجھے روسیوں کا سیلاب رُکتا نہیں معلوم ہوتا۔"

انجلینا "پھر کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟ تمھاری فوجیں جب تک رکی ہوئی ہیں۔ اس وقت تک آؤ ہم تم کسی اور طرف سے نکل کر تمھارے دور کے محفوظ مورچوں کا راستہ لیں۔"

شہزادہ حس: "آہ! پیاری انجلینا۔ یہ تو کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ اوّل تو اس پہاڑی سے کسی طرف نکلنے کا راستہ ہی نہیں ہے۔ دوسرے اپنے سپاہیوں اپنے جان نثاروں کو چھوڑ کر میں ہرگز نہیں جا سکتا۔ چاہے اس میں جان جاتی رہے۔"

انجلینا: "(سہم کر) پھر کیا ہوگا؟ آہ! کیا پھر اسی طرح فراق اور ہجر نصیب ہو گا۔"

حسن: "جو قسمت میں لکھا ہو۔" اتنا کہتے ہی شہزادہ حسن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور شہزادی انجلینا بے تاب ہو کر اپنے لائق دل دادہ کے سینے

سے لپٹ جاتی ہے۔

مریم: ''شہزادی صاحبہ۔ یہ رونے دھونے کا وقت نہیں ہے۔کوئی تدبیر کرنا چاہیے۔''

انجلینا: ''مریم تقدیر کے آگے بھی کوئی بات چل سکتی ہے؟''

حسن: ''ایک بات میرے خیال میں آئی ہے۔اگر چہ اس میں آپ کو تکلیف ہوگی اور بڑی مصیبتیں اٹھانا پڑیں گئیں ۔''شہزادہ حسن کی زبان سے یہ جملہ سنتے ہی انجلینا کے چہرے پہ تروتازگی آجاتی ہے اور نہایت ہی شوق اور انتظار کی نظر سے وہ اپنے عاشق کی صورت دیکھنے لگتی ہے اور آخر بے قراری کے لہجے میں بول اُٹھتی ہے ۔''شہزادے صاحب خدا کے لیے جلدی بیان فرمائیے، جو مصیبت ہوگی میں بڑی خوشی سے برداشت کرلوں گی۔''

حسن: ''آپ اور مریم دونوں مردانے فوجی لباس پہن لیں اور گھوڑے پر سوار ہوکر میرے ساتھ رہیں، جو کچھ مجھ پر گزرے گی وہ آپ پر بھی گزرے گی۔اوّل تو ہم کامیابی کے ساتھ انشاءاللہ اپنی فوجوں کو نکال لے چلیں گے اور اگر شکست بھی ہو گئی تو مجھے یقین ہے کہ ہم تین آدمی تو ضرور نکل جائیں گے۔''

انجلینا: ''بے شک اب اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔اگر جان ہی جانی ہے تو اپنے دل کے مالک شہزادے حسن کے پہلو میں کیوں نہ مروں۔اور خدا نے چاہا تو ہم کامیابی کے ساتھ اطمینان کے مقام پر پہنچ جائیں گے۔مریم تم بھی راضی ہو نا؟''

مریم: ''شہزادی صاحبہ بھلا آپ کی خدمت میں میں اپنی جان سے دریغ کروں گی۔میں تو آپ کی لونڈی ہوں اور آپ جہاں تشریف لے چلیں گئیں۔میں آپ کے ہمراہ ہوں۔''

انجلینا ''یہاں اب مردانہ لباس کہاں ملے گا کا مروف کے دو ایک جوڑے

اس خیمہ میں مل جائیں گے۔ کہیے تو ان کو لے آؤں۔''

حسن: ''نہیں ترکوں کو دھوکہ ہوگا اور آپ کو انہیں میں رہنا ہے شائد کوئی شخص خدانخواستہ حملہ کر دے۔''

انجلینا: ''پھر کیا کیا جائے؟''

حسن: ''بعض شہید ترکوں کے کپڑے میں اتارے لاتا ہوں۔ یہاں اکثر ترکوں کی لاشیں پڑی ہیں۔''

یہ کہہ کر شہزادہ حسن خیمے سے باہر نکلا اور ایک ترک سپاہی کو حکم دیا کہ کہیں سے ترکی لباس کے دو جوڑے لے آئے نہ ملیں تو مقتولوں کے ہی سہی۔ فوراً اس حکم کی تعمیل کی گئی اور دم بھر میں دو جوڑے آ گئے۔ شہزادی انجلینا اور مریم نے ترکی فوجی لباس پہنا۔ آہ پیاری انجلینا اس وقت دیکھنے کے قابل ہے۔ فوجی نیلا کوٹ اس کے سنہرے رنگ پر عجب لطف دیکھا رہا تاھ۔ سیاہ زلفیں چہرے اور شانوں پر بکھری ہوئی تھیں اور ترکی ٹوپی جو ایک بانکی وضع سے اس کے سر پر رکھی ہوئی تھی۔ اس کی تمام اداؤں سے زیادہ دلفریب معلوم ہوتی تھی۔ آہ! اس حوروش اور پری جمال سپاہی سے کون مقابلہ کر سکے گا۔ حقیقت میں وہ آج بہادر ہے اور آج اس کی نگاہ کے تیر حد سے زیادہ گارگر ہوتے ہیں۔ انجلینا یہ لباس پہن کے جب شہزادہ حسن کے سامنے آئی تو اپنی نئی وضع کا خیال کر کے مسکرائی۔ کچھ تو اسے شرم آتی تھی کہ خوب بہروپ بدلا اور کچھ ہنسی آتی تھی کی میں کیا ہوں اور کیا معلوم ہوتی ہوں۔ شہزادی حسن پر تمام ادائیں اس وقت ہمیشہ سے زیادہ ستم کر رہیں تھیں۔ انجلینا اور مریم کے لیے تیز گھوڑے بھی مہیا کر لیے گئے تھے۔ دونوں معہ شہزادہ حسن کے گھوڑوں پر سوار ہوئیں اور جنگ گاہ کا راستہ لیا۔''

وہاں آ کر دیکھا تو روسی توپوں کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اور ان کے بہادر

سپاہی بندوقوں اوتوپوں سے گولہ اندازوں پر فائر کررہے تھے ۔ یہ حالت دیکھتے ہی شہزادہ حسن نے ایک پر زور تقریر سے ترکوں کے دلوں میں جوش پیدا کردیا۔ مرزا عباس اور علی پاشا نے بھی بڑی جرات اور بڑی شجاعت سے اپنے سپاہیوں کو بڑھایا۔ان لائق افسروں کی کوشش سے اتناضرور ہوا کہ ترکوں اور ایرانیوں کے دلوں میں روسیوں کا رعب نہیں بیٹھنے پایا،لیکن دشمن کے سیلاب عظیم کو روکنا ان کی قوت سے باہر تھا۔ان کے قریب پہنچتے پہنچتے روسیوں کی بہت فوج تلف ہوگئی تھی ۔اور حقیقت میں وہ ہزاروں جانیں بچ کے وہاں تک پہنچے تھے۔

آخر روسیوں کا ایک کرنیل اور چڑھ آیا۔ترکی گولہ انداز نے بڑھکے ایک سنگین مار کر گرانا چاہا۔مگر ساتھ ہی کرنیل نے تپنچہ فائر کیا۔اور ترکی کی سپاسی وہم سے گر پڑا۔ یہ حالت دیکھ کر ایک ترکی افسر نے بندوق فائر کی اور وہ روسی الٹ کے نیچے جا گرا۔

دیر تک یونہی لڑائی رہی ۔اب روسیوں کی بہت سی فوجیں پہنچ کر ہر طرف پھیل گئی تھیں ۔اوران کے افسر اپنے عقاب کے جھنڈے لیے ہوئے مورچوں پر اس کثرت سے چڑھنے لگے کہ ان کی مزاحمت کسی طرح نہیں ممکن تھی ۔ترکوں اور ایرانیوں کے کل توپخانے والے اپنی توپوں پر بہادری کے ساتھ قربان ہوگئے ۔رسالہ اور پلٹن کے لوگوں نے جب کسی بات میں مفر نہ دیکھا تو ہٹ آئے اور تقدیر کے منتظر ہوئے کہ دیکھئے کیا انجام ہوتا ہے۔اس موقع پر شہزادہ حسن علی پاشا اور مرزا عباس نے مشورہ کر کے اپنی کل فوج کو یکجا کیا اور ارادہ کیا یا تو لڑتے بھڑتے اس پہاڑی سے نکل جائیں اور یا بہادری سے جان بچانے کی کوشش میں جان دے دیں۔افسوس ترک اور ایرانی جو ایک کے ساتھ مل کر لڑنے پر قسم کھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے اب اس ذلت کے بعد قسم توڑ دی ہے۔تو کس نازک موقع پر جب

کہ کوئی امید نہیں باقی رہی اور یقین ہوگیا ہے کہ دونوں سے کوئی زندہ نہیں بچ سکے گا۔تجربہ کار اور جاں باز افسروں نے سب کو یکجا کیا اور حکم دی اکہ بندوقیں فائر کرتے ہوئے اور سر جھکائے ہوئے بڑھیں چاہے کچھ ہو اور چاہے سب مار ڈالے جائیں۔مگر برابر قدم آگے ہی بڑھائیں اور نہایت تیزی سے اپنے قدیم موچوں پر پہنچیں اس کے ساتھ ہی شہزادہ حسن اور مرزا عباس نے اپنے دور کے مورچے والوں کو جھنڈی کے اشارے سے حکم دیا کہ ہم ادھر سے بڑھتے ہیں تم بھی فوراً مورچوں سے نکل پڑو ہم تک پہنچنے کے لیے جہاں تک ہو پیش قدمی کرو تا کہ ہم کو اس مصیبت سے نجات ملے۔

جھنڈی کا اشارہ پاتے ہی ایرانی اور ترک ادھر سے بھی بڑھے اور انہوں نے بھی دل میں ٹھان لی، کہ جس طرح بنے گا ہم اپنے آپ کو ان لوگوں تک ضرور پہنچا دیں گے۔حوروش اور پری جمال انجلینا نے یہ عالم دیکھا تو اس کا دل دھڑکنے لگا۔! آہ وہ صرف چاہنے والے کے خیال میں رہنے کے لیے پیدا ہوئی تھی۔جس نے لڑائی کا کوئی میدان اور خون ریزی کا کوئی سماں نہیں دیکھا تھا۔ایسی سخت لڑائی اور سخت نا اُمیدی کا منظر دیکھ کر کیسی مایوسی ہوگی۔اس وقت اس کے دل میں کسی قسم کے خیالات گزر رہے ہوں گے۔اس نے نہایت حسرت سے اپنے پیارے عاشق شہزادہ حسن کی صورت دیکھی، جو بڑی سرگرمی سے اس گشت وخون کے دریا میں کودنے کا اہتمام کر رہا تھا اور صورت دیکھتے ہی دیکھتے کچھ ایسا دل بھر آیا کہ بے اختیار ہی چاہا کہ اس کے سینے سے لپٹ جائے،مگر ایشیائی شریفانہ شرم آمیز خون بھی اس کی رگوں میں دوڑ رہا تھا۔اس نے یہ جرات نہ کرنے دی پھر بھی اس نے بڑھ کر شہزادے کا ہاتھ پکڑ لیا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔''شہزادے صاحب! آہ بے فائدہ کی کوشش میں ایسی سرگرمی۔موت کے لیے اہتمام! اب یہ آخری وقت ہے

اس وقت آپ میری طرف متوجہ رہیے۔جان دیتے وقت میں آپ کو اور کسی طرف نہ متوجہ ہونے دوں گی!نہیں نہیں۔بس ان باتوں سے فراغت کیجئے۔''

شہزادہ حسن:''پیاری انجلینا گھبراؤ نہیں۔خدا مسبب الاسباب ہے۔دیکھو خدا نے چاہا تو ہم نہایت کامیاب سے نکل چلیں گے۔آپ کو ہمارے سپاہیوں کا حال معلوم نہیں ہے اس وقت اگر روسی ہوتے تو البتہ خوف تھا اور ترک لوگ تو ایسے ہیں کہ جب تک جان میں جان ہے۔ممکن نہیں کہ آپ کا ایک بال بھی بیکا ہو۔ہاں یہ لڑائی کا سماں دیکھ کر آپ ڈرتی ہوں گی۔مگر ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔مجال نہیں کہ کوئی روسی آپ کے پاس بھی پھٹکنے پائے۔''

مگر ایسے وقت میں یہ باتیں کیا تسلی دلا سکتی تھیں۔شہزادی انجلینا آبدیدہ تو پہلے ہی تھی۔اب زار وقطار رونے لگی۔ترکی شہزادے نے آنسو پونچھے اور بڑھ کر چپکے سے کہا کہ''آ ایسی بے صبری نہ دیکھائیے۔اس وقت یہ بالکل خلاف اصول ہے۔ہمارے سپاہیوں کا دل بھی تھوڑا ہو جائے گا۔یہی وقت صبر کا ہے بس بس اب ہو چکا اور آپ مطمئن رہیے۔میں آپ کے پاس سے نہ ہٹوں گا۔''ترکوں اور ایرانیوں نے اپنے افسروں اور شہزادی انجلینا کو جو شہزادہ کے برابر تھی اور اس کی خادمہ کو اپنے جھرمٹ میں لے لیا۔دل مضبوط کیے۔سر جھکائے اور فائر کرتے ہوئے بڑھے۔

مسلمانوں کو اس حملہ کا روکنا نہایت دشوار تھا۔روسی فوجیں مورچے کے اندر آ چکی تھیں اور برابر چلی آتی تھیں کس طرح ان کی فوجوں کا سلسلہ ٹوٹتا ہی نا تھا۔جس وقت ترک سمٹ کر بڑھے۔روسیوں نے اپنی بندوقوں سے بہت روکا۔مگر وہ کسی طرح نہیں روک سکے اور جب سنگینیں لیے ہوئے ترک قریب پہنچے تو ان کے تیور دیکھ کر روسیوں کو یقین ہو گیا کہ بے شک یہ لوگ جان دینے کی غرض سے بڑھے ہیں۔فوجی اصول سے ان کی فوجیں پھٹ گئیں اور انہوں نے عمدہ راستہ دے دیا کیونکہ

حسبِ اصول جنگ ایسے لوگوں کی مزاحمت کرنا خود اپنا نقصان کرنا ہے ۔مگر باوجود اس کے کہ روسیوں نے راستہ چھوڑ دیا تھا۔پھر بھی سخت سنگینیں چلیں اور دونوں طرف کا بہت نقصان ہوا۔

آخر شہزادہ حسن کے ہمراہی اس پہاڑی سے اتر کر میدان میں آ گئے ۔اس دست بدست لڑائی کے مقام سے ان کے لیے یہ مقام زیادہ نازک تھا، کیوں کہ ہر چہار طرف سے برابر گولے برس رہے تھے اور اہل اسلام جو نقصان اٹھا کر اور ندامت کے ساتھ جا رہے تھے ۔ان پر اور قیامت یہ تھی کہ ان کی گولیاں بالکل کارِ گر نہیں ہوسکتی تھیں ۔کیونکہ روسی اپنے موچوں میں اور ایسے مقاموں میں تھے جہاں تک ترکی گولیاں ہرگز نہیں پہنچ سکتی تھیں اور اسی خیال سے اب ترکوں نے فائر کرنا بھی موقوف کر دی اتھا،مگر ترکی اور ایرانی مورچوں نے یہ بڑا کام کیا کہ روسی توپیں جس قدر شہزادہ حسن اور اس کے ہمراہیوں پر گولیبرساتی تھیں اس قدر ان مورچوں پر اور زیادہ گولہ باری کرتے تھے اور اسی وجہ سے روسی لوگوں کو شہزادہ حسن کی مزاحمت میں کسی طرح پوری کامیابی نہ ہوسکی یہ سب کچھ تھا۔مگر پھر بھی ایرانی اور ترکی فوجیں آدھی آدھی کٹ گئیں ۔اور بڑے خوش نصیب تھے ،جو اس نازک حالت اور جان بازی کے مقام کو استقلال سے طے کر کے اپنے مورچوں میں پہنچ گئے ۔

مگر افسوس اس ناکامی اور شکست نے اسلامی سپاہیوں کے حوصلے پست کر دیئے اور ان کو اتنا بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔جس کا معاوضہ ان کو کسی طرح نہیں مل سکتا تھا ۔علی پاشا وہ بہادر ترک جس نے ایرانی مجاہدوں کو شائستہ اور باضابطہ فوج بنا دیا تھا اور جس کی حُسنِ تدبیر ،اور بیدار مغزی ،جرات ،تجربہ کاری پر ترک ناز کر رہے تھے وہ واپس آتے وقت راہ میں مارا گیا۔ایک گولہ اس کے سر پر آ کے پھٹا اور اس کے دو ٹکڑے اپنے ساتھ اس پُر جوش اور راست باز افسر کو بھی اڑا کر لے گئے ۔بے شک

ترکوں کی بہادری آدھی رہ گئی۔نہیں ترک ہی نہیں ایرانیوں کی بھی قوت ٹوٹ گئی۔علی پاشا کے مارے جانے کا عام طور پر تو لوگوں کو افسوس ہوا ہے۔مگر شہزادہ حسن اور مرزا عباس کو بہت بڑا صدمہ ہوا۔کیونکہ یہ لوگ بہادر تھے اور اس کی کارگزاریوں کے قدر دان تھے۔

اگر سردت تمام ترکی فوجیں شہزادہ حس کے زیر اثر تھیں مگر فکر پیدا ہوئی کہ علی پاشا کے مقام پر کون مامور کیا جائے۔مصطفےٰ پاشا سپہ سالار افواج دولت عثمانیہ متعینہء آرمینہ کو تار دیا گیا۔جس نے غالباً ان کو بھی سخت صدمہ پہنچایا ہوگا مگر اس سے بھی زیادہ افسوس کی یہ بات تھی کہ ایرانی اور ترک جن کی باہمی عداوت نے یہاں تک نوبت پہنچائی تھی۔ان میں تصفیہ ہونا تو درکنار اب عداوت اور ترقی کر گئی ادھر ترک برہم ہوئے کہ یہ شکست صرف ایرانیوں کے تعصب کی وجہ سے ہوئی۔

ادھر ایرانیوں کو اسی قسم کا خیال ترکوں کی نسبت ہوا۔مرزا عباس اور شہزادہ حسن نے پھر از سرِ نو اس فساد کو ختم کرنے کی کوشش کی۔مگر نتیجہ کوئی نہ ہوا۔

یہ دن ترکوں پر بہت سخت گزرا۔ادھر اپنی شکست کی ندامت۔ادھر علی پاشا کے مارے جانے کا صدمہ۔یہ دن پورا اسی صدمہ اور رنج میں گزرا۔شام ہوئی اور آفتاب کی سنہری کرنیں پہاڑیوں کو رنگ میں رنگتے رنگتے غائب ہوگئیں۔شام کے وقت ترکوں کے دل میں اس قدر سخت صدمہ تھا اور ایرانیوں کی عداوت اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ انہیں کسی پہلو قرار نہیں پڑتا تھا۔

شہزادہ حسن جو دن بھر کا تھکا ماندہ تھا اپنے خیمہ میں گیا اور پری وش انجلینا اور مریم جو اس کے ہمراہ صحیح و سالم نکل آئی تھیں۔وہ بھی اس کے ہمراہ تھیں انجلینا شہزادہ حسن کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی۔"شہزادہ صاحب اب تو آپ اطمینان کے مقام پر پہنچ گئے اور خدا نے بڑی بڑی آفتوں سے بچا کر یہاں تک پہنچایا۔"

شہزادہ حسن: ''پیاری انجلینا۔ہاں خدا نے ہم کو تو محفوظ رکھا مگر آج کی لڑائی کا انجام اچھا نہ ہوا۔بڑی خرابی ہوئی۔میرے نزدیک تو ہمارے سارے مورچے ضعیف ہو گئے علی پاشا شہید ہوئے ایرانیوں اور ترکوں کی عداوت اور ترقی کر گئی اس سے زیادہ کیا بے اطمینانی اور نازک حالت ہوگی۔''

انجلینا: ''(خوف زدہ ہو کر) تو کیا اس پہاڑی سے ہم کو اسی طرح نکل جانا ہوگا جس طرح ہم اس پہاڑی سے آئے ہیں؟ آہ ایک ہی بار کی مصیبت جب یاد کرتی ہوں دل دھڑکنے لگتا ہے۔اب دوبارہ ایسا ہوا تو کیا ہوگا؟''

شہزادہ حسن: ''نہیں اس کا اندیشہ نہیں۔مگر خیال یہ ہے کہ ہماری قوت ٹوٹ گئی اور اصل یہ ہے کہ ہم روسیوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے۔ایرانیوں نے ابتداء ہماری رو میں جیسی شجاعت دیکھائی اس کے ہم ممنون ہیں۔مگر اب تو ایسی پیچیدگیاں پیدا ہوگئی ہیں کہ میری رائے میں اگر یہ لوگ مدد نہ کرتے تو ہم ایسی خرابی میں نہ پڑتے، جس میں کہ اب پڑ گئے ہیں۔''

انجلینا: ''ایرانی بڑے ظالم اور بہت برے ہوتے ہیں۔آہ انہیں ظالموں کے ہاتھوں ابا جان مارے گے تھے۔افسوس اب وہ ایک قصہ معلوم ہوتا ہے۔مگر شہزادے صاحب ان دنوں میرا یہ حال تھا کہ جب ابا جان یاد آجاتے تھے۔گھنٹوں آنسو نہ روکتے تھے۔مجھے ایرانیوں سے دشمنی ہوگئی تھی اور ہاں وہ ظالم بھی تو ایرانی ہی تھے جو مجھے اور مریم کو گرفتار کرنا چاہتے تھے۔جنھیں آپ نے قتل کیا۔کیوں مریم وہ ایرانی ہی تھے نہ؟''

شہزادہ حسن: ''مگر پیاری انجلینا۔تمھیں ایسا نہ کہنا چاہیے مجھے تعصب برا معلوم ہوتا ہے۔اگرچہ تمھاری زبان سے بری بات بھی اچھی ہی معلوم ہوتی ہے۔ یہ خیال کرو کہ اس قسم کے امور سب ہی سے ظاہر ہوتے ہیں۔اگر تمھارے

والد کی تلوار کارگر ہو جاتی تو وہ ایرانی ہی مارا جاتا دونوں جانب سے ایک ہی قسم کا حملہ ہوا تھا۔اب یہ تقدیری معاملہ تھا کہ اس کا تیر کام کر گیا اور تمھارے والد کی تلوار پوری نہ پڑی۔علی ہذا القیاس جس طرح وہ ایرانی تمھیں اور مریم کو رنج دینا چاہتے تھے۔اسی طرح سینکڑوں ترک اور روسی بھی اب پہاڑوں پر برابر آدمیوں اور پری جمال لڑکیوں کا شکار کھیلا کرتے ہیں۔پیاری انجلینا تم اپنے دل سے ایسے خیالات کو نکال ڈالو۔دنیا میں سینکڑوں مذہب ہیں اور ہر مذہب والے اپنے ہی مذہب کو برحق اور اچھا خیال کرتے ہیں۔''

انجلینا :''شہزادے صاحب۔مجھے معاف کیجئے۔حقیقت میں اب باہمی اتفاق کا زمانہ ہے۔''

شہزادہ حسن :''صرف ان نہیں۔ہمیشہ اتفاق کا زمانہ تھا۔مگر ہاں ان دنوں ہماری آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے تھے اور اب ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ساری خرابیاں جن کی وجہ سے دین اسلام ضعیف ہوا اور ہوتا جاتا ہے۔صرف نا اتفاقی کی وجہ سے تھیں اور ہیں اور خصوصاً شیعوں اور سنیوں کی نا اتفاقی کی وجہ سے۔دیکھئے ہم کس کامیابی سے روسیوں کو برابر زکیں دے رہے تھے۔مگر ہماری نا اتفاقی کا نتیجہ ہے کہ آج اتنی بڑی شکست کھا کر آتے ہیں۔''

انجلینا ''ہاں۔ہاں صحیح ہے۔پھر کیا ان میں اتفاق نہیں ہو سکتا۔دونوں کو سمجھایئے۔''

شہزادہ حسن :''سمجھانے ہی سے سمجھتے تو کیا تھا۔دونوں میں سے کسی کے ذہن میں نہیں آتا اور ہم لوگ سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے۔''

مریم :''شہزادے صاحب ان باتوں کو جانے دیجیے۔خدا نے یہ رات نصیب کی ہے اس کی قدر کرنی چاہیے یہ رات عاشقوں کو بہت کم نصیب ہوا کرتی ہے اور

اس کی تمنا میں عمریں گزر جاتی ہیں۔''

شہزادہ حسن :''آہ ! پیاری انجلینا ۔خدا نے کن ارمانوں کے بعد ملایا ہے ۔مریم تم سچ کہتی ہو۔میں بڑا خوش نصیب ہوں اور بڑا ناقدر شناس ہوں، جو اپنی پیاری انجلینا کی ناز برداری نہیں کرتا۔''

انجلینا :''شہزادے صاحب آپ سے چھٹ کر مجھ پر جو جو مصیبتیں پڑیں خدا دشمن کو نہ نصیب کرے۔میں بالکل مجبور ہوگئی تھی۔ایک ظالم کی قید میں تھی۔روسیوں نے مجھ پر ظلم کیا۔مگر خدا مہربان تھا۔اس نے میری وہ دعائیں سن لیں جو میں نے بےتابی کے عالم میں کیں تھیں۔''

اتنے میں ایک حبشی خواجہ سرا آیا اور ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔

شہزادہ حسن :''کیوں کیا ہے؟''

خواجہ سرا:''حضور دوتر کی افسر حاضر ہوئے ہیں اور کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔''

شہزادہ حسن :''انجلینا کی طرف دیکھ کر، پیاری انجلینا ۔تم دیکھتی ہو میں کن کن مصیبتوں میں پھنس گیا ہوں۔کسی وقت اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا۔

افسوس علی پاشا اپنے بعد یہ بلا میرے سر چھوڑ گئے ۔چونکہ یہاں کوئی اعلیٰ افسر نہیں ہے لہذا سارا کام مجھ کو کرنا پڑ رہا ہے۔آہ !تمھاری جدائی کسی وقت گوارہ نہیں ہوتی مگر اپنے فوجی فرائض سے مجبور ہوں۔''

یہ کہہ کر شہزادہ حسن خیمے سے نکل کر دوسرے خیمے میں جاتا ہے۔جو ملاقات اور لوگوں سے ملنے کے کے لیے نصب کیا گیا ہے۔دونوں فوجی افسر قاعدے سے سلام کرتے ہیں۔

شہزادہ حسن :''کیا خبر ہے؟''

ایک افسر :''مجھ کو مصطفےٰ پاشا نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔''

حسن: ''کیا ابھی انہیں کے پاس سے آتے ہو؟''

افسر: ''حضور۔ان کو علی پاشا کی شہادت کا حال سن کر بڑا صدمہ ہوا اور ان کی جگہ جمیل پاشا کو سپہ سالار معین کیا ہے، جو کل صبح کو یہاں آ جائیں گے۔''

حسن: ''بہت اچھے شخص کو معین کیا۔ میں جمیل پاشا کے آنے سے نہایت محفوظ ہوا مگر ایک بات کا اندیشہ ہے۔جمیل پاشا اپنے مذہبی عقائد میں بہت سخت ہے بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ جتنے بہادر ہیں اتنا ہی ان میں تعصب ہے اور یہاں کی حالت شیعوں کی مخالفت کی وجہ سے سخت نازک ہو رہی ہے۔وہ آئے تو اور خرابی کا اندیشہ ہے۔''

افسر: ''حضور اسی مصلحت سے تو مامور کیے گئے ہیں۔کیوں کہ سنا گیا ہے کہ ایرانیوں نے ترکوں پر یہاں بڑے بڑے تشدد کیے۔مشہور ہے کہ علانیہ تبرا کہتے ہیں اور ترکوں کو صرف مروت میں یہ سننا پڑتا ہے۔مصطفےٰ پاشا کو تو یہ بھی خبر پہنچی ہے کہ ایرانیوں کے ہاتھ سے علی پاشا مرحوم زخمی ہو گئے تھے اور انہی کی بےعنوانیوں سے شہید بھی ہوئے۔''

حسن: ''ہاں اس باہمی اختلاف ہی کی وجہ سے ہم کو زک ہوئی اور ان خرابیوں تک نوبت آئی۔مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ صرف ایرانیوں ہی کی جانب سے شر ہوا خیر جو ہونا تھا اور جو ہونا باقی ہے۔وہ ہوگا۔دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے۔''

افسر: ''آپ سے مصطفےٰ پاشا نے دریافت فرمایا ہے کہ اس باہمی اختلاف کے موقع پر کیا کروائی کی جائے۔دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو ترکی افواج واپس طلب کر لی جائیں اور یا ایرانیوں کو حکم دے دیا جائے کہ اپنے ملک میں چلے جائیں کیونکہ اس فساد کی صورت میں ہم کو ان کی اعانت کی ضرورت نہیں ہے۔دشمنوں پر بار ڈال کر کیا ہم بےوقوف بنیں گے۔''

شہزادہ حسن: ''کیا تم واپس جاؤ گے۔''

افسر: ''حضور کی رائے دریافت کر کے میں اسی وقت پلٹ جاؤں گا۔''

حسن: ''میرے مزدیک تو جب اتفاق کی جانب سے مایوسی اور نا امیدی ہے تو ایرانیوں کو ان کے وطن جانے کی ہدایت کرنا چاہیے۔''

افسر: ''اور اگر ان کو جانے میں تامل ہو۔ لوگوں کا خیال ہیکہ شاید ایرانی بمشکل جائیں گے۔ اور کیا عجب ہے کہ وہ مقامات جو انہوں نے فتح کیے ہیں۔ ان کو اپنی سلطنت میں شامل کرنا چاہیں۔''

حسن: ''ایسا نہیں ہوسکتا اور اگر ان کے دل میں ایسا خیال ہو تو ان کی حماقت ہے۔''

افسر: ''حضور اب انہیں اپنی بہادری پر دعوی ہو گیا ہے اور یقیناً بغیر خون ریزی کے اس کا فیصلہ نہ ہوگا۔''

حسن: ''نہیں ان کو ترکوں کے مقابل بہادری اور قوت کا دعویٰ نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اگر چہ ان کا جوش کتنا ہی بڑا ہو، مگر روسیوں سے لڑنے کے قابل ان کو ترکوں ہی نے بنایا۔ خیر اب میری رائے تو تم کو معلوم ہوگی۔ مصطفےٰ پاشا سے جا کر یہی بیان کر دینا اور جمیل پاشا تو کل آ ہی جائیں گے۔ یہ افسر سلام کر کے چلے گے اور شہزادہ حسن اٹھ کر اپنی محبوبہ انجلینا کے خیمہ میں آیا۔ بازار عشق پھر گرم رہا اور دیر تک پُر جوش اظہارِ محبت کے بعد شہزادہ حس اپنی خواب گاہ کے خیمہ میں گیا اور انجلینا اور مریم پر بھی گزشتہ محنت کی تھکن نے نیند غالب کر دی تھی۔ اپنے خیمے میں دونوں سو رہے ہیں۔

رات نہایت سکوت میں گزری یہ خبر ترکوں میں پھیل گئی کہ مصطفیٰ پاشا کا فیصلہ ایرانیوں کے خلاف اور ترکوں کی موافقت میں ہے اور جمیل پاشا کے آنے کی خبر نے

اور بھی ترکوں کے حوصلے بڑھا دیے ۔صبح کو ترک آمادہ تھے کہ اگر موقع پائیں تو ایرانیوں سے کوئی نہیں چھیڑ کریں لیکن دونوں فوجوں کے علیحدہ علیحدہ مورچوں پر ہونے سے کسی جانب کو اس قسم کا موقع نہ ملا۔جمیل پاشا پہلے آتے ہی شہزادہ حسن سے ملے اور شہزادہ حس نے ان کے تعین پر مسرت کی اور الگ لے جا کر پوچھا کہ ترکوں اور ایرانیوں کے اختلاف کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

جمیل پاشا:''میں تو ایرانیوں کے ساتھ اپنے سپاہیوں کو نہ رکھوں گا۔اپنی فوجوں کو آج شب کو یہاں سے نکال لے جاؤں گا۔اس میدان میں اگر ایرانیوں کو منظور ہے تو وہ تنہا مقابلہ کریں ۔وہ ترک اب ان کے ساتھ نہ رہیں گے۔جن کی دل شکنی میں انہوں نے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ہے۔''

شہزادہ حسن :''میرے مزدیک تو یہ خلاف اصول ہے،جو لوگ آپ کے ہمدردی میں اتنا جوش دیکھا چکے ہیں اور بڑی جان بازی سے آپ کے کام آئے ہیں ۔ان کو دشمنوں کے سپرد کر کے لے جانا بالکل خلاف اصول ہے۔''

جمیل پاشا:''شہزادے صاحب آپ کو ابھی تجربہ نہیں ہوا ہے۔یہ لوگ بڑے متعصب اور اہل سنت کے بڑے سخت دشمن ہیں ۔ان سے ہمدردی کی امید ہی غلط ہے اور مجھ کو تو مصطفےٰ پاشا نے اس کاروائی پر مجبور کر دیا ہے بلکہ یہاں سے واپس جانے کے ساتھ ہی میں مرزا عباس کو باضابطہ ہدایت کروں گا کہ اپنے تمام لوگوں کو ہمراہ لے کر اپنے ملک میں واپس چلے جائیں ۔اس لیے کہ ان کے ہمراہیوں کی موجودگی میں سخت نا اتفاقی بلکہ شکست کا اندیشہ ہے اور شہزادے صاحب ۔روسیوں سے اصل لڑنے والے ہم ہیں ۔ایرانی ہماری اعانت کو آئے ہیں اگر وہ ہمارے اصول کی وقعت مانیں تو بہتر ورنہ ہمیں ان کی ہمدردی کی کچھ ضرورت نہیں بے شک انہیں چلا جانا چاہیے۔''

حسن: ''افسوس میں اس نا اتفاقی کو ہرگز پسند نہ کرتا تھا مگر اب کیا کیا جائے کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔ خیر آپ کو جو ہدایت کی گئی ہو اس پر عمل کیجئے۔''

جمیل پاشا: ''آج تو میں لڑائی کا رنگ دیکھوں گا اور دن بھر اندازہ کروں گا کہ ہم میں یہاں ان سے مقابلہ کرنے کی کہاں تک قوت ہے۔''

شہزادہ حسن: ''بہتر''

صبح کو مسلمانوں کے مورچے ساکت ہی تھے کہ روسی توپوں نے چونکا کر اپنی طرف متوجہ کرلیا جمیل پاشا نے دوربین کے ذریعے سے جنگ گاہ کو بخوبی دیکھا اور اپنے مورچوں کی وضع اور حالت کا اندازہ کیا۔ پھر دیکھا کہ ایرانی روسیوں کی توپوں کا جواب دے رہے ہیں۔ مگر روسی توپوں کا رخ زیادہ تر اسی جانب تھا۔ جدھر ترکی افواج تھی اور یہاں سے جمیل پاشا لڑائی کا ملاحظہ کر رہا تھا۔ جمیل پاشا نے اپنی طرف بھی حکم دیا کہ جہاں تک ہو سکے پھرتی اور التزام سے روسی گولوں کا جواب دیا جائے۔ روسی اور ترک دونوں میں سے کسی نے حرکت نہیں کی۔ بلکہ صرف دور سے گولہ باری کرتے رہے ایرانیوں کی ایک دس ہزار کی جماعت نے البتہ مورچے سے نکل کر چاہا کہ ایک قریب کے روسی مورچے پر قبضہ کرلیں، مگر بڑی ناکامی سے واپس آئے اور گویا ایرانیوں کو یہ پہلی زک ملی تھی جو ان کے حق میں سچ پوچھیے تو ایک بڑی بدشگونی خیال کی جاسکتی ہے۔ ایرانیوں کو زک نہ ہوتی مگر سبب یہ تھا کہ ان کی سپہ گری کی جان مرزا عباس تھا جس کو ترکوں اور ایرانیوں کی مخالفت نے ایسا پست کر دیا کہ اب اسے گویا میدان جنگ سے نفرت ہوگئی وہ اپنے مورچے میں خاموش بیٹھ رہا اور تقدیر کے فیصلے کا انتظار دیکھنے لگا۔ اس سبقت میں وہ ایرانیوں کے ہمراہ نہ تھا، جو ہر مشکل کام میں سب سے آگے ہوتا تھا اور اپنے ہم راہیوں کو بڑے جوش و خروش سے لڑایا کرتا تھا۔ افسوس ان نا اتفاقیوں نے کیسا خراب نتیجہ پیدا کیا۔

دن آخر ہو گیا اور شام کو جمیل پاشا نے حکم دیا کہ ترک لوگ واپسی کے لیے تیار ہو جائیں تمام ترکی سپاہی کوچ کا سامان کرنے لگے۔ شہزادہ حسن کو نہایت تشویش تھی وہ پریشان تھا کہ خود کیا کرے اور کہاں جائے سوا اس کے کہ اور کوئی بات ذہن میں نہ آئی کہ یہاں سے واپس جائے اور شہر اخل زک میں اپنی نور الصباح کے ساتھ گوشہ گزیں ہو جائے۔ اخل زک ترکوں کے قبضہ میں تھا اور بظاہر اسا ب بہت ہی اطمینان اور امن کا مقام تھا۔ بخلاف اس کے جمیل پاشا کا ارادہ تھا کہ اپنے تمام لوگوں کو اخل کلاکی میں لے جائے۔ جو مصطفےٰ پاشا کے شہر سے بہت قریب تھا۔ کیونکہ وہاں رہنے کی صورت میں یہ لوگ اسکندر روپول کو اور اسکندر روپول والے ان کو بخوبی مدد پہنچا سکتے ہیں۔ رات کا تھوڑی عرصہ گزرا تھا کہ ترک اس پہاڑی کو چھوڑ کر جنوب کی طرف روانہ ہوئے اور آہستہ آہستہ اس سہولت اور خاموشی سے تمام فوج پہاڑ سے اتر گئی کہ ایرانیوں اور روسیوں کو خیال بھی نہ گزرا۔ یہاں سے ایک میل نکل کر جمیل پاشا نے مرزا عباس کے نام اس مضمون کا خط لکھا کہ حسب الحکیم سپہ سالار افواج عثمانیہ مصطفےٰ پاشا کے تم کو اطلاع کی جاتی ہے کہ بہت جلد ہماری حدود اور نیز میدان جنگ سے نکل کر اپنے صوبے آذربائجان میں چلے جاؤ، کیونکہ بوجہ موجودہ مخالفت اور عساکر ترک کے اشتعال طبع کے ہم کو تمھاری مدد اور تمھاری اعانت کی اب کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی جس قدر جان بازی اور شجاعت اس سے پیشتر ہماری مدد میں تم ظاہر کر چکے ہو۔ ہم اس کے کمال مشکور رہیں۔''

خادم مسلمان جمیل پاشا

یہ خط لکھ کر جمیل پاشا نے ایک ترکی سردار کو دیا اور دس سپاہی اس کے ہمراہ کر کے حکم کیا کہ صبح تک اس مقام پر قیام کرے اور تڑکے یہ خط عباس کو دے کر جواب لے اور بہت جلد مقام اخل کلاکی میں حاضر ہو۔ کیونکہ بغیر جواب ملے اور کوئی

کاروائی نہیں ہوسکتی۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ترکوں اور ایرانیوں کی لڑائی

جمیل پاشا کا نامہ برہنوز نہیں پہنچا تھا کہ ایرانی اپنے سامنے کے مورچوں کو ترکوں سے خالی دیکھ کر نہایت حیران و پریشان ہو رہے تھے۔ مرزا عباس کو یقین آ گیا کہ ترک ہماری مخالفت کی وجہ سے چلے گے اس نے اپنے سپاہیوں کے عام مجمع کے سامنے جا کر ایک موثر تقریر کی اور کہا ''اے اہل عجم'' افسوس تم نے اپنی وقت اپنے ہاتھ سے کھودی۔ ترک جنہوں نے تمھیں لڑائی کے قابل بنایا۔ جو ہر موقع پر تمھارے قوتِ بازو تھے وہ آج تمھیں دشمنوں کے سپرد کر کے چلے گے۔ کیا تنہا تم روسیوں کا مقابلہ کر سکو گے۔ نہیں ممکن نہیں۔ اگر چہ میں نہ کہوگا کہ اصل معاملے میں تمھاری زیادتی تھی۔ مگر پھر بھی یہی کہتا ہوں کہ نہیں تمھاری ہی زیادتی تھی تمھاری یہ زیادتی ہے کہ تم نے ضبط نہ کیا۔ ترکوں سے لڑنے اور ان کو ہر موقع پر چھیڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ کیا نہیں ہوسکتا تھا کہ اس امر میں دور اندیشی سے کام لیتے۔ ترک اپنے طور پر روسیوں سے مقابلہ کر سکیں۔ مگر تم ممکن نہیں کہ ایک لڑائی میں بھی کامیاب ہوسکو۔ کیونکہ قواعد جنگ میں تم ہر حیثیت سے ان کے محتاج ہو۔ اب اس وقت میرے امکان میں کوئی ایسی تدبیر نہیں کہ تم عزت کے ساتھ یہاں سے جا سکو تمھارے ساتھ مجھے بھی بہت بڑی دقت اٹھانا پڑی۔ مگر مجھے اس کا اتنا خیال نہیں جتنا اسلام کے ضعیف ہو جانے کا صدمہ ہے۔ اب مجبوراً میں تم سے علیحدہ ہوتا ہوں اور ان لڑائی کے معاملات سے مجھ کو کوئی علاقہ نہیں۔ تم جانو اور تمھارا کام جانے۔ اختیار ہے۔ چاہے ترکوں سے لڑو چاہیے روسیوں کے مقابلے میں ثابت قدم رہو اور چاہے اپنے وطن کو واپس جاؤ۔''

مرزا عباس یہ تقریر کر کے مجمع عام سے چلا گیا اور تمام ایرانی افسروں میں

حسرت مندانہ سکوت کی وجہ سے سناٹا ہو گیا۔اس سناٹے کو یک بیک ایک ترکی شخص نے توڑا جو کہہ رہا تھا۔مرزا عباس کہاں ہیں میں ان کے پاس ایک ضروری خط لایا ہوں ''۔

سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک ایرانی اس ترک اور اس کے چند ہمراہیوں کو مرزا عباس کے خیمے میں لے گیا۔ترک نے مرزا عباس کے ہاتھ میں خط دیا۔بہادر اور غیر متعصب ایرانی دیر تک اس خط کو غور سے پڑھتا رہا اور آدھ گھنٹہ کے بعد ان ترکوں کو خیمے میں چھوڑا اور اس خط کو لے کر باہر نکلا اور تمام ایرانی افسروں کو بلا کر خط کے مضمون سے آگاہ کیا۔جس کے ذریعے سے انہیں اپنے وطن واپس جانے کی ہدایت کی گئی تھی۔اور کہا:

''اے عمائد تمھاری کیا رائے ہے؟اگر چہ میں نے اپنے آپ کو اس منصب سے علیحدہ کر دیا مگر بوجہ اس کے کہ خط میرے نام ہے اور نیز اس خیال سے کہ خاصتہً مجھے افسران ترک سے زیادہ ربط وضبط رہا ہے۔اس خط کا جواب دینے کو موجود ہوں ''۔

ایک ایرانی افسر:''ہم لوگوں نے اپنی کوششوں سے گرجستان کے یہ شہر فتح کئے ہیں۔ان میں ترکوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔اس بارے میں وہ ہم کو کسی امر کا کوئی حق نہیں رکھتے۔بلکہ ہم ان کو خود ہدایت کریں کہ تم ان بلاد سے نکل جاؤ جو ہم نے اپنی قوتِ بازو سے فتح کئے ہیں یہ بلاد آئندہ سے دولت علیہ فارس کے ماتحت رہیں گے اور ہم اپنے شاہ کو خبر کریں گے۔جن کی فوجیں ہماری مدد کریں گی اور ہم ترکوں کو زبردستی مار کر نکال دیں گے۔''

مرزا عباس:''تمھیں یقین ہے کہ شاہ کجلاہ ایران تمھاری مدد کریں گے۔ممکن نہیں وہ روسیوں سے ہرگز نہ بگاڑیں گے اور اگر انہوں نے زرا بھی اس جانب رخ

کیا تو انہیں اپنی حدود اور اپنی سلطنت کی نگہداشت دشوار ہو جائے گی۔''

ایرانی افسر: ''نہ سہی ہم ترکوں کو مار کر نکال دیں گے۔''

مرزا عباس: ''خیر تمھیں اگر اس امر میں ایسا ہی جوش ہے تو یہی سہی میں تو تم سے علیحدہ ہو ہی چکا ہوں اور نہ میں آئندہ تمھاری حرکات وسکنات کا ذمہ دار ہوں ۔اگر تم استقلال سے یہ جواب دیتے ہو اور سب کی یہی رائے ہے تو میں لکھ بھیجوں گا ۔مگر ایک بار میں پھر دوستانہ نصیحت کرتا ہوں کہ اس خیال سے باز آؤ اور ترکوں سے عداوت نہ ظاہر کرو تم میں ان کے مقابلے کی تاب ہرگز نہیں ہے۔قواعد دان نہ ہونے اور ویسی جرات نہ رکھنے کے علاوہ یہ امر زیادہ تر قابل غور ہے کہ تمھارے پاس بالکل سامان جنگ نہیں ہے ۔انہیں کی توپوں اور انہیں کے سامان حرب سے تم نے آج تک کام لیا ہے۔''

کئی ایرانی افسر: ''ہمیں کچھ ڈر نہیں ۔ہم دامادرسولؐ زوج بتول اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ واسلام کا دامن پکڑے ہوئے ہیں ۔ہمیں ان دشمنان آل رسولؐ کا کیا خوف ہوسکتا ہے بے شک آپ تحریر فرمائیے ۔ہم ان کا مقابلہ کریں گے اور بڑی جوانمردی سے۔''

مرزا عباس: ''کیا روسیوں اور ترکوں دونوں کا مقابلہ کرو گے؟ اپنے شہر واپس لینے کے لیے روسی بھی تمھارا مقابلہ کریں گیا ور ترکوں سے تو لڑنے کا تم بھی کہتے ہو ''۔

افسران عجم: ''جی ہاں ہم دونوں سے لڑیں گے اور دونوں کو بھگا دیں گے۔''

مرزا عباس: ''بہتر ۔تمہاری اس ہمت اور اس جوش پر میں تمھیں مبارک باد دیتا ہوں ۔خدا مبارک کرے۔''

اس مضمون کو لکھ کر مرزا عباس نے ترکوں کے حوالے کیا اور اپنے خیمے میں جا

کر بیٹھ رہا۔ ایرانیوں پر اس قدر تعصب غالب آ گیا تھا کہ انہوں نے مرزا عباس کی علیحدگی کی بھی کچھ پروانہ کی اور باہم مشورے کرنے لگے کہ اب کیا کاروائی کی جائے بعض لوگوں کی رائے تھی کہ ہم یہیں ٹھہر کر روسیوں کا مقابلہ کریں، مگر ایک سن رسیدہ شخص نے کہا یہ تو صحیح ہے۔ مگر ترک ہماری پشت کی جانب سے آ جائیں گے اور اس حال میں ہم پر دوہری مصیبت پڑ جائیگی۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ ہم لوگ اخل کلا کی طرف بڑھیں اور ترکوں کو وہاں سے نکال کر پھر اطمینان سے روسیوں کا مقابلہ کریں۔ یہی رائے آخر سب نے تسلیم کی اور ارادہ کیا گیا کہ آج رات کو ہم لوگ بھی یہاں سے چلے جائیں گے۔ صبح کو اخل کلا کی ہمارے سامنے ہوگا اور ہم ترکوں کا محاصرہ کرلیں گے۔ مرزا عباس جو علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ اس سے اس بارے میں کچھ رائے نہ لی گئی۔

دن بھر معمولی طریقہ سے روسیوں کا سامنا کیا گیا۔ یہاں تک کہ شام نے دونوں بہادروں کو آرام کرنے کی مہلت دی۔ ایرانیوں نے رات کا موقع غنیمت پایا اور ترکوں کی طرف آج انہوں نے بھی خاموشی اور سہولت کے ساتھ اپنے پہاڑی مورچے سے کوچ کیا۔ روسیوں کو خبر بھی نہ ہوئی اور وہ پہاڑی سے اتر کر چلے گے یہ لوگ برابر تیزی سے بڑھتے چلے گے اور کچھ دن چڑھے شہر اخل کلا کی پر انہیں ترکوں کا ہلالی جھنڈا اڑتا ہوا نظر آیا۔ ایرانیوں نے اس کے مقابل میں اپنا جھنڈا جس پر آفتاب اور شیر کا مارکہ بنا ہوا تھا۔ ہوا میں اڑا دیا۔

فارسی پھریرا دیکھ کر ترک ان کے ارادے سے واقف ہوئے اور جمیل پاشا اپنی فوجوں کو آراستہ کر کے شہر سے باہر نکلا اور میدان ہی میں حسب ضابطہ صفیں باندھ کر توپیں لگا دیں۔ ترکوں کے پاس یہاں آٹھ دس توپ خانے تھے۔ جو انہوں نے آگے پچاس پچاس قدم کے فاصلے سے لگا دیے۔ جو توپ خانہ سب سے آگے تھا۔

اس میں زیادہ توپیں تھیں ۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اٹھارہ توپیں تھیں ۔تین توپ خانے برابر لگے ہوئے تھے اور جو توپیں اخل کلا کی دیسوں پر لگی ہوئی تھیں ۔ان کے منہ بلند کر دیئے کہ ان پر ایرانیوں پر گولہ باری کی جا سکے''۔

یہ انتظام کر کے جمیل پاشا نے ایک سوار دوڑایا کہ ایرانیوں کا منشا دریافت کرے ۔وہ سوار سفید جھنڈی دکھلاتا ہوا گیا اور ایرانیوں کے سردار آقا مرزا کاظم سے ملا۔ترکی سوار نے پہلے تو مرزا عباس کو دریافت کیا۔مگر معلوم ہوا کہ اب فوج کی سرداری پر آقا مرزا کاظم مامور ہیں ۔

ترک:''ہمارے سردار جمیل پاشا دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کس غرض سے تشریف لائے ہیں؟''

مرزا کاظم:''ہماری غرض یہ ہے کہ ترک لوگ ان مقامات کو چھوڑ کر چلے جائیں جن کو ہم نے اپنی جانیں تلف کر کے فتح کیا ہے اور آئندہ سے وہ فارسی شاہ کج کلاہ کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیے جائیں گے ۔''

ترک:''بہتر ہوتا کہ آپ مرزا عباس کو ہمارے ساتھ کر دیتے ،جن سے ہمارے سردار کی گفتگو ہو جاتی ۔''

مرزا کاظم:''مرزا عباس ہمارے ہم راہ نہیں ہیں وہ راستے سے شہر اخل زک کی طرف چلے گئے اور کوئی شخص ہمارے یہاں کا جانا گوارا نہ کرے گا۔''

ترک:''اس کے سوا آپ کسی اور بات کو نہ مانیں گے اور اسی کے ماننے نہ ماننے پر لڑائی کا دارومدار ہے ۔''

مرزا کاظم:''بے شک اس کے سوا ہم کوئی اور بات نہ منظور کریں گے ۔''

ترک یہ گفتگو کر کر واپس آیا اور دونوں طرف سے لڑائی شروع ہو گئی ۔

ایرانیوں نے ترکی توپوں کا جواب بڑے استقلال اور اطمینان سے دیا ۔دن

بھر توپیں دونوں طرف سے چلا کیں اور بغیر اس کے کوئی نتیجہ ہو شام ہوگئی ۔ترکوں کے پاس دوسرے روز اسکندروپول سے اور مدد آ گئی اور سامان جنگ بھی فراہم ہو گیا ۔مگر افسوس ایرانیوں کی طرف ایک ہی روز میں گولے بارود کی کمی ہوگئی تھی ۔دوسری صبح کو تڑکے سے پھر لڑائی شروع ہوئی اور بارہ بجے دن کو جب ایرانیوں نے دیکھا کہ اب بالکل گولہ بارود نہیں رہا انہوں نے اسی مردانگی سے جس طرح مرزا عباس کے ساتھ حملہ کرتے تھے ۔ترکوں پر حملہ کیا مگر اب افسوس ان کے ساتھ نہ وہ پر جوش سردار مرزا عباس تھا اور نہ ترک افسروں کے ایسے سوچ سمجھ کر رائے دینے والے مشیر کار تھے انہوں نے حملہ کیا تو اپنی شجاعت کے زعم میں بڑھتے چلے گے ۔ترکوں نے کرابوں پر رکھ لیا ۔جب تک ترکوں کے مورچے تک نہ پہنچیں.....

ایرانیوں کے نصف سپاہی کٹ چکے تھے ۔ترکوں نے جب دیکھا کہ ایرانی توپوں پر آ پہنچے انہوں نے توپیں چھوڑ دیں اور ہٹ کر اس کے بعد والے توپ خانے کے پیچھے ہو رہے اور ان توپوں سے کرابیں مارنا شروع کر دیں ۔ایرانیوں نے جب ترکوں کو جب اپنے پہلے مقام سے ترکوں کو بھاگتے دیکھا نہایت خوش ہوئے تھے ۔مگر اب دوسرے توپ خانے سے فائر ہونے لگے تو گھبرا اُٹھے ۔ان کی بہادری نے پھر جوش مارا اور بڑھے کہ ان توپوں کو بھی چھین لیں ۔اگر چہ اپنی اس کثیر فوج کے خیال سے جو یہاں تک آتے آتے کٹ گئی تھی ۔ان کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا کہ قدم آگے بڑھائیں لیکن سوا بہادری اور تحمل کے اب ان کے امکان میں کیا تھا ۔پھر ہمت باندھی اور دوڑتے ہوئے بڑھے ان ترکی توپوں نے بھی ان کی بہت سی شجاعتوں کو تمام کر لینے کے بعد اپنے قریب آنے دیا ترک پہلے ہی سے ایک تدبیر کا ٹھرا چکے تھے اور جو لڑائی طول کھینچتی جاتی تھی گویا ان کی تدبیر کارگر ہوتی جاتی تھی ۔اس دفعہ جو ایرانی ان کے قریب پہنچے تو انہوں نے وہ بھی توپیں چھوڑ دیں اور ان توپوں پر جا کر

دم لیا، جو تیسرے درجہ پر قائم کی گئی تھیں اور پھر ایرانیوں پر بڑی سختی سے کرابیں پڑنے لگیں۔

ایرانی اب بالکل بے دست و پا ہو گئے اور نہایت ہی مضطر اور پریشان تھے کہ ناگہان میدان میں کئی سوار جو سفید جھنڈی اڑاتے ہوئے اور گھوڑوں کو بڑھاتے چلے آتے تھے۔ ان لوگوں کے آگے جو شخص تھا، چونکہ اس کے ہاتھ میں سفید جھنڈی تھی، جو امن طلب کرنے کی علامت خیال کی جاتی تھی دونوں جانب حملہ آور یک بیک رک گئے اور غور سے دیکھنے لگے۔ کہ یہ کون لوگ ہیں۔

یہ لوگ وسط میں ٹھہر گئے اور وہ شخص جس کے ہاتھ میں جھنڈی تھی اس نے عام سامعین کی طرف خطاب کر کے کہا: ''اے جاہل اور احمق مسلمانوں! آہ! اپنے مذہب پر۔ اپنے دوستوں پر بلکہ خود اپنے اوپر کب تک اور کسی قدر ظلم کرو گے؟ آہ! یہ ہزارہا مسلمان بے جان اور زخمی پڑے ہیں ان کو کس نے اس حالت تک پہنچایا؟ خود تم نے! جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں! یہ مسلمان کا کام ہے کہ اپنے ہی بھائیوں پر چھری تیز کرے۔ خدا کے لیے ہوش میں آؤ۔

میں اخل زک میں اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا کہ مرزا عباس نے ابھی ابھی ساری سرگزشت بیان کی۔ افسوس میں روتا اور آنسو بہاتا ہوا یہاں تک آیا ہوں۔ میں نے بہت جلدی کی، مگر پھر بھی ہزارہا مسلمان ضائع ہو چکے ہیں،''

یہ تقریر سن کر دونوں طرف کے لوگ کچھ غور میں آ گئے۔ اب خیال کر کے دیکھا تو یہ سوار شہزادہ حسن تھا اور اس کے ہم راہی اس کے گارڈ آف آنر کے چند سوار تھے ترکوں کی طرف سے جمیل پاشا نے بڑھ کر کہا:

''ہم خود نہیں چاہتے کہ اپنے سامان جنگ کو مسلمانوں پر صرف کریں مگر کیا کیا جائے۔ یہ لوگ ہم پر چڑھ کر آئے اور ہم کو ان شہروں سے نکال دینا چاہتے ہیں۔''

ایرانیوں کی طرف سے بھی ان کا نیا سردار مرزا کاظم اپنے سواروں کے آگے آیا اور کہنے لگا"۔ہمارے ساتھ یہ کتنی بڑی ناانصافی ہے کہ لڑائی میں ہم اپنی جان و مال سے دریغ نہ کریں۔بڑے بڑے میدانوں اور قلعوں پر حملہ کر کر روسیوں کو زک دیں اور اکثر شہروں کو ان سے چھین کے قبضے میں لائیں اور اس کے معاوضہ میں ہمارے ساتھ کوئی رعایت نہ کی جائے اور الٹے حکم دیا جائے کہ ہم اپنے وطن میں واپس چلے جائیں"۔

شہزادہ حسن:"بے شک آپ کا فرمان بجا ہے۔مگر میں انصاف سے کہتا ہوں اس وقت آپ اس امر کا خیال نہ کیجئے گا کہ میں ایک ترک ہوں۔آپ نے ذاتی طور پر اپنی غرض حاصل کرنے کے لیے فوج کشی نہیں کی تھی۔آپ ہماری مدد کو آئے تھے۔اس صورت میں آپ کسی خاص معاوضہ کے مستحق نہیں ہوسکتے۔رہا یہ کہ آپ سے واپس جانے کو کیوں کہا گیا اس کی وجہ آپ بخوبی جانتے ہیں جب ہم میں ایسی شرمناک ناانصافی اور عداوت ہو تو میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ سوا ایک فریق کے رخصت کر دینے کے اور کیا کاروائی ہوسکتی ہے"

آقا کاظم:"خیر اب تو ہم ہی غلطی پر ہیں مگر افسوس آپ نے ہماری جان بازیوں کی خوب قدر کی!ہم کو ایسی امید نہیں تھی۔اب تو ہم کو بھی سوا واپس جانے کے اور کسی بات میں مفر نہیں معلوم ہوتا۔"

شہزادہ حسن:"بے شک اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں ہے۔اگر آپ میں اتنا تحمل نہیں ہے کہ اس جملہ سے باز آیئے،جو ترکستان کے اہل سنت کی دل شکنی کرتا ہے۔تو براہ عنایت آپ اب جان فروشی کی تکلیف نہ کیجئے۔آپ کے بہادر اور لائق افسر مرزا عباس نے بھی آپ کو اس بارے میں بہت سمجھایا۔لیکن یہ کتنے بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ نے ان کے حقوق اور ان کی گزشتہ بہادریوں کو بھی بھلا دیا۔

حالانکہ آپ کو جو کچھ بھی نیک نامی حاصل ہوئی ۔وہ صرف مرزا عباس کی بدولت تھی ۔مگر اہل سنت کی مخالفت میں آپ نے ان کے حقوق بھی تلف کر دیے وہ خود سنی نہ تھے شیعہ ہی تھے اور پورے پر جوش شیعہ ۔صرف مصلحتاً ان کی یہ رائے تھی کہ آپ اس جملہ سے اپنی زبان کو روکیں ۔لیکن آپ نے نہ ماننا تھا نہ مانا اور آج یہاں تک نوبت پہنچی کہ اگر اس وقت میں یہاں نہ آ گیا ہوتا ایک فریق کے لوگ تمام ہو گئے ہوتے اور یقیناً آپ ہی تباہ ہوتے ،کیونکہ نہ آپ کے پاس سامان جنگ ہے ۔نہ وہ با ضابطہ اور اصول جنگ کے ماہر افسر ہیں ۔''

آقا کاظم :'' بے شک زیادہ تر نقصان ہمارا ہی ہے ۔کیونکہ ہم خان مان برباد ہیں ۔اور علاوہ بریں نہ کوئی ہمارا خبر گیراں ہے اور نہ کوئی سرپرست ہے ۔روسی تعلقات ایسے درپیش ہیں کہ شاہِ ایران سے بھی ہمیں اپنی نسبت کسی قسم کی ہمدردی کی امید نہیں ۔''

شہزادہ حسن :''الحمد اللہ کہ آپ کے خیالات صلاحیت پر آ گئے اور کسی کی دوستانہ رائے ماننے پر آپ آمادہ ہیں ۔اب اتنا فرمائیے کہ آپ کا کیا ارادہ ہے ۔اپنے وطن جائیے گا یا تحمل کے ساتھ ہمارے اصول کی پابندی میں روسیوں کا مقابلہ کیجئے گا ۔''

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ شمال کی جانب سے ایک گرد نمایاں ہوئی ۔جس کا دامن چاک ہوتے ہی روسی سوار اور روسی جھنڈے نظر آئے ۔ ایرانیوں ترکوں اور شہزادہ حسن کو حیرت اور مستعجاب نے جتنی دیر تک سکتہ میں رکھا اتنی دیر میں انہوں نے توپیں جا بجا لگا دیں اور فائر شروع کر دیئے اہل اسلام کے حیرت مندانہ سکتہ کو روسی توپ کی آواز نے توڑا اور وہ بھی مستعد جنگ ہو گئے ۔مگر ایرانیوں پر بڑی مصیبت نازل ہوئی ۔کیونکہ وہ دو دشمنوں کے درمیان میں تھے ۔ایک طرف سے روسی ان پر

گولہ باری کرنے لگے اور دوسری طرف ترک ہیں جو ابھی شہزادہ حسن کے بیچ میں آ جانے سے رک گئے ورنہ فائر کر رہے تھے ایرانیوں کی طرف سے درخواست کی گئی کہ ترک اپنے ساتھ انہیں مل جانے اور قریب آ جانے کی اجازت دیں اور شہزادہ حسن نے بھی زور دیا کہ ان کی درخواست منظور کی جائے۔مگر جمیل پاشا نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ان کی موجودگی میں ہمیں ترکوں سے امید نہیں کہ تحمل ہو سکے۔ اب ممکن نہیں کہ ہم ایرانیوں ک واپنے برابر کھڑا ہونے دیں۔یہ اب اپنے وطن میں یا جہاں جی چاہیں چلے جائیں۔''شہزادہ حسن:''اب اس وقت یہ لوگ کاروائی نہیں کر سکتے۔دشمن سامنے آ گیا۔اگر جانا چاہیں تو نقصان اٹھا کر اور بھاگنے کے باعث اپنی نام وری کو مٹا کر جائیں گے۔حالنکہ کوئی غیرت مند بلکہ کوئی مسلمان نہیں گوارا کر سکتا۔''

جمیل پاشا:''شہزادے صاحب۔آپ کے حکم کو میں لبر وچشم''

شہزادہ حسن:'' میں حکم نہیں کرتا اور نہ حکم کرنے کا مجاز ہوسکتا ہوں۔دوستانہ طور پر آپ کو رائے دیتا ہوں۔''

جمیل پاشا:''افسوس میں آپ کی رائے کے خلاف ہوں۔ترک ہرگز گوارا نہ کریں گے کہ ان لوگوں سے پھر دوستی کریں۔جن کی وجہ سے انہیں سخت شکست ہوئی۔جن کی وجہ سے ان کے لائق افسر علی پاشا شہید ہوئے۔آپ ان کو رائے دیں کہ یہ داہنی طرف نکل جائیں۔ہم روسیوں کو گولہ باری کر کے اپنی طرف متوجہ کر لیں اور انہیں موقع مل جائے گا کہ مشرق کی طرف نکل جائیں۔اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی۔آخر ایرانی اسی پر مجبور ہوئے اگر چہ ان کے سروں پر روسی گولے پھٹ رہے تھے مگر وہ اس مصیبت کو برداشت کرتے ہوئے مشرق کی طرف بڑھے۔روسیوں کو خیال گزرا کہ شاید یہ لوگ چکر کھا کر ہم پر آئیں گے اور اس لیے انہوں نے اپنی

توپیں بھی ان کی طرف پھیر دیں۔لیکن ترکوں نے ان پر گولے اتارنا شروع کیے اور سختی سے گولے پڑنے لگے تو ان کو مجبوراً ترکوں کے مقابلے پر آمادہ ہونا پڑا۔ایرانی کچھ دور تک تو سہولت سے گئے مگر جب روسیوں کے محاذات سے دور نکل گئے تو انہوں نے گھوڑے بڑھا دیے اور سیدھے اپنی ایرانی حدود کی طرف چلے۔ روسیوں کی بڑی حیرت ہوئی اور ایک زمانہ تک حیرت ہوئی کہ ایرانی جو ترکوں کے بڑے مددگار تھے۔کہاں گئے اور کیوں چلے گئے اور ان کی یہ حیرت ایک عرصے کے بعد اصل حالات معلوم ہونے سے رفع ہوئی۔ایرانیوں کے جانے کے بعد شہزادہ حسن نے ترکوں میں جا کر ان کے دلوں کو بڑھایا اور جرأت دلانا شروع کیا۔تاکہ وہ نہایت تیزی سے روسیوں کا مقابلہ کریں اس نے کہا:''اے بہادران ترک! یہ دشمنان خدا جو تمھارے مقابلے کو آئے ہیں۔ان کا مقابلہ کرنا خدا کی خدمت ہے۔تم ایک اسلامی فریق یعنی شیعوں کے مقابلہ کو شہر سے نکلے تھے اور میرے نزدیک اس میں اسلام کا ضعف متصور تھا، بلکہ تمھاری غلطی تھی۔لیکن خدا نے تمھاری غلطی ہی کے ذریعے سے تمھیں سرفراز کیا کہ یہ روسی کفار تمھارے سامنے آ گئے یہ مردانگی نہیں ہے کہ ہم قلعہ میں جا کے روسیوں پر گولہ باری کریں اور لڑائی کو مدتوں تک طول دیں۔ اب ان کفار کو بھگا کر اور خدا سے اپنی بہادری کا صلہ یعنی اعانت حاصل کر کے شہر میں چلو۔آؤ ہم تم سب مل کر بڑھیں اور زمین کو ان ظالموں کی شر سے پاک کر دیں۔''

جمیل پاشا:''میرے نزدیک تو ایک آدھ روز کی گولہ باری کے بعد یہ کاروائی مناسب ہوگی۔''

شہزادہ حسن:''اگر ہم اسی وقت انہیں زک دے کر ہٹا دیں تو کیا کچھ برا ہے۔ ہرگز نہیں اور یہ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ ہمارا گولہ بارود بچ رہے گا اور آئندہ کے میدانوں میں کام آئے گا۔بہتر یہی ہے کہ اب ہم توپیں مارت ہوئے بڑھیں اور

موقعہ دیکھ کر حملہ کر دیں۔"

جمیل پاشا نے یہ رائے منظور کی اور ترکوں نے تدریجاً آہستہ آہستہ اپنی توپیں بڑھانا شروع کر دیں۔ حسن پاشا نے ترکی فوج کے تین حصے کیے ایک حصہ توپوں کے ساتھ رکھا، جو گولہ باری کے ساتھ آگے بڑھتا جاتا تھا اور دو حصے الگ گئے ایک کے ہمراہ خود ہوا اور ایک پر یوسف پاشا ایک تجربہ کار اور بہادر افسر کو معین کیا۔ خود اپنی فوج کے ساتھ بائیں طرف مڑا اور یوسف پاشا داہنی جانب چلا۔ یہ دونوں سردار چکر کھاتے ہوئے گئے اور بالکل قریب جاتے ہی باڑھیں مارتے ہوئے جھپٹے۔ روسیوں نے بڑی سختی سے مزاحمت کی اور کراہیں مارنا شروع کیں۔

ترکوں کے بہت سے سپاہی کٹ گئے اور حسن پاشا پر اپنی فوج کٹوا دینے کا الزام آ گیا۔ مگر ان لوگوں نے بڑھ کر آ کر ان توپوں پر قبضہ کر لیا روسیوں نے توپیں چھوڑتے وقت سخت مقابلہ کیا اور سنگینیں لے لے کر اس جرأت سے لڑنے لگے کہ ترکوں کو ایسی دست بدست لڑائی کا کم اتفاق ہوا تھا۔ مگر روسیوں کی شجاعت نے ان ترکوں کے خون میں بھی جوش پیدا کر دیا انہوں نے بھی سنگینیں لیے ہوئے بڑھ بڑھ کر ایسی جان بازی دکھائی کہ روسیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ روسی سردار فوج نے جب ترکوں میں ایسا استقلال اور اپنے سپاہیوں میں پستی دیکھی فوراً واپسی کا حکم دیا اور روسیوں نے ارادہ کیا کہ ہٹ کر ان توپوں کے ادھر جا کر پناہ لیں جو پیچھے لگی ہوئی ہیں اور ترکوں کے روکنے میں عمدہ مدد دیں گے۔ ترک بھی اس امر کو خیال کیے ہوئے تھے اور خصوص شہزادہ حسن بالکل سمجھ گیا تھا اس نے بڑھ کر حملہ کر دیا اور روسیوں کے ساتھ ہی ساتھ ان کے بعد والی توپوں پر پہنچ گیا۔ حسن تدبیر سے ترکوں نے روسیوں کو زک دے دینے میں کوئی دقیقہ نہیں رکھا تھا۔ لیکن اتفاقاً عین اس وقت روسیوں کی کمک پہنچ گئی یہ ایک بہت بڑی فوج تھی جو ان پہاڑوں سے آئی تھی جن پر اس سے

بیشتر لڑائی ہو رہی تھی ۔روسیوں کے افسر نے جب ۔۔۔اپنی فوج کو آتے دیکھا۔ جھنڈی کے اشارے سے دور پر روکا اور حکم دیا کہ وہیں ڈیرا لگا کر مستعد ہو جاؤ۔جتنی دیر تک انہوں نے مورچہ بندی کی اس وقت تک تو وہ ترکوں کا مقابلہ کرتے رہے اور آخر یک بیک سخت شکست اٹھا کر مغرب کی طرف بھاگے ترکوں نے ابھی تعاقب کا ارادہ بھی نہیں کیا تاھ کہ روسیوں کی نئی توپوں سے ان پر کرابیں پڑنے لگیں ۔۔اس فوج اور اس سامان کی یہاں کی کسی کو خبر نہ تھی ۔حسن پاشا نے بہت غور کیا مگر سوا اس کے کہ اپنے مقام پر واپس آئیں اور کوئی تدبیر نہ بن پڑی ۔جمیل پاشا اور حسن پاشا دونوں نے سپاہیوں کو واپسی کا حکم دیا اور اپنے مقام پر پہنچ کر توپیں آگے بڑھائیں اور گولہ باری کرنے لگے۔

حسن پاشا نے جمیل پاشا کو بلا کر کہا:''اگر چہ ہم نے روسیوں کو بھگا دیا ۔مگر یہ بری ہوئی کہ ہم پسپا ہونے والوں کی حیثیت سے واپس آئے ۔اب کیا بندوبست کیا جائے کہ ہم پھر کامیاب ہوسکیں اور روسیوں کو اس مقام سے ہٹا سکیں ۔''

جمیل پاشا۔''میرے نزدیک تو اب حملہ نہ کرنا چاہیے ۔آپ دیکھتے ہیں کہ روسیوں کی فوج ہم سے بہت زیادہ ہے ۔دست بدست لڑائی جس پر ہمیں ناز ہے ۔ اس میں بھی کامیابی کی امید نہیں ،جس وقت تک کہ اسکندروپول سے ہمارے پاس مدد آئے ہمیں بھی مناسب ہے کہ دور سے گولہ باری کرتے رہیں اور آپ دیکھئے کہ ہم تھوڑی ہی دیر میں گولے برسا کر روسیوں کو کس درجہ پریشان کر دیتے ہیں ۔''

حسن پاشا:''یہ کچھ نہیں ۔اس تدبیر سے تو آپ روسیوں کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے ۔سامانِ جنگ میں وہ کسی طرح آپ سے کم نہیں ہیں آپ جتنے گولے برسائیں گے اس سے زیادہ ہی ان کے گولے آپ پر آئیں گے ۔''

جمیل پاشا:''پھر کیا کیا جائے ؟''

حسن پاشا: ''آ دس ہزار سپاہی میرے ہمراہ کیجئے۔ میں کوئی نہ کوئی تدبیر نکال لوں گا۔''

جمیل پاشا: ''آپ میں نوجوانی کا جوش زیادہ ہے اور آپ بے احتیاطی سے اپنی فوج کا زیادہ حصہ کٹوا دیتے ہیں۔ اگر چہ آپ کی رائیمیں مجھے دخل نہیں مگر بحثیت ایک خیر اندیش کے میں مشیر ہوسکتا ہوں۔''

حسن پاشا: ''اس سے آپ مطمئن رہیں، جو بات ہوگی اپنے موقع ہی سے ہوگی اور انشا اللہ میں کامیاب ہوں گا۔''

جمیل پاشا نے دس ہزار ترک شہزادہ حسن کے ہمراہ کیے اور وہ ان لوگوں کو لے کر اخل کلا کی میں چلا گیا اخل کلا کی کی پشت کی جانب ایک وادی ہے جو یوں تو اکثر خشک پڑی رہتی ہے، مگر بارش کے موسم میں مختلف نہریں اس میں شامل ہو جاتی ہیں۔ یہ وادی نشیب میں واقع ہے اور یہ نشیب دور تک مشرق کی جانب چلا گیا ہے شہزادہ حسن اسی نشیب کی راہ سے مشرق کی طرف روانہ ہوا اور چار پانچ میل کا چکر کھا کر شمال کی طرف مڑا۔ وہ خود کا ہے کو مڑا بلکہ وہ وادی ہی مڑ گئی ہے اور وہاں سے ان پہاڑیوں کی طرف گیا۔ جو شمال کی طرف دور تک چلی گئیں ہیں اور ان پہاڑیوں کی آڑ میں چھپا ہوا وہ روسیوں کی پشت کی طرف ان کے قریب ہی آ گیا۔ شہزادہ حسن جمیل پاشا سے رخصت ہوتے وقت کہہ آیا تھا کہ جس وقت اس پہاڑی سے میں جھنڈی دیکھاؤں آپ یوسف پاشا کو حکم دے دیجئے گا کہ فوراً حملہ کر دیں۔ اسی خیال سے حسن پاشا نے ایک ترک کو اس پہاڑی کی چوٹی پر بھیجا اور حکم دیا کہ ہمارے لوگوں کو دیکھتا رہیے۔ جس وقت ہم اللہ اکبر کہہ کر حملہ کریں۔ اسی وقت جھنڈی ہلا دے تا کہ جمیل پاشا یوسف پاشا کو روانہ کر دیں۔''

یوسف پاشا ادھر حملہ پر آمادہ ہی تھا کہ جھنڈی ہلائی گئی اور دونوں طرف سے

ترکوں نے قدم اٹھا کر حملہ کیا کہ روسیوں کے سر پر پہنچ جائیں حسن پاشا کے ایک نئی طرف سے آنے پر روسیوں کو ایسی حیرت ہوئی کہ وہ یوسف پاشا کی بھی مزاحمت نہ کر سکے۔انہوں نے گھبرا کر توپیں ادھر موڑنا شروع کی مگر دیکھا تو ترک بہت قریب آ گئے تھے اور ان کی روک ممکن نہ تھی الغرض افسر تلواریں اور کرچیں ہلاتے ہوئے اور عام سپاہی سنگینیں جھکائے ہوئے پہنچ گئے۔ادھر یوسف پاشا کے ہمراہی بھی آ گئے۔اور بڑی سخت لڑائی ہونے لگی۔

یہ لڑائی تقریباً جوش وخروش کے ساتھ دو گھنٹے رہی ہوگی کہ دفعتہً دیکھا تو دونوں طرف سے سفید جھنڈیاں اڑ رہی تھیں ادھر روسی اپنے سپاہی کو روک رہے تھے۔ادھر ترک اپنے سپاہیوں کو حسن پاشا جو بڑی مردانگی سے لڑ رہا تھا وہ اپنے نزدیک اسی خیال میں تھا کہ روسیوں کو زک ہوا چاہتی ہے۔جمیل پاشا کی طرف سے سفید جھنڈی اڑتے دیکھ کر چلا اٹھا اور کہنے لگا:''افسوس بڑے برے موقع پر ہم روکے جاتے ہیں۔کیا جمیل پاشا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم کو شکست ہو جائے گی۔کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بات ہے۔مگر تعجب تو یہ ہے کہ روسی بھی اس وقت امن کی جھنڈی دکھا رہے ہیں میں کامیاب ہی ہوا چاہتا تھا۔کیا یہ جائز ہے کہ میں ان جھنڈیوں کا کچھ خیال نہ کروں؟اگر ایسا کروں تو بہت اچھا ہوگا اس لیے کہ میں یقیناً روسیوں کو شکست دے دوں گا۔مگر خرابی یہ کہ الزام آ جائے گا۔بہتر میں بھی تلوار روکتا ہوں افسوس اس لڑائی کی دل میں حسرت رہ جائے گی۔''یہ خیال کر کے شہزادہ حسن نے اپنے سپاہیوں کو روک دیا۔یوسف پاشا اور وہ دونوں مل کر اپنے گھروں کی طرف چلے۔

یوسف پاشا:''مجھے بالکل خبر نہیں اور روسیوں کو تو خیر زک کا خوف تھا۔مجھے حیرت ہے کہ جمیل پاشا نے ہم لوگوں کو کیوں روک دیا۔مجھے تو بڑا افسوس ہے منزل مقصود پر پہنچ کر ناامید ہونا پڑا۔''

یوسف پاشا: ''جی ہاں اور کیا ہم شکست دے چکے تھے۔''

یہی باتیں کرتے ہوئے یہ دونوں بہادر سردار ان فوج جمیل پاشا کے پاس پہنچے اور حسن پاشا نے بے صبری کے ساتھ کہا۔ ''جمیل پاشا آپ نے ہمیں کیوں روک دیا۔ ہم تو کامیاب ہو چکے تھے۔''

جمیل پاشا: ''بے شک مجھے بھی اس بات کا افسوس ہے مگر کیا کروں ابھی ابھی تار آیا کہ صلح ہوگی اور فوراً لڑائی موقوف کی جائے۔ بس اس تار نے مجھے مجبور کر دیا۔''

حسن پاشا: ''صلح ہوگئی کچھ یہ بھی معلوم ہوا کہ کن شرائط پر ہوئی۔''

جمیل پاشا: ''بالکل نہیں۔''

اس گفتگو کے بعد سب افسر اپنے اپنے فرد گاہ کو گئے۔

مبارک مبارک

صبح کا وقت ہے اور آفتاب ان پہاڑیوں سے برآمد ہو رہا ہے جن میں چھپ چھپ کر حریف لڑتے تھے۔ اور نامہ نگار لڑائی کے رنگ اور سپاہیوں کے جوش و خروش اور بازارِ مرگ گرم جوشیوں کا تماشا دیکھا کرتے تھے۔ وہ لاشیں جو کل اس میدان میں پھیلی ہوئی تھیں اور جن کے اٹھانے کو لوگ کفن باندھ باندھ کر جایا کرتے تھے۔ گزشتہ رات کو نہایت اطمینان اور سہولت سے دفن کر دی گئی۔ اور جہاں کل تک سامان رزم تھا۔ وہاں آج بزم ہے اور ہر طرف خوشی کے چہچے ہیں۔ طیور جو کل توپوں کی آواز سے خوف خوف کھا کر بھیانک آوازوں میں شور کرتے تھے۔ آج ان کی سریلی آوازیں نغمہ سرود سے کچھ زیادہ لطف دے رہی ہیں۔ پھول کی شادابی یا تو کچھ آج ترقی ہی کر گئی ہے۔ یا کل تک نظریں ان کی شادابی کو دیکھ نہ سکتی تھیں۔ کیونکہ آج صبح کو آفتاب کی نرم نرم سنہری کرنوں میں ان کی تروتازگی اور ان کے نکھرے نکھرے ہوئے سادے سادے رنگ عجب بہار دکھا رہے ہیں۔

جس سبزہ زار کی ہم سیر کر رہے ہیں اس کے ہر چہار طرف دور دور پر پہاڑیاں ہیں۔جنہوں نے گویا رات کے آسمانی معشوقوں یعنی تاروں کا منہ چومنے کے لیے سر بلند کیا تھا۔اور اب شرماسی گئی ہیں۔وسط سبزہ زار میں ترکی کیمپ کے خیمے نصب ہیں۔

اور وہ نسیم جو پھولوں اور ہرے ہرے پودوں سے گستاخیاں کر کے آتی ہے۔عجب شانداری سے اس ہلالی پھریرے کو اڑا رہی ہے، جو ان خیموں کے درمیان میں اڑ رہا ہے۔مصطفےٰ پاشا سپہ سالار عسا کر عثمانیہ اپنی خاص بارگاہ کے سواروں کے ساتھ مشرق کی طرف سے آ رہا ہے۔جس کے استقبال کو شہزادہ حسن اور جمیل پاشا ادھر سے بڑھے۔نہایت ذوق وشوق سے ملے ہیں۔جب یہ لوگ خاص خیمہ یعنی جمیل پاشا کے خیمے کے قریب پہنچے۔ترکی توپوں نے باضابطہ سلامی کی اور فوجی باجا بجنے لگا۔

مصطفےٰ پاشا خوش خوش خیمہ کے اندر گیا۔اور جمیل پاشا سے کہنے لگا!۔''میں نے سنا ہے کہ جس وقت آپ کو صلح کی اطلاع پہنچی ہے۔اس وقت آپ کے بہادر سپاہی لڑ رہے تھے۔ بلکہ روسیوں پر غالب ہو چکے تھے۔''

جمیل پاشا!''جی ہاں۔اس کا حال تو شہزادے صاحب سے پوچھیے۔انہیں اس وقت لڑائی سے باز آنے کا نہایت درجہ قلق ہوا۔کیونکہ یہ روسی توپوں پر پہنچ گئے تھے۔اور قریب تھا کہ روسی بھاگ کھڑے ہوں۔''

مصطفےٰ پاشا:''خیر خدا نے نیک نامی پر خاتمہ کیا۔اصل تو یہ ہے کہ ہم نے روسیوں کو زیادہ زکیں دیں۔بلکہ ایشیا میں تو ہمیں کوئی شکست نہیں ہوئی''۔

حسن پاشا:''ہم نے طفلیس تک چھین لیا ہوتا۔مگر ایرانیوں کی مخالفت نے ایسی برہمی پیدا کر دی آخر میں ہم ان کے مقابلے سے ہٹ آئے۔''

مصطفےٰ پاشا: ''افسوس علی پاشا بڑے بہادر اور خوش تدبیر افسر تھے۔ خدا نے ان کو اپنے پاس بلالیا۔ مجھے ان کی شہادت کا بڑا صدمہ ہے اور یہ صدمہ عرصے تک میرے دل سے نہ جائے گا۔''

جمیل پاشا: ''آپ نے سنا ہوگا۔

کس نیا موخت علم تیرا زمن
کہ مرا عاقبت نشانہ نہ نکرو

وہی بات ہوئی۔ ایرانیوں کے ساتھ نے جیسی محنت کی اور جس قدر جلد انہوں نے ایرانیوں کو لڑائی کے قابل بنا دیا۔ یہ انہی کا کام تھا۔ مگر ایرانیوں نے اس کی یہ قدر کی کہ خود ان کو زخمی کیا۔ اور باہم لڑ بھڑ کر ایسی شکست دلوائی کہ ترکوں کو بھی بھاگا پڑا اور اسی عالم میں وہ بے چارے شہید ہوئے۔ خدا غریق رحمت کرے۔''

مصطفےٰ پاشا: ''افسوس۔ خیر ہاں آپ نے مجھے کس ضرورت سے بلایا ہے۔''

جمیل پاشا: ''اس کا حال شہزادہ حسن سے پوچھیے۔ انہیں نے آپ کو تکلیف دی ہے، بلکہ ایک عام دعوت کی ہے جس میں روسی افسران فوج بھی بلائے گئے ہیں۔''

مصطفےٰ پاشا: ''شہزادے صاحب اس لڑائی کے زمانہ میں آپ کا خدا جانے کیا حال رہا۔ مدتوں غائب رہے اور ہر سپاہی کو تشویش میں رکھا۔ پھر ملے تو ایسے بدحواس کہ معاذاللہ اور ریک بیک پھر غائب ہو گئے۔ مگر انصاف ہے کہ جن لڑائیوں میں آپ لڑے ان میں نیک نامی بھی آپ کو سب سے بڑھ کر نصیب ہوئی۔ الحمدللہ کہ خدا نے آپ کی آرزو پوری کی۔ اگرچہ آپ نے اطلاع نہیں دی۔ مگر مجھے معلوم ہو چکا تھا۔

حسن: ''جی ہاں۔ خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ مجھے لڑائی میں بھی سرخرو کیا ورنہ

مجھے تو ہرگز امید نہ تھی ۔جس بلا میں مبتلا ہو گیا تھا۔وہ ایسی نہ تھی کوئی اور کام بھی کر سکتا ۔آپ نے تو ان دنوں میری حالت دیکھی تھی ۔میں کسی کام کا نہ تھا۔''

مصطفٰے پاشا:''مگر آپ بڑی جان بازیوں کے بعد کامیاب ہوئے اور ایسی جان بازیوں کا نتیجہ کامیابی ہی ہونا چاہیے۔''

حسن :''لیکن اب وہ مصیبتیں خواب وخیال ہو گئیں ۔کیونکہ اب مجھے ہمیشہ سے زیادہ خوشی اور اطمینان حاصل ہے۔''

مصطفٰے پاشا:''ہاں آپ نے روسی افسروں کو کس وقت بلایا ہے۔؟''

حسن:''(گھڑی دیکھ کر)آتے ہی ہوں گے۔پانچ منٹ باقی ہیں۔''

مصطفٰے پاشا:''اسی وقت !اور ان کو نہ بلالیا۔مرزا عباس کو؟وہ بھی ایسا شخص ہے کہ ہمیں ان کا احسان مند رہنا چاہیے۔''

حسن :''جی وہ بھی آتے ہوں گے ۔اخل زک میں ہیں۔ان کو بھی اس وقت بلا بھیجا تھا۔''

مصطفٰے پاشا:''تو آپ نے بڑا سامان کیا ہے!کیا ہے کیا؟''

حسن:تھوڑی ہی دیر میں آپ کو معلوم ہو جائے گا۔''

جمیل پاشا:''میں عرض ہی کر دوں ۔''اسی قدر جملہ زبان سے نکلا تھا کہ ایک سپاہی نے آ کر دست بستہ عرض کیا۔حضور روسی آفسر آتے ہیں اور ان کے ساتھ پانسو کے قریب سوار بھی ہوں گے۔''

جمیل پاشا:''آنے دو۔''

اس کے بعد سب باہر نکلے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر ان کے استقبال کو گئے ۔ روسی سپہ سالار نے بڑھ کر مصطفٰے پاشا اور شہزادہ حسن سے ہاتھ ملایا۔

ترکوں کی طرف سے ان کی سلامی میں باجا بجایا گیا۔اور وہ خوش خوش خیمہ کے

قریب آ کر گھوڑوں سے اتر پڑے۔ یہ صرف اس زمانے کی تہذیب تھی۔ ورنہ وہی لوگ جو کل تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ آج اس خلق اور اس جوش مسرت سے ایک دوسرے سے ملے ہیں کہ گویا کبھی عداوت تھی ہی نہیں۔ یہ عیسائی اور مسلمان ہیں جن میں بوجہ رقابت ملکی اور نیز مذہبی کبھی اتفاق ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر کتنے خلیق ہیں کہ دونوں کے چہروں میں سے کسی پر بھی کوئی ناراضگی یا مخالفت کے اثر نہیں پائے جاتے۔ افسوس ہے ہمارے سنیوں اور شیعوں پر جو وقت بے وقت ہمیشہ عداوت اور آزار رسانی پر آمادہ رہتے ہیں۔ جس محبت اور خلوص سے مسلمان اور خلوص سے مسلمان اور عیسائی ملا کرتے ہیں۔ ویسا خلوص شاید کبھی اتفاقی ہی دو سنیوں اور شیعوں میں پایا گیا ہو۔ ورنہ ہمیں تو امید نہیں۔ ہمارے شیعوں اور سنیوں کو ان سے اتفاق اور تہذیب کا سبق لینا چاہیے۔

روسی افسر تر کی خیمے میں داخل ہوئے اور عین اسی وقت مرزا عباس بھی آ گیا۔ جس کے استقبال میں مصطفےٰ پاشا اور خصوصاً شہزادہ حسن نے بڑی سرگرمی دکھائی۔ یہ سب لوگ اب خیمے میں بیٹھے ہیں اور نہایت دوستانہ الفاظ میں باتیں کر رہے ہیں۔

مصطفےٰ پاشا نے مرزا عباس کو روسی سالار فوج سے ملایا اور اس نے بھی اپنا بہت بڑا اشتیاق ظاہر کیا۔

شہزادہ حسن: ''میں آپ کا نہایت مشکور ہوں کہ میری درخواست کے بموجب آپ نے یہاں تشریف لانے کی تکلیف گوارا فرمائی۔

روسی افسر: '' یہ تکلیف ہمارے لیے مرجب فخر ہو سکتی ہے کیونکہ ہم خاندان عثمانیہ کے ایک شہزادے کے مہمان ہیں، جو خلق و مروت بہادری بلکہ تمام اوصاف میں یکتا ہیں۔''

شہزادہ حسن: ''الحمد اللہ کہ اب خوشی کا موقع ہے اور وہ زمانہ گزر گیا۔ جب کہ

ہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور ہمارے ہاتھوں سے خونریزی ہو رہی تھی۔''

روسی افسر: ''بے شک ملکی حالت اور سلطنت کی نگہداشت ہمیشہ سے یہ ایسے معاملات رہے ہیں کہ جن کی وجہ سے بہت خونریزی ہوئی۔ ایک سپاہی جرات اور شجاعت کو اپنا جوہر مانتا ہے مگر غور سے دیکھیے تو جرات بڑی بری چیز ہے ظلم اور خونریزی کا نام جرات ہے۔''

شہزادہ حسن: ''یہ صحیح ہے لیکن اگر اعتدال سے کام لیا جائے اور مظلوم پر تلوار نہ اٹھائی جائے تو حقیقت میں شجاعت سے زیادہ عمدہ وصف انسان کے لیے کوئی نہیں ہوسکتا ہے۔''

جمیل پاشا: ''خیر۔ ان باتوں کے لیے تو شاید بہت سے اوقات نکل آئیں گے۔

آپ لوگوں کو اس وقت صرف تفریح اور مسرت انگیز دل چسپی کے لیے تکلیف دی گئی ہے۔ ہم ایک خوشی کے منتظر ہیں۔ جس کا وقت آ گیا اور اچھا نہ معلوم ہوا کہ ہماری اس مسرت میں آپ نہ شریک ہوں۔''

روسی سالار فوجی: ''آپ کی خوشی ہماری ہی خوشی ہے۔ اور آپ کی اس یاد فرمائی کے مشکور ہیں اور جوش مسرت ہمیں بے تاب کیے دیتا ہے۔ کہ پوچھیں وہ کون سی خوشی ہے۔''

جمیل پاشا: ''ہمارے مغرز اور جوانمرد شاہزاد شہزادہ حسن کو ایک عشق نے عرصے سے سرگرداں کر رکھا تھا۔ جس میں خدا کے فضل و کرم سے انہیں کامیابی ہوئی اور ان کی معشوقہ وفاداری اور ہم وزن محبت کے ساتھ ان کے پاس آ گئی۔ اس وقت منظور ہے کہ عقد ہو جائے تا کہ وصال کی امیدیں زیادہ طول نہ کھینچیں۔ اگر چہ

مناسب یہی تھا کہ خاص سلطان کے سامنے قسطنطنیہ میں عقد ہوتا۔لیکن بے قرار دلوں سے صبر نہیں ہوسکتا۔''

روسی افسر:''میں بھی مبارک باد دینے کا مستحق ہوں۔ مجھے بھی اس وقت معلوم ہوا کہ یہ دعوت اس تقریب میں کی گئی ہے۔بہتر تو اب قاضی صاحب کو بلوایئے تا کہ شرعی طور پر جلد تر عقد ہو جائے۔واقعی ہمارے شہزادہ حسن کو مدتوں کے بعد یہ مسرت نصیب ہوئی ہے اور اس نکاح کی آرزو میں انہوں نے ایسی ایسی زحمتیں اٹھائی ہیں، جن کے خیال کرنے سے حیرت ہوتی ہے۔کہ انسان عاشق ہونے کے بعد کتنا بڑا متحمل مزاج ہو جاتا ہے۔''

اس کے بعد جمیل پاشا نے آدمی بھیج کر قاضی صاحب کو بلوایا۔ایک مقطع اور سن رسیدہ عالم جو شہزادہ حسن کے گروہ میں تھے۔اپنی عالمانہ وقار اور مقتدایانہ وضع میں تشریف لائے۔مصطفےٰ پاشا،جمیل پاشا اور شہزادہ حسن نے بڑھ کر ان کے ہاتھ چومے۔ان ترکی افسروں کو ان کی تعظیم کرتے دیکھ کر روسی سرداران فوج بھی کھڑے ہو گئے۔اور انہیں حیرت ہوگئی کہ ترکوں یا مسلمانوں میں اپنے مذہبی مقتداؤں کی کس قدر تعظیم کی جاتی ہے۔قاضی صاحب ایک کرسی پر رونق افروز ہوئے اور روسی افسروں کی طرف اشارہ کر کے پوچھنے لگے کہ''یہ کون حضرات ہیں۔''

شہزادہ حسن:''(ادب سے)یہ سرداران افواج روسی ہیں۔جن سے کل تک ہم مقابلہ کر رہے تھے اور آج نہایت خلق و مروت کو کام میں لا کر انہوں نے ہماری مہمانی قبول کی ہے۔''

یہ سن کر قاضی صاحب نے ان لوگوں کو غور سے دیکھا اور اگرچہ ان کی زبان میں گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔مگر بذریعہ شہزادہ حسن کے مزاج پرسی کی۔روسیوں نے بھی نہایت ادب سے جواب دیا اور ثابت کر دیا کہ باوجود بہادری کے ان میں شریفانہ

مزاج اور اخلاق بھی ہیں۔"

اس خیمے میں ہر چہار طرف صدہا کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ اور نہایت خوشنمائی سے سجایا گیا تھا۔ تمام ترکی سرداران فوج آنا شروع ہوئے جو اپنے نج کے معمولی اخلاق سے شہزادے اور مصطفےٰ پاشا کو سلام کر کے ادب سے بیٹھ جاتے تھے۔ دم بھر میں خیمہ بھر گیا اور کسی کے بیٹھنے کے لیے ایک کرسی بھی باقی نہیں رہی۔ حسب اصول اسلامیہ قاضی صاحب نے خطبہ نکاح پڑھا اور ایجاب وقبول کی شرائط پوری کر کے لوگوں کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ "مبارک" کچھ خرمے لٹاو یے گئے۔"

تمام ترکی افسروں نے نہایت ذوق وشوق سے مسرت ظاہر کی اور شہزادہ حسن کو مبارک باد دینے لگے۔

مصطفےٰ پاشا: "حقیقیت میں یہ بڑی خوشی کا وقت ہے ہمارے سرتاج ہمارے شہزادے کو آج اپنی سپہ گری اور اپنے عشق دونوں میں کامیابی حاصل ہوئی۔ خدا ان کی اور اس خوش نصیب شہزادی کی عمر میں برکت دے۔ جس کو ان کی بی بی بننے کا شرف حاصل ہوا ہے۔"

روسی سالار فوج: "میں بھی شہزادے صاحب کو مبارک باد دیتا ہوں۔ مگر (مصطفےٰ پاشا سے) اتنا اور دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کون خوش نصیب شہزادی ہے جو شہزادے صاحب کے نکاح میں آئی۔"

مصطفےٰ پاشا: "آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہ بھی ایک دولت عثمانیہ کی شاہی نسل سے ہے زمانے نے اسے بہت دنوں اپنے وطن سے جدا رکھا۔ اور اب ہمارے شہزادے کی محبوبہ ہے شہزادی نورالصباح۔ جو بحر اسود کے مشرقی ساحل پر اپنی قسمت پر صبر کر کے بیٹھ رہی تھی۔ اور جس کا دوسرا نام ہے ملکہ انجلینا۔"

اتنا جملہ سنتے ہی سب روسی افسر حیرت سے دیکھنے لگے اور دیر کے بعد سالار

فوج بولا۔ ''آپ نے ہمیں دھوکا دے کر بلایا۔ ہم اس شادی میں ہرگز نہ شریک ہوتے۔ شہزادی انجلینا ہمارے ملک میں مدتوں رہی ہے۔ گورنمنٹ روس نے مدتوں اپنی تحویل میں رکھا۔ آخر میں کسی قدر بدگمانی ہوئی تھی۔ اور اسی وجہ سے گورنر صاحب طفلیس نے اپنی حراست میں کرلیا تھا۔ ہمارے ایک افسر اس شہزادی کے عشق میں ہی مارا گیا۔ بے شک حضور زار کے دربار میں ہمیں الزام دیا جائے گا۔ مگر یہ تقدیر معاملات ہیں خدا ہی کو یہ منظور تھا۔ اس میں کسی کیا دخل اب خدا ہی نے دونوں کو ملایا۔ تو میں بھی دلی مسرت سے مبارکباد دا کرتا ہوں۔'' اس تقریر کے بعد روسی افسر رخصت ہوئے۔ سب افسران ترک بھی چلے گئے اور شہزادہ حسن نے اپنی دل ربا کے خیمے کا راستہ لیا۔

ختم شد